أنزل الناس منازلهم من الخير والشر

لوگوں کو خیر و شر میں ان کے مقام پر رکھو

الاحادیث الموضوعة في فضائل معاوية

تالیف

قاری ظہور احمد فیضی

ریسرچ سکالر: جامعہ اسلامیہ، لاہور

مکتبۃ باب العلم، لاہور۔ پاکستان

نام کتاب	:	الأحاديث الموضوعة في فضائل معاوية
مُصنّف	:	قاری ظہور احمد فیضی
پروف ریڈنگ	:	علامہ نصیر احمد نقشبندی، اوچ شریف
تصحیح و ترتیب	:	محمد احمد فیضی
کمپوزنگ	:	محمد طاہر فیضی، اوچ شریف (بہاول پور)
بک ورک	:	محمد رضا
تعداد	:	1000
الطبعة الاولیٰ	:	۱۴۳۹ھ، اگست 2018
ہدیہ	:	
پرنٹر	:	نثار آرٹ پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ گلبرگ-III، لاہور فون: 87-1385 3575 042
ناشر	:	مكتبة باب العلم، لاہور

facebook.com/Maktaba-Babul-Ilm Tel: 0300 41 500 21, 0321 178888
maktbababulilm110lhr@gmail.com

ڈسٹری بیوٹرز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور/اردو بازار، کراچی

عباسی کتب خانہ: جونا مارکیٹ کراچی

مکتبہ غوثیہ: کراچی
0300-2134630

احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

بک کارنر: جہلم

مکتبہ اسلامیہ: فیصل آباد

مکتبہ خورشید ملت، نزد کینال ریسٹ ہاؤس، اوچ شریف (بہاول پور)

0300 249 5037

New View Publication Pvt. Ltd. Dehli, INDIA
Ph: +919811379205

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا.
''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو''۔
(الأحزاب: ۷۰)

مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.
''جو شخص میرے حوالے سے وہ بات کہے جو میں نے نہیں فرمائی
تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَصْلُحُ لِلطُّلَقَاءِ وَلَا لِأَبْنَاءِ الطُّلَقَاءِ ، وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ
مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا جَمَعْتُ لِيَزِيْدَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ
وَمُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ وَلَايَةَ الشَّامِ.
''اس امر کے لیے طلقاء اور طلقاء کی اولاد لائق نہیں، اور اگر میں موجودہ
صورتِ حال کو پہلے سے بھانپ لیتا تو یزید بن ابوسفیان اور
معاویہ بن ابوسفیان کو شام کی حکومت نہ دیتا''۔
[سیدنا عمر رضی اللہ عنہ]

یہ فقیر حقیر اپنی اِس معمولی سی کاوش کو اہل سنت کے اُن عظیم اور قدیم محدثین کرام کے نام منسوب کرنے کی جسارت کرتا ہے جنہوں نے مسلکی تعصّب سے بالاتر رہتے ہوئے محض احادیث نبویہ **علٰی صاحبها الصلاة والتسلیم** کو کذب و باطل سے منزہ و مبراء رکھنے کے جذبہ سے سرشار ہو کر اور عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کو فرمایا تھا کہ "معاویہ کی شان میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بھی صحیح چیز منقول نہیں"۔ خصوصاً امام المحدثین اور امیر المؤمنین فی الحدیث سیدنا امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی المعروف ابن راھویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ پھر امام نسائی، امام حاکم اور دوسرے اُن کے مؤیدین محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور نبی الرحمۃ ﷺ کے طفیل مجھ ناکارہ کا حشر اُن قلیل پیکرانِ صدق و صفا میں فرمائے جنہیں ہوا کے رُخ پر چلنا نہیں آتا تھا، جنہوں نے کٹ جانا تو قبول فرمایا مگر موضوع احادیث اور جھوٹ کا سہارا لے کر زندہ رہنا پسند نہ فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمُطَهَّرِيْنَ ، وَأَصْحَابِهِ
الرَّاشِدِيْنَ الْمُجْتَبِيْنَ.

اسبابِ تالیف

اِس کتاب کے اسبابِ تالیف میں سب سے بڑا سبب دورِ حاضر میں موضوع و باطل احادیث کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ یوں تو ہر دور میں ہر دینی تنظیم اپنی تنظیم کی رونق اور پیروکاروں کی تعداد بڑھانے کے لیے احادیث موضوعہ و باطلہ کا سہارا لیتی رہی ہے، لیکن ماضی قریب میں وجود میں آنے والی ایک مخصوص تنظیم نے اس سلسلہ میں پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ راقم الحروف جب جامع مسجد الف میٹھا در کراچی میں [۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۸ء تک] خطیب تھا تو خطاباتِ جمعہ میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا: قرآن سمجھنے کی طرف آؤ اور احادیثِ موضوعہ سے جان چھڑاؤ۔ پھر بعض موضوع روایات کو بطورِ مثال بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمہیں ایسی ہی روایات پسند ہیں کہ عمل کم ثواب زیادہ۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ روایت ''فیضانِ سنت'' میں موجود تھی، بس پھر تو میرے خلاف ایک اودھم مچ گیا۔

مسجد انتظامیہ کے پاس شکایت آگئی کہ تمہارے خطیب نے حضرت صاحب کی کتاب پر اٹیک کر دیا ہے، حالانکہ میں نے کبھی فیضانِ سنت کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا۔ مختصر یہ کہ میرے خلاف دن بدن فضا گرم سے گرم تر ہوتی گئی تو مجھے مجبوراً ''فیضانِ سنت'' کا مطالعہ شروع کرنا پڑا، سب سے پہلے وہی روایت تلاش کی، اُس کے بعد سرسری مطالعہ کیا تو اُس کتاب کو موضوع و باطل روایات سے مملو پایا۔ پھر میں نے اُن تمام روایات کو قلم بند کرنا اور اُن کے بطلان کو واضح کرنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھار بعض روایاتِ باطلہ دوستوں کی مجالس میں زبان پر بھی آجاتی تھیں، جنہیں بعض دوست نما حضرات نے چھوٹے چھوٹے ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کر کے آگے پہنچا دیا۔ بہر حال میری ایسی باتوں کی اطلاع حضرت صاحب کو پہنچی تو وہ دو مرتبہ مجھ ناکارہ کے ہاں تشریف لائے، یہ وہ دور تھا جب حضرت صاحب شہید مسجد کھارادر میں بیٹھتے تھے اور وہ الف مسجد کے پڑوس میں تھی۔ گفت و شنید کے بعد تشریف لے گئے اور بعد میں معلوم ہوا کہ اُنہوں نے بعض مقامات سے رجوع کر لیا ہے اور آئندہ ایڈیشن میں اصلاح بھی کر دی

ہے۔ پھر کئی سال بعد معلوم ہوا کہ حضرت صاحب نے ملتان میں اپنی اُس پوری کتاب کو ہی منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اُنہوں نے اُس کتاب کو منسوخ کر دیا جو بقول اُن کے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مقبول تھی؟ کیونکہ اُس کتاب میں کسی کا خواب مرقوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ کتاب اٹھا رکھی تھی اور آپ سیدنا غوث اعظم اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہما کو دکھا دکھا کر فرما رہے تھے:

''یہ ''فیضانِ سنت'' ہے اور یہ محمد الیاس قادری کی طرف سے میری امت کے لیے تحفہ ہے''۔

(فیضان سنت قدیم، نظر ثانی شدہ ایڈیشن، ص ۳)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ''فیضانِ سنت'' کی موضوع و باطل روایات کے خلاف میرے پاس جو تحقیقی مواد تیار ہو گیا تھا، اُسے اُن ایام میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر علامہ مفتی منیب الرحمان صاحب اور علامہ مفتی محمد رفیق حسنی دامت برکاتہم اور بعض دوسرے علماء کرام نے بھی حرفاً حرفاً پڑھا تھا اور سوائے ایک صاحب کے باقی سب علماء کرام نے زور دے کر فرمایا تھا کہ اِس کتاب کو چھپوا دو۔ میں اِس سلسلہ میں تذبذب کا شکار تھا کہ اچانک ایک جمعہ کو میرے پاس ایک اعلان کی پرچی آئی، جس میں لکھا ہوا تھا کہ دعوتِ اسلامی کی جانب سے درس نظامی (تنظیم المدارس) کی کلاسز کا فلاں تاریخ سے آغاز ہو رہا ہے۔ اِس پر میں نے اُسی لمحہ ہی میں اپنی اُس تحریر کو شائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اُسی وقت بھرپور طریقے سے اُن کے درسِ نظامی کے آغاز کا اعلان کیا۔ بعد میں مسجد انتظامیہ نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے بڑی دلچسپی سے اعلان کیا ہے، کیا کوئی ڈیل ہو گئی؟ میں نے کہا: جو مبارک قدم انہوں نے اٹھالیا ہے اُس کی بدولت بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی اور یقیناً ایسا ہوا بھی، لیکن ہماری بدقسمتی کہ اِس تنظیم کو نظر بد لگ گئی یا پھر کوئی منافق اس تنظیم میں گھس گیا اور اُس نے ایسی چال چلی کہ اِس تنظیم نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے۔

پہلے یہ لوگ محض فضائلِ اعمال میں موضوع و باطل روایات بیان کرتے تھے اور اب عقائد ونظریات میں بھی موضوع و باطل روایات بیان کرنے لگ گئے ہیں۔ ''فیضان امیر معاویہ'' کتاب ایسی ہی سنگین اور فحش غلطیوں کی ایک کڑی ہے اور پھر اِس کے بعد چینل پر جو کچھ بیان کیا گیا اُس سے تو ساری حدیں ہی ٹوٹ گئیں۔ عرسِ معاویہ، لنگر معاویہ، فیضانِ معاویہ، مساجدِ معاویہ اور بے خطا و بے گناہ معاویہ وغیرہ، اہلِ سنت میں اِس سے قبل ناصبیت کی ایسی بدترین مثال نہیں پائی جاتی۔

مساجدِ معاویہ بنانے پر اعتراض نہیں

یہ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں مساجدِ معاویہ بیشک بنائیں، اِس پر ہمیں اعتراض کرنے کا کوئی اختیار نہیں، آخر نبوی پیش گوئی نے بھی تو پورا ہونا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی بن ابی طالب ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یُوْشِکُ أَنْ یَّأْتِيَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اِسْمُهٗ ، وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهٗ ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰی.

’’قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں اسلام باقی نہیں رہے گا بجز اُس کے نام کے، قرآن کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی بجز اُس کی تلاوت وتحریر کے، مساجد آباد ہوں گی اور ہدایت سے برباد ہوں گی‘‘۔

(الجامع لشعب الإيمان ج٣ص٣١٧، ٣١٨حديث١٧٦٣؛السنن الواردة في الفتن ج١ص١٢٤ حديث٢٣٦؛مشكاة ج١ص٩١حديث٢٧٦)

پہلی صدی میں ہجری میں جو بادشاہ خود اور اُس کے گورنر مساجد کے منبروں پر انعام یافتہ طبقہ پر نہ صرف یہ کہ سبّ وشتم بلکہ لعنت کرتے رہے، جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَاتَّخَذُوْا لَعْنَهٗ عَلَی الْمَنَابِرِ سُنَّةً.

’’اُنہوں نے منبروں پر سیدنا علی ﷺ پر لعنت بھیجنے کو طریقہ بنالیا تھا‘‘۔

(فتح الباري ج٧ص٤٣٤، وط: ج٨ص٤٢٠)

خود سوچیے! اُس بادشاہ کے نام پر بننے والی مساجد میں ہدایت کہاں سے آئے گی؟

ناصبیت وملوکیت کی وکالت پر سکوت نہیں

مساجدِ معاویہ کے اعلان پر تو ہمیں بولنے کا اختیار نہیں لیکن ہم ناصبیت وملوکیت کی وکالت پر خاموشی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ تنظیم نہ صرف یہ کہ طرزِ اسلاف سے ہٹ گئی بلکہ انہوں نے کھلی ناصبیت کی بنیاد رکھ دی ہے۔

۱۔ اِن لوگوں نے اہل بیت کرام ﷺ کے مقدس اسماء کے ساتھ لفظ ’’علیہ السلام‘‘ کہنے یا لکھنے کے مسئلہ کو اپنی اُس کتاب میں درج کردیا ہے جس کا نام ہے ’’کفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب‘‘۔ تفصیل کے لیے

راقم الحروف کا رسالہ ''اہل بیت کرام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنے/لکھنے کا مسئلہ'' ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ سیدنا علی علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کا بھائی کہنے کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، اور اِس میں سیدنا علی علیہ السلام کی کھلی تنقیص ہے۔

۳۔ سادات کرام کے بارے میں ہلکا انداز اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خود کو سید شو کر کے فوائد و عزت حاصل کرنے کی کوشش مت کیا کریں۔ آخر اِس کبیدگی خاطر کو کیا سمجھا جائے؟

۴۔ موصوف اپنی گفتگو میں آل کو مؤخر اور صحابہ کو مقدم رکھتے ہیں اور ''صحابہ و اہل بیت'' کہتے ہیں ''اہل بیت وصحابہ'' نہیں کہتے، حالانکہ قرآن وسنت نے اُنہیں مقدم رکھا ہے اور تعاملِ اہل سنت بھی اسی پر ہے۔ عموماً جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اُس میں غور کرنے سے ہی تعامل اہل سنت معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ لوگ ناصبیت کو فروغ دے رہے ہیں اس لیے ہمیں مجبوراً یہ کتاب لکھنا پڑی ہے۔ یاد رکھئے! امت مسلمہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ فقط اُس صاف ستھرے دین کی پابند ہے جو اہل بیت کرام علیہم السلام، خلفاء راشدین اور صحابہ مجتبین رضی اللہ عنہم کا دین ہے۔ امت ملوکیت زدہ دین کی قطعاً پابند نہیں ہے۔ سو جو لوگ اہل اسلام پر دینِ ملوک مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ کتنا ہی منظم اور طاقتور کیوں نہ ہوں، ہم اُن کے خلاف اپنی آواز ضرور بلند کریں گے، اگرچہ کمزور و ناتواں ہی سہی۔

خطرات وخدشات

مجھے یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی عالم دین کی خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہو، تحریر سے اختلاف کرنا خطرے کا باعث نہیں ہوتا لیکن غیر عالم اور پھر بالخصوص کسی تنظیم کے بانی کی تحریر وتقریر سے اختلاف کرنا خطرات وخدشات سے خالی نہیں ہوتا، لیکن اِس کے باوجود میں احادیث موضوعہ و باطلہ اور ناصبیت کے خلاف آواز بلند کرنا ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ میرا شمار معروف حدیث ''مَنْ رَآى مِنْكُمْ مُنْكَرًا'' پر عمل کرنے والوں میں ہو جائے۔ باقی موت فوت کا وقت تو مقرر ہے جس شکل میں لکھی ہوگی آ کر رہے گی۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ.

اعتدال، توازن اور خوفِ خدا

واضح رہے کہ ہماری اِس تحریر کا مقصد کسی بھی مکتبِ فکر کی ترجمانی یا تردید نہیں بلکہ کتاب وسنت، اصول

حدیث، علم اسماء الرجال اور تمام مکاتب فکر کی کتب کی مدد سے شانِ معاویہ میں بیان کردہ احادیث موضوعہ کا بطلان واضح کرنا ہے۔ اِس سلسلے میں، ہم نے روایۃً اور درایۃً دونوں طرح کے دلائل پیش کر کے حق و باطل اور صواب وخطا کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

عاجز نے اِس تحریر میں اعتدال وتوازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، کسی عبارت کو سیاق وسباق سے ہٹا کر نہیں لکھا، ڈنڈی نہیں ماری اور میرے موقف کے خلاف میرے سامنے کوئی مواد آیا تو اُس سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ اُسے نقل کر کے اُس کا جواب لکھا ہے۔ اظہارِ دلائل اور احقاقِ حق میں، میں نے یہ پروا نہیں کی کہ فلاں بات عوام یا جاہل مبلغین ومقررین کے اکثریتی نظریے کے خلاف ہے، لہٰذا اِس کے اظہار میں اجتناب چاہیے۔

ہر چند کہ میں زمانے کے نشیب وفراز، حوادث وخطرات اور خوارج ونواصب کی منظم طاقت سے بے خبر نہیں ہوں لیکن چونکہ ناصبیت کا حالیہ حملہ انتہائی شدید ہے اس لیے عواقب ونتائج کی پروا کیے بغیر اس پر خطر وادی میں قدم رکھ دیا ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ جن حقائق سے اِس عاجز نے پردہ اٹھایا ہے، مجھ سے زیادہ یہ حقائق بہت سے علماء ومشائخ پر پہلے سے عیاں ہیں لیکن منصب، عہدہ، ملازمت، مساجد کی امامت، محراب ومنبر، اسٹیج، چندہ اور چینل اُن میں سے اکثر کی پاؤں کی زنجیریں بنی ہوئی ہیں۔ میں ایسے بہت سے حضرات کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، میری اُن سے گذارش ہے کہ بلاشبہ تقیہ ایک شرعی حقیقت ہے لیکن ناصبیت کا حالیہ حملہ کوئی معمولی حملہ نہیں ہے، لہٰذا خدارا اپنی آواز بلند فرمائیں، لوگوں کو راہِ جہنم سے بچائیں اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی طرح اُنہیں جنت کی طرف بلائیں۔ اگر ناصبیت منظم ہے تو کیا ہوا، کبھی منظم لوگوں کے سامنے غیر منظم حضرات کو بھی آنا پڑتا ہے۔ سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام جب باطل کے سامنے آئے تھے تو کتنا منظم تھے؟ کیا کتاب وسنت میں باطل کے مقابلہ میں تن تنہا شخصیات کے آنے کا ذکر نہیں ہے؟ کیا ہمارے مفکرین نے جماعت کے مقابلہ میں تنہا آنے کا ذکر نہیں کیا؟ آخر اُنہوں نے کیوں فرمایا ہے:۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لَا إِلٰـــهَ إِلَّا اللّٰـــه

پہلے مصرعے میں لفظ ''جماعت'' اور دوسرے میں لفظ ''مجھے'' میں غور فرمایئے اور اگر سمجھ آجائے تو پھر کھڑے ہو جایئے اور اپنا اپنا حصہ ڈالیے!

تاہم میری اِس گذارش کا رُخ فقط ایسے حضرات کی طرف ہے جو خود کو اِس مسئلہ میں تنہا محسوس کرتے ہیں،

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تنہائی کا یہ احساس درست نہیں۔ چلئے ۲۲ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ سے قبل تو تنہائی کی بات کسی حد تک درست تھی، یہ عاجز بھی خود اُس تنہائی کا شاہد ہے لیکن ۲۲ رجب المرجب کے بعد سے لے کر تا حال ملک اور بیرونِ ملک سے متعدد مقامات سے اپنے اپنے انداز میں ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا پر جو آوازیں آ رہی ہیں، اُن کی موجودگی میں تنہائی کا بہانہ درست نہیں، البتہ یہ بات حق ہے کہ منظم ہونا ابھی باقی ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ.

موضوع حدیث کی تعریف

لفظ موضوع کا مصدر ''وَضَعٌ'' ہے اور اس کے معانی حسبِ ذیل ہیں:

''بات گھڑنا، کمینہ بنانا، ساقط کرنا، نقصان اُٹھانا، اپنے آپ کو ذلیل کرنا اور خسیس و بیکار ہونا''۔

(مصباح اللغات ص ۹۵۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''الموضوع: کا معنیٰ ہے چپکائی ہوئی چیز۔ کہتے ہیں: فلاں نے فلاں پر وضع کیا یعنی اُس پر چسپاں کر دیا۔ نیز یہ لفظ مرتبہ سے گرا دینے کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے''۔

(النکت ص ۳۵۷)

جو بات کسی سے ثابت نہ ہو وہ اس کی طرف منسوب کرنا گویا اس پر زبردستی چپکا دینا ہے۔ بلا ثبوت ایسا کرنے والا شخص اپنی طرف سے بات گھڑ کر، خود کو کمینہ بناتا ہے، اپنے مرتبے کو ساقط کرتا ہے اور ایسا شخص اہلِ حق کی نظر میں ذلیل، خسیس اور بیکار ہو جاتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ گواہ ہے۔

حدیث موضوع کا اصطلاحی معنیٰ

امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَلْمَوْضُوْعُ : وَهُوَ الْمُخْتَلَقُ الْمَصْنُوْعُ.

''موضوع، گھڑی ہوئی جھوٹی حدیث کو کہتے ہیں''۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۸)

امام کنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاصْطِلَاحًا هُوَ الْحَدِيْثُ الْمُخْتَلَقُ الْمَصْنُوْعُ.

''اصطلاحِ محدثین میں گھڑی ہوئی جھوٹی حدیث کو حدیثِ موضوع کہتے ہیں''۔

(تنزيه الشريعة ج۱ ص ٥)

موضوع حدیث بیان کرنے پر وعیدِ شدید

ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ.

''مجھ پر جھوٹ مت باندھو، جس شخص نے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ وہ جہنم میں داخل ہو''۔

(بخاري ص ٢٤ حديث ١٠٦؛ مسلم ص ٥ حديث ١)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

''جس شخص نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

(بخاري ص ٢٤ حديث ١٠٧)

مجھ ایسے عام قارئین کے لیے عرض ہے کہ موضوع (بنائی ہوئی) حدیث اور ضعیف حدیث میں فرق ہے، ضعیف حدیث فضائل اعمال میں شرائط کے ساتھ قبول کی جاتی ہے لیکن احکام، عقائد اور مسائل میں نہیں مگر موضوع حدیث کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنا ہی خوبصورت کلام پر مبنی ہو۔

نام نہاد صالحین کا حدیث میں جھوٹ بولنا

علماء حدیث و اسماء رجال نے اپنے تجربہ کی روشنی میں لکھا ہے کہ حدیث کے معاملہ میں جتنا جھوٹ نام نہاد صالحین سے سرزد ہوتا ہے اُتنا دوسرے لوگوں سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَمْ نَرَ الصَّالِحِيْنَ فِيْ شَيْءٍ أَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ.

''ہم نے (نام نہاد) صالحین کو حدیث سے زیادہ کسی چیز میں جھوٹا نہیں دیکھا''۔

(صحيح مسلم ص ١٠)

وضعِ حدیث میں اُن کا زیادہ مضر ہونا

حدیث گھڑنے میں بھی محدثین کے نزدیک سب سے زیادہ مضر نام نہاد صلحاء وصوفیہ ہیں۔ چنانچہ محدثین کرام نے اپنے وسیع تجربہ کی روشنی میں فرمایا ہے:

وَالْوَاضِعُوْنَ لِلْحَدِيْثِ أَصْنَافٌ وَأَعْظَمُهُمْ ضَرَرًا قَوْمٌ مِنَ الْمَنْسُوْبِيْنَ إِلَى الزُّهْدِ وَضَعُوا الْحَدِيْثَ اِحْتِسَاباً فِيْمَا زَعَمُوْا فَتَقَبَّلَ النَّاسُ مَوْضُوْعَاتِهِمْ ثِقَةً بِهِمْ رُكُوْنًا إِلَيْهِمْ.

''احادیث گھڑنے والوں کی کئی اقسام ہیں اوران میں سے سب سے زیادہ مضروہ قوم ہے جو زہد وعبادت کی طرف منسوب ہے، انہوں نے اپنے گمان میں ثواب سمجھ کر احادیث گھڑیں اور لوگوں نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے وہ احادیث قبول کرلیں''۔

(مقدمة ابن الصلاح ص١٢٨؛التقريب والتيسير للنووي ص١٨٧؛تدريب الراوي ج١ ص ٣٣٢؛ التبصرة والتذكرة ج١ ص٢٦٦؛النكت للعسقلاني ص٣٦٧؛فتح المغيث ج١ ص٢٨٣؛ الشذ الفياح ج١ ص٢٢٣؛شرحُ شرح نخبة الفكر ص٤٤٧؛تنزيه الشريعة المرفوعة ج١ ص١٥)

ایسے عابدین وزاہدین سے عوام اور جاہل مبلغین آنکھیں بند کر کے احادیثِ موضوعہ قبول کر لیتے ہیں لیکن نقاد محدثین اور محتاط علماء کرام اُن کی عبادت وریاضت سے قطعاً مرعوب نہیں ہوتے اور اُن سے حدیث قبول کرنے کو زنا کرنے اور پیشاب پینے سے بھی زیادہ برا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ ابان بن ابی عیاش الزاهد کے حالات میں لکھتے ہیں:

''عمرو بن علی نے کہا: ابان صالح شخص تھا۔ابو حاتم کہتے ہیں: تھا تو وہ صالح شخص لیکن متروک الحدیث تھا''۔

(تهذيب الكمال ج٢ ص٢٠)

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

''ابان عبادت گذار بندوں سے تھا۔اس کی پوری شب قیام میں گزرتی اور دن روزے سے لیکن جھوٹا ایسا تھا کہ اس نے حضرت انس ﷺ سے پندرہ سو احادیث روایت کرنے کا دعویٰ

کیا۔ان میں سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جائے"۔

(میزان الاعتدال ج۱ ص۱۲۷؛تهذیب التهذیب ج۱ ص۹٤)

حضرت شعبہ ؒ فرمایا کرتے تھے:

"ابان بن ابی عیاش سے روایت کرنے سے گدھے کا پیشاب پی لینا بہتر ہے"۔

(میزان الاعتدال ج۱ ص۱۲۵)

ایسی ہی صورتِ حال اُس کے بیٹے یزید رقاشی کی تھی۔چنانچہ یحییٰ بن معین اور امام ابوداود فرماتے ہیں:

"وہ صالح شخص تھا۔ابو حاتم فرماتے ہیں:وہ مبلغ تھا اور بہت رونے والا تھا۔عبدالخالق بن موسیٰ القیطی کہتے ہیں:یزید رقاشی نے ساٹھ سال فاقہ کشی کی (یعنی روزے رکھے) حتیٰ کہ اس کا بدن لاغر و کمزور ہو گیا اور اس کا رنگ تبدیل ہو گیا"۔

سلاّم بن ابی مطیع کہتے ہیں:

"وہ کہا کرتا تھا:لوگو آؤ!قیامت کے دن کی پیاس کو یاد کر کے ٹھنڈے پانی پر گریہ کرلو، اس نے چالیس سال تک خود کو پیاسا رکھا صرف پانچ روز کے بعد حلق تر کر لیتا تھا۔ہشام بن حسان کہتے ہیں:اس نے مکمل چالیس برس گریہ کیا،یہاں تک کہ اس کی پلکیں جھڑ گئیں اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔وہ اکثر کہا کرتا تھا:لوگو!اس دن سے پہلے رو لو جس دن کو یوم البکاء (رونے کا دن) کہتے ہیں۔اس دن سے پہلے نوحہ کر لو جب تم پر نوحہ کیا جائے۔یاد رکھو!نوح علیہ السلام کا نام نوح اس لیے تھا کہ وہ اپنے آپ پر نوحہ زیادہ کرتے تھے۔اے بوڑھو!اے نوجوانو! اپنے آپ پر رو لو،وہ یوں وعظ کر رہا ہوتا اور آنسوؤں کی جھڑیاں اس کے رخساروں اور ڈاڑھی پر جاری ہوتیں۔

حضرت شعبہ فرمایا کرتے تھے:

"اگر میں زنا کروں تو وہ مجھے یزید رقاشی سے روایت لینے سے زیادہ محبوب ہے۔کبھی فرماتے:اگر میں راہزنی کروں تو وہ مجھے یزید رقاشی کی روایت لینے سے زیادہ پسند ہے"۔

(تهذیب لکمال ملخصاً ج۳۲ ص٦٤،۷۷؛تهذیب التهذیب ج۷ ص۱۳۲،۱۳۳)

مطلب یہ ہے کہ ہمارے محدثین عوام کالانعام کی طرح جبہ و دستار،رونا اور پکار اور پیشانی پر سجدوں کے

آثار سے مرعوب ہوتے تھے اور نہ ہی آنکھیں بند کر کے ایسے لوگوں سے حدیث روایت کرتے تھے۔ ہاں جھوٹے لوگوں کی زبان پر بعض مرتبہ سچ بھی جاری ہو جاتا ہے اس لیے بعد از تحقیق ایسے شخص سے کوئی روایت منقول ہو تو کچھ بعید نہیں، کیا ابلیس لعین آیۃ الکرسی کا وظیفہ نہیں بتا گیا تھا؟

ہر خوبصورت کلام حدیث نہیں ہوتا

جس طرح حدیث گھڑنے میں نام نہاد صالحین وصوفیہ سب سے زیادہ مضر ہیں اسی طرح گھڑی ہوئی احادیث کو قبول کرنے میں بھی یہی طبقہ سب سے زیادہ مضر ہے، لہٰذا محض کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا چاہیے، کیونکہ "لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ" (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں) جس طرح ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اسی طرح ہر خوبصورت کلام حدیث نہیں ہوتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک کذاب شخص محمد بن علی موصلی المعروف بابنِ ودعان کے وضع کردہ مجموعۂ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ الْكَلَامُ الَّذِيْ فِيْهَا حَسَنًا وَمَوَاعِظَ بَلِيْغَةً ، وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَنْسُبَ كُلَّ مُسْتَحْسَنٍ إِلَى الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِأَنَّ كُلَّ مَا قَالَهُ الرَّسُوْلُ ﷺ حَسَنٌ ، وَلَيْسَ كُلُّ حَسَنٍ قَالَهُ الرَّسُوْلُ ﷺ.

"اگرچہ اس کلام میں حسین باتیں اور بلیغ نصیحتیں موجود ہیں، لیکن کسی شخص کو اجازت نہیں کہ ہر اچھی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فرمان خوبصورت ہے، لیکن ہر خوبصورت بات رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں"۔

(لسان المیزان ج٦ص٣٨٩)

امام سیوطی اور دوسرے محدثین ایسی باطل احادیث بنانے اور قبول کرنے والوں کی تردید میں لکھتے ہیں:

"کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کلام کو اچھا بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی حرف منسوب کرے، اگرچہ وہ کلام فی نفسہ حق ہو۔ پس بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فرمان حق ہے لیکن ہر حق بات رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں۔ اس مقام میں خوب غور کیا جائے، کیونکہ یہ قدموں کے پھسلنے اور عقلوں کے گمراہ ہو جانے کا مقام ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث

میں تنبیہ فرمائی ہے کہ "مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی عام شخص پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں، سو جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

(ذيل اللآلي ص٢٠٢ مطبع علوي للمحمد علي بخش خان لكهنوي١٣٠٣ھ؛الزيادات على الموضوعات للسيوطي ص٧٩٠؛الأسرار المرفوعة للقاري ص٢٨٢؛كشف الخفاء ج٢ ص٤٠٧؛ الآثار المرفوعة للكهنوي ص١٧)

شک کے باوجود حدیث بیان کرنے کا حکم

گذشتہ سطور میں موضوع حدیث بیان کرنے پر جس وعید کا ذکر ہوا وہ محض عمداً اور قصداً جھوٹی حدیث بیان کرنے پر نہیں بلکہ اگر کسی شخص کو کسی حدیث کے بارے میں ادنیٰ سا شک پیدا ہو جائے اور اُس کے باوجود وہ اُس حدیث کو بیان کر ڈالے تو وہ بھی اُس وعید میں شامل ہے۔ چنانچہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ.

"جس شخص نے مجھ سے کوئی حدیث نقل کی درآنحالیکہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے"۔

(سنن ابن ماجه ص١٩ حديث٣٨؛سنن الترمذي ج٤ ص٣٩٧ حديث٢٦٦٢؛صحيح مسلم [مقدمة] ص٤)

ضعیف حدیث کا سہارا

یہاں ایک بات ذہن نشین فرمالیجئے کہ بعض اکابر محدثین کرام نے شان معاویہ میں واردشدہ بعض احادیث کو اپنی کتب موضوعات میں یا احادیث مشہورہ پر مبنی کتب میں کہا ہے کہ اِن کی سند ضعیف ہے یا سند سرے سے ہے ہی نہیں اور اِن کے متن میں بھی رکاکت ہے تو دراصل وہ احادیث موضوعہ ہی ہیں، لیکن بعض خائنین اور زائغین خصوصاً لفظ "موضوع" کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور جب تک صراحتاً لفظ موضوع نہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، کیونکہ کسی محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا۔ دراصل یہ عمداً محدثین کرام کے اصول سے انحراف ہے۔ جو لوگ ایسی ہیرا پھیری سے کام لے رہے ہیں اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اُن کے اس طرزِ عمل کو اپنایا جائے تو پھر اُن

کے موصوف کے مثالب میں جو احادیث آئی ہیں اُن کی سند اُن کے فضائل کی احادیث سے زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا اُنہیں چاہیئے کہ وہ ابلیسی تلبیسات سے باز آجائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے لیے اُن کا اپنا طرزِ عمل ہی کنواں ثابت ہو جائے۔

فسادی کون؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ فسادی کون؟ جھوٹی اور موضوع احادیث بیان کرنے والے لوگ یا اُن احادیثِ باطلہ کی نشاندہی کرنے والے لوگ؟ مثلاً عمداً یا سہواً بیان وتحریر کے ذریعے بعض مصنفین ومقررین احادیثِ موضوعہ پھیلا چکے ہوں اور عوام اُن احادیثِ موضوعہ کو قبول کر چکے ہوں اور بعد کو کوئی شخص واضح کرے کہ لوگو! جن احادیث کو تم حرزِ جاں بنا چکے ہو یہ موضوع اور جھوٹی ہیں۔ اگر اِس پر کوئی فساد کھڑا ہو جائے تو بتایئے! اصل فسادی کون؟

اِس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بعض کمپنیاں کچھ جعلی چیزیں یا ادویات بنا کر مارکیٹ میں پہنچا رہی ہوں اور عوام اُن جعلی اشیاء وادویات کو استعمال کر رہے ہوں اور عرصہ بعد کوئی شخص آ کر تحقیق سے ثابت کر دے کہ یہ چیزیں جعلی ہیں اور پھر اِس پر فساد کھڑا ہو جائے تو بتلایئے! اصل فسادی کون، جعلی چیزیں بنانے والا، یا وہ جس نے اُن کا جعلی ہونا آشکار کر دیا؟

اِس پر راقم الحروف کی ایک آپ بیتی سماعت فرمایئے! میرے پاس کراچی میں یہ سوال آیا تھا:

”عاشورہ کے روز جو شخص بعد از زوال دو رکعت نماز نفل پڑھے، اُس کے پچاس برس گذشتہ کے اور پچاس برس آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں“۔

جب میں نے یہ سوال پڑھ لیا تو سائل نے زبانی پوچھا: کیا یہ صحیح ہے؟

میں نے کہا: سراسر جھوٹ ہے۔ اُس شخص نے اپنے آفس میں جا کر کہا: فلاں مولانا کہتے ہیں: عاشورہ کے نوافل کی یہ روایت سراسر جھوٹ ہے۔ اِس پر آہستہ آہستہ میرے خلاف شور مچ گیا تو تب مجھ پر راز کھلا کہ وہ جھوٹی روایت اُس شخص نے ایسے رسالہ میں پڑھی تھی جو وہاں کی بعض نامور مذہبی شخصیات کے نام سے پچھلے پچیس سال سے ”نوافل محرم الحرام“ کے عنوان سے ہر سال شائع ہوتا تھا اور مساجد میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ فی الجملہ یہ کہ میں نے اُسے حاصل کر کے اُس کا مطالعہ کیا تو وہ مکمل رسالہ جھوٹی روایات سے بھرپور تھا۔ میری طرف سے ثبوت پیش کرنے پر وہ رسالہ چھپنا تو بند ہو گیا لیکن پبلک میں پھڈے باز، وہابی اور مجرم مجھے ہی مشہور کر دیا گیا۔

ہمیشہ سے یہ دنیا کا دستور ہے کہ نام نہاد مگر شہرت یافتہ مذہبی شخصیت ہو یا دنیوی، اُن کے جرم کے ذمہ دار وہ خود نہیں بلکہ غریب مظلوم ہوتا ہے۔ آپ قرآن مجید میں غور نہیں فرماتے کہ قصور سلطان کی بیگم اور خاتونِ اول کا تھا مگر قید میں سیدنا یوسف علیہ السلام پڑے رہے۔ ہمارے دور میں عائشہ ممتاز صاحبہ جب تک پبلک کی اشیاءِ خورد و نوش کی کمپنیوں وغیرہ پر چھاپے مارتی رہیں اور اشیاء کا جعلی یا ملاوٹ شدہ ہونا ثابت کرتی رہیں تو اُن کی تعریف کی جاتی رہی اور جب اُنہوں نے سلاطینِ وقت کی کمپنی پر ہاتھ ڈالا تو وہ مجرمہ قرار پائیں اور.....

فیضانِ امیر معاویہ کا مؤلف کون؟

ہر چند کہ کتاب ''فیضانِ امیر معاویہ'' کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ اِس کے مؤلفین پانچ افراد ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن بیچاروں کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہے۔ اِس سلسلے میں اصل اور مرکزی کردار اُن کے امیر کا ہے، اور اصول بھی یہی ہے کہ کارندوں کے کام کی نسبت اُن کے سردار کی طرف ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی اصول بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جہاں یہ ذکر ہے کہ فرعونی لوگ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتے تھے وہیں صیغۂ واحد سے اِس ذبح کا فاعل تنہا فرعون کو بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هُمْ ﴾ (اُن کے بیٹوں کو ذبح کرتا) [القصص : ٤] حالانکہ یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ اُس نے اپنے ہاتھوں سے کسی بچے کو قتل کیا ہو، چہ جائیکہ ﴿أَبْنَاءَ هُمْ﴾ اُس نے بہت سے بچوں کو خود ذبح کیا ہو۔

سو چونکہ کارندوں کا کام امیر ہی کا کام ہوتا ہے اس لیے ہم نے کتاب ''فیضانِ امیر معاویہ'' کی نسبت امیر اہل سنت کی طرف بھی کی ہے، کیونکہ وہی اس کے محرک و مؤلف ہیں اور وہی قاسمِ فیضانِ امیرِ معاویہ ہیں۔

امیر شام کے بارے میں خاص احتیاط

مدنی چینل پر ''بے خطا و بے گناہ حضرت معاویہ'' وغیرہ بیانات کے بعد بعض لوگ اپنی تقریر و تحریر میں اور سوشل میڈیا پر امیر شام کے خلاف بھڑاس نکال رہے ہیں۔ بعض اُنہیں معاذ اللہ غیر مسلم کہہ رہے ہیں(۱) اور بعض اِس سے بھی آگے بڑھ رہے ہیں، لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ دامنِ احتیاط کو مضبوطی سے تھامے رکھیے اور شرعی حدود سے تجاوز مت کیجئے۔ بلاشبہ اُن کی خطائیں اور زیادتیاں وغیرہ ہمارے اسلاف کرام نے بھی بیان کی

---

(۱) اگرچہ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے ایمان کے بارے میں تحفظات رکھتے تھے۔

ہیں لیکن اُنہیں غیر مسلم کہنے اور اُن پر لعن سے منع کیا ہے، لہٰذا آپ بھی شرعی حدود سے تجاوز مت کیجئے، ورنہ عنداللہ مواخذہ ضرور ہوگا۔

کیا بغاوت و خروج باعث لعن ہے؟

یقیناً ہمارے اسلاف کرام نے ضرورتاً اُن کے بارے میں باغی، طاغی، ظالم، جائر اور متعدی وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر وہ اِس سے آگے نہیں بڑھے۔ مثلاً ہمارے مدارسِ اہلِ سنت میں پڑھی پڑھائی جانے والی بعض مشہور کتب میں ہے:

وَبِالْجُمْلَةِ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ السَّلَفِ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَالْعُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ جَوَازُ اللَّعْنِ عَلٰى مُعَاوِيَةَ وَأَحْزَابِهِ ، لِأَنَّ غَايَةَ أَمْرِهِمُ الْبَغْيُ وَالْخُرُوْجُ عَلَى الإِمَامِ ، وَهُوَ لَا يُوْجِبُ اللَّعْنَ.

”خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف مجتہدین اور علماء صالحین سے معاویہ اور اُس کے گروہ پر لعنت کرنے کا جواز منقول نہیں ہے، کیونکہ اُن کا انتہائی معاملہ امام کے خلاف خروج اور بغاوت ہے اور وہ لعنت کو ثابت نہیں کرتا“۔

(شرح العقائد ص ٣٤٢، ٣٤٣ مكتبة المدينة، كراچي، وط: مكتبة الحسن مع النبراس ص ٣٣٠، وط: مكتبة رشيديه كوئٹه ص ٥٥٠)

ایسے ہی مشہور حنفی فقیہ اور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف خطا، بغاوت، خروج اور فساد کی نسبت کو تو جائز رکھا ہے مگر لعنت کو نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

أَمَّا مُعَاوِيَةُ وَأَتْبَاعُهُ فَيَجُوْزُ نِسْبَتُهُمْ إِلَى الْخَطَأِ وَالْبَغْيِ وَالْخُرُوْجِ وَالْفَسَادِ ، وَأَمَّا لَعْنُهُمْ فَلَا يَجُوْزُ أَصْلاً.

”معاویہ اور اُن کے متبعین کی طرف خطا، بغاوت، خروج اور فساد کی نسبت کرنا تو جائز ہے، البتہ اُن پر لعنت کرنا قطعاً جائز نہیں“۔

(شرح الشفا للقاري ج٢ ص٥٥٦)

شاہ عبدالعزیز فاروقی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُنہیں متغلب، مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیتے ہیں

لیکن لعنت سے منع کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

''اب ہم اس بات پر آئے کہ جب اس (معاویہ) کو باغی اور مُتَغَلِّبْ جانتے ہیں تو لعنت کیوں نہیں کرتے؟ اس کا جواب اہلِ سنت کے نزدیک یہ ہے کہ مرتکب گناہِ کبیرہ پر لعنت جائز نہیں اور باغی بھی مرتکب کبیرہ کا ہے پھر اس پر کیونکر لعنت جائز ہو؟''۔

(تحفه اثنا عشریه ص ۳٦۳)

ایک اور مقام پر شاہ عبدالعزیز نے اُنہیں اُموی تعصب کا شکار، مرتکبِ کبیرہ، باغی اور فاسق تک کہا ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اُن پر لعنت جائز نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذوالنورین حضرت عثمان ﷺ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا اسی کی وجہ سے یہ حرکات حضرت امیر معاویہ سے وقوع میں آئے، جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔ وَالْفَاسِقُ لَيْسَ بِأَهْلِ اللُّعْنِ. ترجمہ: فاسق قابل لعن نہیں''۔

(فتاوی عزیزی کامل ص۴۱۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر حال میں اعتدال ضروری ہے، سو جس طرح امیر شام کو بے خطا و بے گناہ کہنا اور اُن کی شان میں موضوع احادیث اور آثار باطلہ بیان کرنا اعتدال کے منافی ہے اسی طرح اُن کی خطا، بغاوت، خروج، فسق اور فساد کی وجہ سے اُن پر لعنت کرنا بھی اعتدال سے تجاوز ہے۔

''رضی اللہ عنہ'' کہنا کیسا؟

مذکورہ بالا تین حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بغاوت، خروج، فسق اور فساد کی وجہ سے اُن پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن باتوں کی وجہ سے اُن پر لعنت کرنا تو جائز نہیں لیکن کیا یہ باتیں اُن کی تعظیم وغیرہ کی مانع ہو سکتی ہیں؟ اس پر عرض ہے کہ کچھ علماء اسلام اس طرف گئے ہیں کہ اُن کے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کرنا درست نہیں۔ چنانچہ اہل حدیث عالم مولانا نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت علی ﷺ کے مقابلہ میں جہاں امیر معاویہ کا تذکرہ ہو وہاں لفظ ''حضرت'' اور دعائیہ

الفاظ کہنا درست نہیں، کیونکہ اُنہوں نے آخری خلیفۂ راشد کے خلاف بغاوت کی ہے، لہٰذا اُن کو غلط کار اور باغی سمجھنا چاہیۓ اور اس سے آگے بڑھ کر اُن کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے، اس سے زبان کو روکنا چاہیۓ''۔

(فتاوى نذيريه ج٣ص٤٤٦)

لیکن ہمارے بعض علماء کرام نے اِس بات کو جہالت قرار دیا ہے۔ چنانچہ مولانا امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

''یہ جو بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ [علی] کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا جاۓ تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہا جاۓ محض باطل و بے اصل ہے۔ علماء کرام نے صحابہ کے اسمائے طیبہ کے ساتھ مطلقاً ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہنے کا حکم دیا ہے، یہ استثنائی شریعت گڑھنا ہے''۔

(بهار شريعت ج١[الف]حصه اول ص٢٥٧، مكتبة المدينة، كراچي)

مولانا نذیر حسین دہلوی نے تو مشروط بات لکھی تھی، جسے مولانا امجد علی نے جہالت قرار دیا لیکن علامہ وحید الزمان نے کسی شرط کے بغیر مطلقاً اُن کے نام کے ساتھ ''ؓ'' کہنا ناپسندیدہ کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام کے لیے ''رضی اللہ عنہم'' کہنا مستحب ہے، ماسوا ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کے۔ ان پانچ سے سکوت مستحب ہے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جاۓ، ان کو برا کہا جاۓ اور نہ ہی ان کی تعریف کی جاۓ''۔

(كنز الحقائق من فقه خير الخلائق ص٢٣٤)

اصولی طور پر اِن علماء میں سے علامہ وحید الزمان کی بات میں زیادہ وزن ہے، کیونکہ جو وصف اور شرف انسان کی تعظیم کا سبب ہو، اگر انسان خود اُس شرف کو قائم نہ رکھ سکے تو اُس کی تعظیم قائم نہیں رہتی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عالم دین اپنے مقام و مرتبہ کا خیال نہیں رکھتا تو وہ عند الناس معظّم رہتا ہے اور نہ ہی عند اللہ۔ صحابیت بھی ایک کسبی چیز ہے اور وہ ایسا جز ولاینفک نہیں جس کا اِنسان سے جدا ہونا ممکن نہ ہو۔ آخر بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے؟ فی الجملہ یہ کہ جو لوگ دیدارِ نبوی اور صحبتِ نبوی ﷺ کے شرف کو قائم نہ رکھ سکے اور نبی کریم ﷺ کے بعد مستقیم نہ رہے تو علماء کرام نہ صرف یہ کہ اُن کی تعظیم سے دست بردار ہو گئے بلکہ اُنہیں برا بھی کہا۔ مثلاً امام دار قطنی نے بسر بن ابی ارطاۃ صحابی کے اُن مظالم کی وجہ سے جو اُس نے اپنے بادشاہ معاویہ کے حکم سے ڈھاۓ

تھے، اُس کو صحابی ماننے کے باوجود لکھا ہے: ''وَلَمْ تَكُنْ لَهُ اِسْتِقَامَةٌ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ.'' (نبی کریم ﷺ کے بعد اُس کی استقامت نہیں رہی تھی) محدث یحییٰ بن معین اور دوسرے حضرات نے اُس کو ''رَجُلُ سُوْءٍ'' (برا آدمی) کہا ہے، جیسا کہ آگے باحوالہ تفصیل آئے گی۔ قدیم صحابہ کرام ﷺ کے نزدیک بھی صحبتِ مصطفیٰ ﷺ سے فائدہ نہ اُٹھانے والے لوگ قابلِ تعظیم نہیں رہے تھے۔ چنانچہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ : أَبِيْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَ لَنَعْلٌ خَلِقٌ خَيْرٌ مِّنْ أَبِيْهِ.

''سیدنا ابن عباس ﷺ نے فرمایا: بعض لوگ کہتے ہیں: میرا باپ رسول اللہ ﷺ کا صحابی تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھی تھا، حالانکہ پرانی جوتی بھی اُس کے باپ سے بہتر ہے''۔

(مجمع الزوائد ج١ ص١١٣ حديث٤٤٢؛ كشف الأستار ج١ ص٦٣ حديث٨٨؛ البحر الزخار ج١١ ص٢٧٧ حديث٥٠٦٨؛ مختصر زوائد البزار ج١ ص١٠٩ حديث٦٢)

حافظ ہیثمی نے لکھا ہے: اِس کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اُن کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

اِس کلام میں سیدنا ابن عباس ﷺ نے اُس شخصیت کی صحابیت کا انکار نہیں کیا۔ اسی طرح امام طبرانی عبدالرحمان بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیان کیا:

مَرَّ بِالْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رَجُلٌ فَقَالَ : لَقَدْ أَفْلَحَتْ هَاتَانِ الْعَيْنَانِ رَأَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ، فَاجْتَمَعَ الْمِقْدَادُ غَضَبًا وَقَالَ : يَاأَيُّهَا النَّاسُ ! لَا تَتَمَنَّوْا أَمْرًا قَدْ غَيَّبَهُ اللّٰهُ ، فَكَمْ مِّمَّنْ قَدْ رَآهُ وَلَمْ يَنْتَفِعْ بِرُؤْيَتِهِ.

''سیدنا مقداد بن اسود ﷺ کے قریب سے ایک شخص گذرا تو اُس نے کہا: اُن دو آنکھوں نے کامیابی پائی جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ اس پر سیدنا مقداد ﷺ انتہائی غضب ناک ہوئے اور فرمایا: لوگو! اُس امر کی تمنا مت کرو جسے اللہ ﷻ نے مخفی رکھا ہے، بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا لیکن اُنہوں نے آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اُٹھایا''۔

(مسند الشاميين للطبراني ج٢ ص١٤٨، ١٤٩ حديث١٠٨١؛ المعجم الكبير ج٢٠ ص٢٥٨ حديث٦٠٨؛ تاريخ دمشق [مفصلاً] ج٦٠ ص١٨٠؛ مختصر تاريخ دمشق ج٢٥ ص٢٢١)

دراصل مہاجرین وانصار ﷺ کے بعد کسی شخص کا محض قافلۂ صحابیت میں شامل ہونا ہی کافی نہیں مانا گیا بلکہ

اُس کے عمل کو دیکھنے کی بات بھی کی گئی ہے اور اُس پر مہاجرین وانصار ﷺ کی اتباع بالاحسان بھی لازم کی گئی ہے۔
چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ.

''اور سب سے اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے، اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی''۔(التوبۃ: ۱۰۰)

امیر شام مہاجر تھے اور نہ ہی انصاری، اور وہ سابقون اولون اور مہاجرین وانصار ﷺ کے متبع بھی نہیں تھے۔ چنانچہ سیدنا علی ﷺ سابقین اولین میں سے بھی تھے، مہاجر بھی تھے اور خلیفۂ راشد بھی تھے لیکن امیر شام نے اُن کی اتباع کی تھی اور نہ ہی اُنہیں خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ علامہ عبدالرشید نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ ﷺ تو سرے سے نہ مہاجر ہیں نہ انصاری، سابقین اولین کا تو ذکر ہی کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے بغاوت کر کے ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ﴾ کی فضیلت سے بھی محروم رہے''۔

(حضرت علی ﷺ اور قصاصِ عثمان ﷺ ص ۹۱)

علامہ نعمانی کا استدلال عمدہ ہے لیکن معاملہ یہاں تک محدود نہیں بلکہ امیر شام نے تمام خلفاء راشدین اور مہاجرین وانصار ﷺ کی اتباع سے بھی روگردانی کی تھی، کیونکہ سیدنا علی ﷺ کی اُن تمام مہاجرین وانصار ﷺ نے بیعت اور اتباع کی تھی جنہوں نے خلفاء ثلاثہ ﷺ کی بیعت واتباع کی تھی، اور امیر شام اُن سب کی اتباع سے محروم رہے تھے۔

اُنہوں نے خلفاء اربعہ ﷺ کی اتباع سے بھی روگردانی کی تھی، کیونکہ ہر خلیفۂ راشد کی اُس کے وصال کے وقت عاقل، بالغ اور قابلِ خلافت اولاد موجود تھی مگر اُن میں سے کسی نے بھی اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا، جبکہ امیر شام نے اپنی موت سے کئی سال قبل ہی اپنے لختِ جگر یزید پلید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا اور یہ چاروں خلفاء راشدین ﷺ کی اتباع سے کھلا انحراف اور اتباع بالاحسان کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ سو جب وہ تمام مہاجرین وانصار اور چاروں خلفاء راشدین ﷺ کی اتباع سے محروم رہے تو پھر علامہ وحید الزمان کا موقف قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح ثابت ہوا کہ وہ ''رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ'' کے مستحق نہیں رہے، اُن کے بعد علامہ نذیر حسین دہلوی

کے قول میں وزن معلوم ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں رضائے الٰہی کے لیے مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی اتباع بالاحسان شرط ہے اور جزا شرط کے بغیر نہیں ہوتی۔

فائدہ

''رضی اللہ عنہ'' یا دوسرے تعظیمی الفاظ کے متعلق ہماری یہ گفتگو فقط مذکورہ بالا تین علماء کی عبارات پر محاکمہ کے طور پر ہے۔ یہ راقم الحروف کا اپنا مذہب نہیں، اِس سلسلے میں راقم الحروف مذبذب ہے کہ جن لوگوں نے مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ مساجد کے منبروں پر سیدنا علی اور اُن کے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم پر نہ صرف یہ کہ سب وشتم کیا بلکہ لعنت بھی کرتے رہے اور تاوقتِ وفات اِس سے منع بھی نہ کر سکے، حتیٰ کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے آ کر اِس برائی کو ختم کیا، آیا اُن کے حق میں تعظیمی الفاظ استعمال کیے جائیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ علماء حق ہی حل کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کو برا کہے تو اُس کی تعظیم کرنا کیسا؟ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے علی رضی اللہ عنہ کو سبّ کیا اُس نے مجھے سبّ کیا''۔ جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام پر جو سب وشتم اور لعنت کی جاتی رہی اُس کا ذکر محض کتبِ تاریخ میں نہیں بلکہ کتب حدیث میں بھی ہے اور احادیثِ صحیحہ اور حسنہ سے ثابت ہے۔ فی الجملہ یہ کہ فی الحال میں ایسے تعظیمی الفاظ کو ترک کر رہا ہوں، چونکہ غیر متنازعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ بھی ایسے الفاظ کا استعمال صرف مستحب ہے، واجب نہیں اور مستحب کے ترک میں گناہ نہیں ہوتا، جبکہ دوسرے پہلو میں مجھے خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ علماء حق دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی حل نکالیں گے۔

التماس

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اِس کتاب کو بنو ہاشم اور بنو امیہ یا شیعہ وسنی کی عینک سے پڑھنے کی بجائے محض اسلامی نقطۂ نگاہ سے پڑھیں اور میری جو بات کسی کے ذاتی مزاج، اندھے عشق اور سنے سنائے نظریہ کے نہیں بلکہ واقعی خلافِ حق ہو تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ توڑ مروڑ اور قطع وبرید سے اجتناب کرتے ہوئے اور سیاق وسباق کو قائم رکھتے ہوئے دلائل کے ساتھ مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ میں رجوع کر سکوں۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ

وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ.

شانِ معاویہ میں کوئی حدیث نہیں

معاویہ بن ابی سفیان کا شمار مکۃ المکرّمہ کے اُن دوڈھائی ہزار لوگوں میں ہوتا ہے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے۔ایسے لوگوں کو حدیث کی رو سے طلقاء اور مؤلفۃ القلوب کہا جاتا تھا اور اِن دونوں لفظوں سے ان کے اور قدیم صحابہ کرام ﷺ کے مابین تمیز ہوتی تھی، جیسا کہ ہماری کتاب ''الصَّحَابَۃُ وَ الطُّلَقَاءُ'' میں مکمل وضاحت پیش کی گئی ہے۔طلقاء کو فتح مکہ کے بعد سے لے کر وصالِ مصطفیٰ ﷺ تک نبوی زندگی میں ڈھائی سال ملے ہیں۔ میرے سرسری مطالعہ کے مطابق ان ڈھائی سالوں میں اِس خاندان کے علاوہ دو ہزار سے زائد طلقاء میں سے کسی کی بھی شان میں زبانِ نبوی ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔معاویہ بن ابی سفیان کو بھی نبوی زندگی میں اُتنے ہی شب و روز ملے جتنے دوسرے طلقاء کو ملے۔اہل تحقیق محدثین کرام کے مطابق اِن ڈھائی سالوں میں شانِ معاویہ میں بھی زبانِ نبوی ﷺ سے کوئی حدیث صادر نہیں ہوئی۔

شانِ معاویہ میں بیشمار احادیث ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ شانِ معاویہ میں بکثرت احادیث گردش کرتی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان چالیس سال تک اقتدار میں رہے ہیں، بیس سال جزوی اقتدار اور بیس سال کلی اقتدار۔اُن کی شان میں جس قدر احادیث گردش کر رہی ہیں وہ سب اُن کے دوسرے بیس سالہ دور (۴۰ھ سے ۶۰ھ) کی بدولت وجود میں آئیں۔کچھ تو خود اُن ہی کے دور میں بنائی گئیں اور چونکہ ۶۰ھ کے بعد بھی بنوامیہ کی حکومت رہی اسی لیے بعد میں بھی اُن کی شان میں احادیث وضع کی جاتی رہیں۔یہاں یہ پہلو بھی ذہن میں رہے کہ جہاں ایک طرف اقتدار کی بدولت فضائل کی احادیث وجود میں آرہی تھیں وہیں دوسری طرف ایسی ہستیوں کی مذمت بھی ہو رہی تھی جو اُن کے اقتدار کے لیے مضر سمجھی جاتی تھیں۔اِن دونوں صورتوں کا ذکر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کیا ہے:

وَخَلَفَ مُعَاوِيَةَ خَلْقٌ كَثِيرٌ يُحِبُّونَهُ وَيَتَغَالَوْنَ فِيهِ وَيُفَضِّلُوْنَهُ ، إِمَّا قَدْ مَلَكَهُمْ بِالْكَرَمِ وَالْحِلْمِ وَالْعَطَاءِ ، وَإِمَّا قَدْ وُلِدُوْا بِالشَّامِ عَلٰى حُبِّهِ وَتَرَبّٰى أَوْلَادُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ ...وَنَشَؤُوْا عَلَى النَّصَبِ ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْهَوٰى.

''معاویہ کے پیچھے کثیر مخلوق ایسی رہی جو اس سے محبت کرتی، اس کے بارے میں غلو کرتی اور اُس

کوفضیلت دیتی تھی، یا تو اس لیے کہ اُنہوں نے اُن پر سخاوت، حلم اور عطاء سے بادشاہی کی تھی اور یا اس لیے کہ وہ شام میں اُس کی محبت پر پیدا ہوئے اور اُسی پر اُن کی اولاد نے تربیت پائی... اور اُن کی نشو ونما ناصبیت (دشمنیِ اہل بیت) پر ہوئی۔ ہم خواہشِ نفس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں''۔

(سیر أعلام النبلاء ج۳ص۱۲۸)

امام ذہبی کے الفاظ '' نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْهَوىٰ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل غرض لوگ یہ دھندہ اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے کرتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ عام بادشاہوں کی شان میں قصائد واشعار لکھے جاتے ہیں اور چونکہ معاویہ کی بادشاہت ظاہری زمانہ نبوت کے قریب ہی شروع ہوگئی تھی اس لیے اُن کی شان میں قصائد نہیں لکھے گئے بلکہ احادیث بنائی گئیں۔ اس حقیقت کو علامہ شبلی نعمانی نے یوں بیان کیا ہے:

''حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجدِ جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں برسرِ منبر حضرت علی ؓ پر لعن کہلوایا، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں''۔

(سيرة النبي ﷺ ج۱ ص۶۹)

نگاہِ نبوی ﷺ کی عظمت پر قربان

نبی کریم ﷺ اِن دونوں باتوں کے متعلق آگاہ فرما گئے تھے۔ ایک طرف تو آپ نے فرمایا تھا: ''مجھے تمہارے بارے میں یہ خدشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن میں یہ خدشہ رکھتا ہوں کہ تم دنیاداری میں باہم مقابلہ کرو گے''۔ دوسری طرف فرمایا تھا: ''جس نے علی کو برا کہا اُس نے مجھے برا کہا''۔ یہ دونوں باتیں پہلی بادشاہی کے دور میں جمع ہوگئی تھیں۔ اوّلین بادشاہ کو خوش کرنے کی خاطر اُس کی جھوٹی تعریف بھی شروع ہوگئی تھی اور اِسی مقصد کے حصول کے لیے سیدنا علی ؓ پر سبّ وشتم اور لعنت بھی شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ امام ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوقیس الاودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ ثَلَاثُ طَبَقَاتٍ : أَهْلُ دِيْنٍ يُحِبُّوْنَ عَلِيًّا ، وَأَهْلُ دُنْيَا يُحِبُّوْنَ

مُعَاوِيَة ، وَخوَارِجُ.

''میں نے لوگوں کو تین طبقات میں پایا: اہلِ دین سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں، اہلِ دنیا معاویہ کو چاہتے ہیں، اور تیسرا طبقہ خوارج [سُفَهَاء یعنی بیوقوفوں] کا ہے''۔

(الاستیعاب ج۳ص ۲۱۳)

امام ابن عساکر نے اس سلسلے میں ایک حدیث نبوی ﷺ بھی نقل فرمائی ہے، حضرت ابوسعید خدری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَايُبْغِضُ عَلِيًّا إِلَّامُنَافِقٌ أَوْفَاسِقٌ أَوْصَاحِبُ دُنْيَا.

''علی ﷺ سے نہیں بغض رکھے گا مگر منافق یا فاسق یا دنیادار''۔

(تاریخ دمشق ج۴۲ص ۲۸۵؛ مختصر تاریخ دمشق ج۱۷ص ۳۷۰)

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

''ام المومنین سیدہ ام سلمہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک مجلس کے حاضرین کے قریب جا کر آواز لگائی:

یاشبث بن ربعي! اس پر ایک شخص نے پردہ کی دوسری جانب سے جواب دیا: **''لبیک یاأُمّه''** (امی میں حاضر ہوں) تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تمہاری مجالس میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہا جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

إِنَّا نَقُوْلَ شَيْئًا نُرِيْدُ عَرَضَ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.

ہم کچھ ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے ہمارا مقصود دنیوی منفعت ہے۔

اس پر ام المومنین نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: جس شخص نے علی ﷺ کو برا کہا تو یقیناً اُس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اُس نے اللہ تعالیٰ کو برا کہا''۔

(تاریخ دمشق ج۴۲ص ۵۳۳؛ مختصر تاریخ دمشق ج۱۸ص ۸۳)

اُس اوّلین بادشاہی میں صحابہ کرام ﷺ پر جو سب وشتم اور لعنت کی جاتی رہی اُس کی مکمل تحقیق کے لیے ہماری کتاب ''لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ ''(میرے صحابہ کو برانہ کہو) کا مطالعہ فرمائیے!

ماہرینِ علم حدیث بھی دھوکہ کھا گئے

جہاں حکومتی پروپیگنڈا، لالچ اور دباؤ سب چیزیں جمع ہو جائیں تو وہاں مفاد پرست لوگوں کو اپنے اپنے جوہر دکھلانے اور قیمت پانے کے مواقع خوب میسر آتے ہیں۔ چنانچہ اُس دور کے مفاد پرستوں نے ایسی چالاکی سے احادیث وضع کیں اور اُن کو من گھڑت متنوں پر چڑھایا کہ علم حدیث کے جہابذہ اور نباز حضرات بھی دھوکہ کھا گئے گئے، اُن کی پرکھنے کی صلاحیت جواب دے گئی اور وہ کھوٹے سکے کو قبول کر کے اپنی عظیم الشان کتب میں درج کر گئے۔ آپ حیران ہوں گے کہ پہلے بادشاہ کی شان میں بعض احادیث صحیح مسلم میں بھی گھس گئیں۔ اُس حدیث کی وجہ سے تب سے اب تک محدثین کرام مضطرب ہیں۔ ذرا آئیں آپ بھی یہ تماشا ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح مسلم تک میں موضوع حدیث

کوئی شخص کسی کو اپنی بات زبردستی نہیں منوا سکتا، لہٰذا میں بھی فقط آپ کے سامنے صحیح مسلم کی درجِ ذیل حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پیش کر رہا ہوں، آگے آپ کی مرضی کہ آپ مسلم شریف کو امام مسلم کا انتخاب سمجھتے ہوئے اُس میں اِس باطل حدیث کے دخول کو ممکن قرار دیں یا ناممکن۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُوْ زُمَيْلٍ ، حَدَّثَنِيْ ابنُ عَبَّاسٍ قَالَ : كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ لَا يَنْظُرُوْنَ إِلَىٰ أَبِيْ سُفَيَانَ وَلَا يُقَاعِدُوْنَهُ ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ : يَانَبِيَّ اللّٰهِ ثَلَاثٌ أَعْطِنِيْهِنَّ ، قَالَ: نَعَمْ . قَالَ: عِنْدِيْ أَحْسَنُ الْعَرَبِ وَأَجْمَلُهُ ، أُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتُ أَبِيْ سُفْيَانَ، أُزَوِّجُكَهَا ، قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : وَمُعَاوِيَةُ تَجْعَلُهُ كَاتِبًا بَيْنَ يَدَيْكَ . قَالَ: نَعَمْ . قَالَ : وَتُؤَمِّرُنِيْ حَتّٰى أُقَاتِلَ الْكُفَّارَ ، كَمَا كُنْتُ أُقَاتِلُ الْمُسْلِمِيْنَ . قَالَ : نَعَمْ.

قَالَ : أَبُوْزُمَيْلٍ : وَلَوْلَا أَنَّهُ طَلَبَ ذٰلِكَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ ، مَا أَعْطَاهُ ذٰلِكَ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا قَالَ : نَعَمْ.

''ابوزمیل نے بیان کیا ہے کہ مجھے سیدنا ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ابوسفیان کی طرف مسلمان توجہ کرتے تھے اور نہ ہی اُن کو ساتھ بٹھانا پسند کرتے تھے۔ اس پر انہوں نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے تین چیزیں عطا فرمائیں، آقا ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے عرض کیا:

۱۔ میرے پاس پورے عرب سے حسینہ اور جمیلہ عورت ام حبیبہ ہے، میں اُسے آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نَعَم، ہاں۔

۲۔ معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نَعَم، ہاں۔

۳ اور آپ مجھے امیر مقرر فرمائیں تا کہ میں کفار کے خلاف اسی طرح جنگ کروں جس طرح مسلمانوں کے خلاف کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نَعَم، ہاں۔

راویٔ حدیث ابو زمیل کہتے ہیں: ''اگر ابو سفیان نبی کریم ﷺ سے یہ سوال نہ کرتے تو حضور ﷺ از خود عطا نہ فرماتے، اس لیے کہ آپ سے جو چیز بھی مانگی جاتی آپ نَعَم کے سوا کچھ نہیں فرماتے تھے''۔

(صحيح مسلم ص ١١٦٨ حديث ٢٥٠١)

اگر چہ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے لیکن بعض محدثین کے نزدیک اس میں بعض راویوں کو وہم ہوا ہے اور بعض کے نزدیک یہ موضوع ہے۔ چنانچہ امام محمد بن فتوح حُمیدی لکھتے ہیں:

''ہمیں بعض حفاظ نے بتایا ہے: اس حدیث میں بعض راویوں کو وہم ہوا ہے، کیونکہ معرفتِ حدیث رکھنے والے دو شخصوں میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ام حبیبہ کے ساتھ نکاح فتح مکہ سے قبل کیا تھا، اس وقت وہ حبشہ میں تھیں اور ابھی اُن کا باپ کافر تھا''۔

(الجمع بين الصحيحين ج٢ ص١٣١)

یہ کس راوی کا وہم ہوسکتا ہے؟ اس کے متعلق امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

''محدثین نے اس وہم کی نسبت عکرمہ بن عمار کی طرف کی ہے، یحیٰی بن سعید نے اس کی احادیث کو ضعیف کہا ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے روایت نہیں لی۔ امام مسلم نے اس سے فقط اس لیے روایت کیا ہے کہ یحیٰی بن معین نے اُس کے بارے میں کہا: وہ ثقہ ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس حدیث میں کھلا وہم ہے، کیونکہ تمام راویوں کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے پاس پیغام بھیجا تھا اور اُسی نے ملکِ حبشہ میں آپ کے ساتھ ام حبیبہ کا نکاح کیا تھا''۔

(جامع المسانيد لابن الجوزي ج٤ ص١٤٠ حديث٢٩٨٢)

امام ابن جوزی اپنی ایک اور تصنیف میں مزید لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ فتح مکہ کے وقت ۸ ہجری میں اسلام لائے، اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی ابوسفیان کو امیر مقرر کیا ہو۔ ہمیں ابن ناصر نے ابوعبداللہ الحُمید ی سے روایت کیا ہے کہ حافظ ابومحمد علی بن احمد بن سعید نے فرمایا: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس میں ساری آفت عکرمہ بن عمار سے ہے''۔

(كشف المشكل من حديث الصحيحين ج٢ ص٤٦٣)

امام وشتانی ابی اور امام سنوسی حسنی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(إكمالُ إكمال المعلم ج٨ص٤٢٧، ٤٢٨؛ مكمل إكمال الإكمال ج٨ص٤٢٧، ٤٢٨)

خیال رہے کہ عکرمہ بن عمار پر کذب یا وضع کی تہمت نہیں لیکن انہیں کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث کہا گیا ہے اور امام ذہبی نے اُس کی اِس حدیث کو بھی منکر فرمایا ہے۔ دیکھئے:

(سير أعلام النبلاء ج٧ص١٣٧)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی محتاط الفاظ میں سب کچھ کہہ گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْ وَقَعَ فِيْ مُسْلِمٍ مِنْ هٰذَا غَرِيْبٌ جِدًّا عِنْدَ أَهْلِ الْخَبَرِ.

''محدثین کے نزدیک مسلم شریف میں اس حدیث کے متعلق انتہائی عجیب بات واقع ہوئی ہے''۔

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ج٧ص٥٤٦)

امام ابن جوزی وغیرہ کی مذکورہ عبارت میں جو یہ جملہ آیا ہے:

''ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی ابوسفیان کو امیر مقرر کیا ہو''۔

اس سے انہوں نے درجِ بالا حدیث کے تیسرے جملہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح تسلیم کی جائے تو اِس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوسفیان کی ہر درخواست پر نَعَمْ فرمایا، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ وعدہ کب پورا فرمایا اور کس جنگ میں ابوسفیان کو امیر مقرر کیا؟

اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی نے بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ وہ طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں:

قُلْتُ : وَكُلُّ هٰذِهِ احْتِمَالَاتٌ لَا تَخْلُوْ عَنْ بُعْدٍ ، فَالْإِشْكَالُ بَاقٍ ، وَالرِّوَايَةُ غَيْرُ

خَالِيَةٍ مِنَ الْغَلَطِ أَوِ الْخَلَطِ فِيْ سِيَاقِهِ.

''میں کہتا ہوں: یہ تمام تاویلات تکلف سے خالی نہیں، اشکال پھر بھی باقی ہے اور روایت کا متن خلط یا غلط سے خالی نہیں ہے''۔

(السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج ، ج۹ص ٦٢٠)

اس حدیث کے آخر میں جو ابوزمیل کا قول ہے، اُس کے بارے میں اہل حدیث مصنف علامہ صفی الرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں:

قَوْلُ أَبِيْ زُمَيْلٍ هٰذَا وَتَعْلِيْلُهُ غَيْرُ مَقْبُوْلَيْنِ ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِيُعْطِي الإِمَارَةَ عُمُوْمًا لِمَنْ طَلَبَهَا.

''ابوزمیل کا یہ قول اور اُس کی بیان کردہ علت دونوں غیر مقبول ہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ عموماً اُس شخص کو امارت نہیں دیتے تھے جو طلب کرتا تھا''۔

(منة المنعم في شرح صحيح مسلم ج٤ص ١٤٥)

امام ابن الصلاح اور حافظ ابن کثیر نے مختلف تاویلات سے اس حدیث کو قابل قبول بنانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن وہ کوئی ایسی ٹھوس بات لانے سے قاصر رہے ہیں جس پر عقل مطمئن ہو۔ چنانچہ علامہ محمد امین ہرری شافعی نے اپنی مبسوط ترین شرح میں اس حدیث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ انہوں نے پہلے ناقدین پھر مؤیدین کے تمام اقوال نقل کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مِمَّا انْفَرَدَ بِهِ الإِمَامُ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ أُصْحَابِ الْأُمَّهَاتِ ، وَالْحَقُّ أَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مَوْضُوْعٌ لَا يَصِحُّ الاسْتِدْلَالُ بِهِ.

''تمام مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں اس حدیث کو روایت کرنے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تنہا ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس سے دلیل لینا صحیح نہیں''۔

(الكوكب الوهاج ، ج٢٤ص ١٣٤)

شیخ موسیٰ شاہین لاشین نے بھی امام ابن صلاح اور دوسرے محدثین کرام کی تاویلات کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی نامناسب تاویلات سے کسی راوی کی خطا کا قول کرنا آسان ہے۔

(فتح المنعم ج٩ص ٥٣١)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

فَهٰذَا الْحَدِيثُ غَلَطٌ لَا خِفَاءَ بِهِ ، قَالَ أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَزْمٍ :وَهُوَ مَوْضُوعٌ بِلَا شَكٍّ.

''پس اِس حدیث کا غلط ہونا کوئی مخفی نہیں، ابومحمد ابن حزم نے کہا: اور یہ بغیر کسی شک کے موضوع ہے''۔

(زاد المعاد ج۱ ص ۱۰٦)

علامہ موصوف نے اِس روایت کی شدید ترین تردید کی ہے اور اِس کو قابل قبول بنانے میں جس قدر تاویلات کی جاتی ہیں ہر ہر تاویل کو مسترد کیا ہے، حتیٰ کہ بعض باطل تاویلات امام بیہقی اور امام منذری رحمۃ اللہ علیہما ایسے محدثین سے بھی صادر ہوگئیں تو اُنہیں بھی مسترد کر دیا ہے۔ راقم الحروف پہلے کہہ چکا ہے کہ اس قسم کی احادیث کے باطل متون پر ایسی مضبوط سندیں چڑھا دی گئیں کہ بڑے بڑوں کے دماغ چکرا گئے۔

صحتِ حدیث کی ضد میں آقا کی گستاخی

اِس طلقاء خاندان کے فضائل کے اثبات یا صحیح مسلم کی حدیث کی صحت پر اصرار کے باعث بعض لوگوں سے بارگاہِ نبوی ﷺ کی اہانت بھی ہوگئی، اور اُنہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کریم ﷺ نے تجدید نکاح فرمایا ہوگا۔ ہرچند کہ یہ گستاخانہ بات ہمارے دور میں بھی لکھی اور کہی جا رہی ہے لیکن میں کسی معاصر کا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا کہ لوگ انا کا مسئلہ بنا کر باطل پر ڈٹ جاتے ہیں اور اگر ایسی بات کسی تنظیم سے شائع شدہ کتاب میں لکھی گئی ہو تو پھر تو رجوع کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ تنظیم والوں کو دین سے زیادہ تنظیم محبوب ہوتی ہے۔ اس لیے کسی شخص یا تنظیم کا نام لیے بغیر علامہ ابن قیم کے الفاظ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ : بَلْ سَأَلَهُ أَنْ يُجَدِّدَ لَهُ الْعَقْدَ تَطْيِيبًا لِقَلْبِهِ ، فَإِنَّهُ كَانَ قَدْ تَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ اخْتِيَارِهِ ، وَهٰذَا بَاطِلٌ ، لَا يُظَنُّ بِالنَّبِيِّ ﷺ ، وَلَا يَلِيقُ بِعَقْلِ أَبِي سُفْيَانَ ، وَلَمْ يَكُنْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ.

''ایک گروہ نے کہا: بلکہ ابوسفیان نے آپ ﷺ سے اپنے دل کی تسلی کے لیے تجدید نکاح کی درخواست کی تھی، کیونکہ آپ نے اُم حبیبہ کے ساتھ اُن کی مرضی کے بغیر شادی کی تھی۔

یہ باطل ہے، نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے، نہ یہ ابوسفیان کی عقل کے لائق ہے اور نہ ہی اِن باتوں میں سے کچھ ہوا"۔

(زاد المعاد ج۱ ص۱۰۷،۱۰۸)

یادرہے کہ اِس حدیث کو موضوع قرار دینے والے یہ بارہ علماء اسلام ہیں:

۱۔ محدث محمد بن فتوح الحمیدی
۲۔ علامہ ابن حزم ظاہری
۳۔ امام ابن الجوزی
۴۔ قاضی عیاض اندلسی
۵۔ امام شمس الدین ذہبی
۶۔ امام وشتانی اُبی مالکی
۷۔ امام سنوسی حسنی مالکی
۸۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی
۹۔ نواب صدیق حسن قنوجی
۱۰۔ صفی الرحمان مبارکپوری
۱۱۔ شیخ موسیٰ شاہین لاشین
۱۲۔ شیخ محمد امین ہرری شافعی

لہٰذا کرم فرما حضرات سے گذارش ہے کہ میرے خلاف ڈھنڈورا پیٹنے یا مجھ پر خفا ہونے سے قبل اپنے غصہ کا کچھ حصہ اِن حضرات پر نکال لیجئے گا۔

علم وتحقیق کا میدان وسیع ہے، لہٰذا ہر ایک کو حق ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی اپنی تحقیق کے گھوڑے دوڑائے، لیکن راقم الحروف مذکورہ بالا محدثین کی تحقیق کی روشنی میں صحیح مسلم کی اِس روایت کو وضعی، جعلی اور باطل سمجھتا ہے، کیونکہ میرا ایمان ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی کتاب یہ شان نہیں رکھتی کہ وہ کلیۃً باطل کی آمیزش سے پاک ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ. لَايَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَامِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ

حَمِيدٍ.

''اور بیشک یہ غالب کتاب ہے، اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔

(حٰمٓ السجدة: ۴۱، ۴۲)

جب قرآن حکیم کے علاوہ یہ شان کسی بھی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ تدوین حدیث کے دور میں اُس وقت کے شاہی خاندان کی شان میں وضع کردہ جھوٹی اور باطل حدیث صحیح مسلم میں نہیں گھس سکتی؟ اور اگر صحیح مسلم میں باطل حدیث داخل ہوسکتی ہے تو پھر کسی دوسری کتاب کا کیا پوچھنا؟

احادیثِ فضائلِ معاویہ میں دو گروہ

ہر چند کہ احادیث نبویہ ﷺ کی صحت وسقم میں امت مسلمہ کو اقوامِ عالم میں ایسا مقام، مرتبہ اور ملکہ حاصل ہے جو اِس امت کا خاصہ ہے مگر چونکہ تدوین حدیث اسلام کے اولین شاہی خاندان کے دور میں ہوئی اور اُس خاندان کی شان میں سنکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ بے شمار احادیث بنائی گئیں اس لیے جھوٹ کی اُس کثرت وتکرار نے بڑے بڑے عقل مندوں کو حیرت زدہ کردیا۔ اکثر محدثین کرام نے ایسی اکثر احادیث کو تو مسترد کردیا مگر بعض روایات سے وہ بھی دھوکہ کھا گئے، جیسا کہ سنن ترمذی میں ایسی باطل حدیث کا داخل ہوجانا، جس پر آگے مفصل بحث ہوگی۔ سو ایسی صورتِ حال میں محدثین کرام کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک بڑے گروہ کے مطابق شانِ معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے اور دوسرا گروہ بعض روایات کا قائل تو ہے مگر قائل ہونے کے باوجود وہ گروہ خود کو تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے نہیں نکال سکا۔ اِس کی بعض مثالیں آگے چل کر امام ابن عساکر وغیرہ کے حوالہ سے آئیں گی اور وہاں اُن کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔ جو گروہ شانِ معاویہ میں کسی بھی حدیثِ نبوی ﷺ کے وجود کا قائل نہیں وہ متقدمین کا گروہ ہے اور اُس کے سرخیل امام ابن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

قولِ امام اسحاق بن راھویہؒ

میرا خیال تھا کہ میں امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، المروزی ثم النیسابوری، المعروف بابن راھویہ متوفّٰی ۲۳۸ھ کا مکمل تعارف لکھتا لیکن جب میں نے اُن کی سوانح اور حالات کے لیے مطلوبہ کتب کا رُخ کیا تو دنگ رہ گیا کہ اُن کے حالات کے سمندر میں سے کیا لوں اور کیا چھوڑوں؟ مختصراً اتنا عرض کرتا ہوں کہ یہ امام

جہاں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے معاصرین میں سے وہیں یہ ان دونوں حضرات کے استاذ بھی ہیں۔ جب کسی مجلس میں یہ تینوں حضرات اکٹھے ہوجاتے تو صدر مجلس امام اسحاق کو ہی بنایا جاتا۔ امام ابوزرعہ رازی ان کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، امام ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ کے تمام محدثین اِن کے شاگرد ہیں، امام دارمی بھی اِن کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے اُنہی کی ہدایت پر صحیح بخاری کو ترتیب دیا تھا۔ بلا اختلاف ان کو امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث اور امام من ائمۃ المسلمین کے القاب دیے گئے۔ اِن کی طرف حنفیت پھر شافعیت کی نسبت بھی کی جاتی ہے تاہم زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ خود مجتہد تھے اور تقلید سے بلند تھے۔ جرح وتعدیل میں امام احمد بن حنبل اور دوسرے اکابر کی طرح ان کی امامت کا لوہا مانا جاتا ہے، علم حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ اور علم کلام وعقائد میں بھی ان کو امام مانا گیا ہے۔

اِن کی قوتِ حفظ کے بارے میں بکثرت محیّر العقول واقعات منقول ہیں، جن میں سے ایک واقعہ مقامِ ھٰذا کی مناسبت سے نقل کرتا ہوں۔ ان کے ایک شاگرد محمد بن یحییٰ بن خالد بیان کرتے ہیں:

> ''میں نے اُنہیں ۲۳۸ھ میں فرماتے ہوئے سنا: میں ایک لاکھ احادیث میں سے ہر ہر حدیث کو یوں یاد رکھتا ہوں کہ گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ فلاں حدیث فلاں مقام پر موجود ہے۔ اُن میں سے ستر ہزار صحیح احادیث مجھے زبانی ازبر ہیں اور چار ہزار جھوٹی احادیث بھی مکمل طور پر یاد ہیں۔ عرض کیا گیا: جھوٹی احادیث یاد کرنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا: اُنہیں یاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب صحیح احادیث کے انبار میں میرے سامنے کوئی جھوٹی حدیث گزرے تو میں اُسے اس طرح نکال دوں جس طرح سر سے جوں نکالی جاتی ہے''۔

(تاريخ بغداد ج٦ ص٣٥٢؛ تهذيب الكمال ج٢ ص٣٨٥؛ الإمام اسحاق بن راهويه ومسنده، للدكتور عبدالغفور البلوشي ص ٨٠)

پس کھوٹی اور کھری، جھوٹی اور سچی احادیث کے مابین فرق کرنے والے اِس ماہر محدث نے دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ شانِ معاویہ میں کوئی بھی صحیح چیز ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أَنْبَأَنَا زَاهِرُ بْنُ طَاهِرٍ، أَنْبَأَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْبَيْهَقِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَبْدِ اللهِ الْحَاكِمُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ يُوْسُفَ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ إِسْحَاقَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيَّ، يَقُوْلُ: لَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

فِيْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ شَيْءٌ.

''ہمیں زاہر بن طاہر نے بیان کیا، اُنہوں نے کہا: ہمیں احمد بن حسین بیہقی نے بیان کیا، اُنہیں ابوعبداللہ حاکم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن یعقوب بن یوسف کو بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی کو فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ سے معاویہ بن ابوسفیان کی فضیلت میں کوئی صحیح چیز منقول نہیں ہوئی''۔

مولا علی علیہ السلام کی دشمنی میں شانِ معاویہ

فضائلِ معاویہ میں جھوٹی احادیث کے انبار پر امام احمد بن حنبل کے استاذ اور اُن کے قریبی ساتھی امام اسحاق بن راھویہ کا قول تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمد کا بھی اُن سے تبادلۂ خیال ہوتا ہوگا لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اِس سلسلے میں بہت زیادہ محتاط تھے اور سکوت کو ترجیح دیتے تھے، تاہم بعض اوقات میں اُنہیں بھی خاموشی کا روزہ توڑنا پڑا اور ایک سوال کے جواب میں اُنہیں مجبوراً اعتراف کرنا پڑا کہ معاویہ کے فضائل علی کی دشمنی میں ہی بنائے گئے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

أَنْبَأَنَا هِبَةُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ الْجَرِيْرِيُّ ، أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْفَتْحِ ، أَنْبَأَنَا الدَّارَقُطْنِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ نَيَّارٍ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا أَبُوْ سَعِيْدِ بْنُ الْحَرَفِيُّ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبِيْ فَقُلْتُ : مَا تَقُوْلُ فِيْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ ؟ فَأَطْرَقَ ثُمَّ قَالَ: أَيْشِ أَقُوْلُ فِيْهِمَا ؟ إِنَّ عَلِيًّا عليه السلام كَانَ كَثِيْرَ الْأَعْدَاءِ فَفَتَّشَ أَعْدَاؤُهُ لَهُ عَيْباً فَلَمْ يَجِدُوْا ، فَجَاءُوْا إِلَى رَجُلٍ قَدْ حَارَبَهُ وَقَاتَلَهُ فَأَطْرَوْهُ كِيَادًا مِنْهُمْ لَهُ.

ہمیں ہبۃ اللہ بن احمد جریری نے بیان کیا، اُنہیں محمد بن علی الفتح نے بیان کیا، اُنہیں امام دارقطنی نے بیان کیا، اُنہیں ابوالحسین عبداللہ بن ابراہیم بن جعفر بن نیار البزاز نے بیان کیا، اُنہیں ابوسعید بن الحرفی نے بیان کیا، اُنہیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے ایک سوال میں عرض کیا: آپ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور معاویہ کے متعلق

کیا فرماتے ہیں؟ اس پر انہوں نے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اُٹھا کر فرمایا: میں اُن دونوں کے بارے میں کیا کہوں؟ سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء (بہت دشمنوں والے) تھے، ان کے دشمنوں نے اُن کے عیب تلاش کیے تو نہ پائے۔ پھر وہ اُس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس نے اُن سے جنگ اور لڑائی کی تو سازش کے تحت اُسے بڑھانا شروع کر دیا"۔

(الموضوعات لابن الجوزي ج۲ ص۲۳، وط: ج۲ ص۲٦۳؛ تنزيه الشريعة للكناني ج۲ ص۸،۷)

امامین کے کلام پر حافظ کا جائزہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اسحاق بن راھویہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں کے کلام کو نقل کرنے کے بعد یوں تبصرہ فرمایا ہے:

فَأَشَارَ بِهٰذَا إِلٰى مَا اخْتَلَقُوْهُ لِمُعَاوِيَةَ مِنَ الْفَضَائِلِ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ . وَقَدْ وَرَدَ فِيْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ أَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ لٰكِنْ لَيْسَ فِيْهَا مَا يَصِحُّ مِنْ طَرِيْقِ الْإِسْنَادِ ، وَبِذٰلِكَ جَزَمَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْه وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمَا ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

"اس سے اُنہوں نے اُن بے اصل روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جو لوگوں نے معاویہ کے فضائل میں گھڑی تھیں۔ فضائلِ معاویہ میں بکثرت روایات وارد ہیں لیکن ان میں کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس کی سند صحیح ہو، یہی امام اسحاق بن راھویہ، امام نسائی اور دوسرے علماءِ حدیث رحمہم اللہ کا قطعی قول ہے، واللہ اعلم"۔

(فتح الباري ج۷ ص٤۷٦، وط: ج۷ ص۱۲۱، وط: ج۸ ص٤۷۳)

شانِ معاویہ میں مستقل کتب ورسائل

تا حال امیر شام کی شان میں تو کوئی مستقل کتاب میری نظر سے نہیں گذری البتہ جو کتاب بھی اُن کے حوالہ سے سامنے آئی ہے وہ اُن کے دفاع میں ہی آئی ہے، اگرچہ اُس کا عنوان کا فضائل ومناقب کا ہی کیوں نہ تھا۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "فتح الباري" میں اِسی مقام پر بعض متقدمین کی کتب کا ذکر کیا ہے لیکن اُنہیں قابل اعتماد نہیں گردانا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ابن ابی عاصم نے مناقب معاویہ میں ایک رسالہ لکھا تھا، اسی طرح ابو عمر غلام ثعلب

اورابوبکر النقاش نے بھی لکھا تھا۔امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں ان حضرات کی کتب سے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں اوراُن سب کے بعد امام اسحاق بن راھویہ کا یہی قول چلایا ہے کہ معاویہ کی شان میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے"۔

(فتح الباري ج٧ص ٤٧٦،وط: ج٧ص ١٢١،وط: ج٨ص ٤٧٣)

ہمارے دور میں بھی اُن کے فضائل کے عنوان سے کچھ رسائل سامنے آئے ہیں لیکن سب میں موضوع وباطل روایات کی بھرمار ہے اور قیل وقال سے تو قطعاً کوئی ایک روایت بھی خالی نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فضائل یا دفاعِ معاویہ میں فاضل بریلوی نے بھی متعدد رسائل لکھے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو اور واقعی کسی کے پاس اُن کے رسائل میں سے کوئی رسالہ موجود ہو تو از راہِ کرم اِس ناچیز کو ضرور عنایت فرمایا جائے، میں اِس خاص موضوع پر اُن کی تحقیق سے آگاہی ضروری سمجھتا ہوں۔

قولِ ابن راھویہ کے مؤیدین

امام اسحاق بن راھویہ کے قول کو امام ابن الجوزی کے علاوہ محدث ابوالحسین مبارک، علامہ ابن قیم حنبلی، امام ذہبی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، امام عینی، امام سیوطی، علامہ ابن حجر مکی، ملا علی قاری، علامہ ابن عراق الکنانی، علامہ محمد طاہر پٹنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ عجلونی، قاضی شوکانی، علامہ عبدالرحمان مبارکپوری اور علامہ عبد الرشید نعمانی نے بھی تائیداً نقل کیا ہے۔سطورِ ذیل میں ہم اِن علماء کی تصریحات وعبارات میں سے بعض کے الفاظ کو نقل کر رہے ہیں اور بعض کے الفاظ کی طرف نشاندہی کر رہے ہیں۔

ابوالحسین مبارک طیوری حنبلی

یہ خطیب بغدادی کے شاگرد اور امام ابن الجوزی کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان کی وفات ۵۰۰ھ میں ہوئی تھی۔اُن کے شاگرد شیخ ابوطاہر احمد بن محمد اصبہانی سلفی متوفّٰی ۵۷۶ھ نے ان کے کلام کو مختلف کتب سے منتخب کر کے "الطیوریات" کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔اس مجموعہ میں وہ امام احمد بن حنبل کا وہ کلام لائے ہیں جو ہم اس سے قبل امام ابن الجوزی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ معاویہ کو لوگوں نے سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی دشمنی میں چڑھایا ہے۔

(الطيوريات لأبي الحسين مبارك بن عبد الجبار الطيوري ص١٣٨٦،أضواء السلف،الرياض)

علامہ ابن قیم حنبلی

علامہ ابن قیم مطلقاً احادیث موضوعہ کی علامات کے بیان میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ ذٰلِکَ مَاوَضَعَهُ بَعْضُ جَهْلَةِ السُّنَّةِ فِيْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ . قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوْيَه: لَا يَصِحُّ فِيْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ شَيْءٌ.

''اوراُنہی میں سے وہ احادیث ہیں جو بعض جاہل سنیوں نے فضائل معاویہ میں بنائی ہیں۔امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں: فضیلتِ معاویہ بن ابی سفیان میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح چیز ثابت نہیں ہے''۔

(المنار المنيف فی الصحيح والضعيف ص ۱۱۰)

امام ذہبی شافعی

انہوں نے بلاتردید امام اسحاق بن راھویہ کے قول کو مقرر رکھا ہے۔

(سير أعلام النبلاء ج۳ ص۱۳۲)

امام سیوطی شافعی

امام سیوطی شافعی نے اپنی کتاب ''اللآلي المصنوعة'' میں امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور ''تاریخ الخلفاء'' میں امام احمد بن حنبل کا وہ قول نقل کیا ہے جو ہم اِس سے قبل امام ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم کے حوالہ سے درج کر چکے ہیں کہ معاویہ کو سیدنا علی ؓ کے دشمنوں نے بڑھایا اور چڑھایا ہے۔

(اللآلي المصنوعة للسيوطي ج۱ ص٤٢٤؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص۱۵۳، وط: ص ۳۳۰، وط: دار ابن حزم ص ۱۵۹)

امام موصوف بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

بَابُ ذِكْرِ مُعَاوِيَةَ: لَمْ يَقُلْ وَلَا مَنْقَبَةٌ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ فِيْ فَضَائِلِهِ شَيْءٌ ، كَمَا قَالَهُ ابْنُ رَاهُوْيَه.

''بَابُ ذِكْرِ مُعَاوِيَةَ: منقبت نہیں کہا، اس لیے کہ اُن کے فضائل میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ امام ابن راھویہ نے فرمایا ہے''۔

(التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي ج٦ ص٢٣٧٩)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی

علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب ''الصواعق المحرقة'' کے ''الباب التاسع''(نویں باب) کی تیسری فصل کے آخر میں سیدنا علی ﷺ کے فضائل کے ضمن میں لکھا ہے:

وَأَخْرَجَ السِّلَفِيُّ فِي الطُّيُوْرِيَّاتِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبِيْ عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ ، فَقَالَ : اِعْلَمْ إِنَّ عَلِيًّا كَانَ كَثِيْرَ الْأَعْدَاءِ ، فَفَتَّشَ لَهُ أَعْدَاؤُهُ شَيْئًا فَلَمْ يَجِدُوْهُ ، فَجَاءُوْا إِلٰى رَجُلٍ قَدْ حَارَبَهُ وَقَاتَلَهُ فَأَطْرُوْهُ كَيْدًا مِّنْهُمْ لَهُ.

''سلفی نے ''الطُّيُوْرِيَّات'' میں امام عبداللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد سے سیدنا علی ﷺ اور معاویہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: جان لو! سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء (بہت دشمنوں والے) تھے، سو ان کے دشمنوں نے اُن کے خلاف کچھ تلاش کرنا چاہا تو نہ پایا تو وہ اُس شخص کی طرف لپکے جس نے اُن سے جنگ اور قتال کیا تو فریب کاری کرتے ہوئے اُسے بڑھانا شروع کر دیا''۔

(الصواعق المحرقة ص١٢٧ ،وط: ص٣٧٨)

یہ بھی طرفہ تماشہ ہے کہ علامہ ابن حجر مکی اِس قول سے باخبر ہونے اور اسے نقل کرنے کے باوجود اِس کے خلاف کی طرف مائل ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب ''تطهير الجنان'' میں کھلم کھلا موضوع روایات کو فضائل معاویہ میں درج کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں شاید یہ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اُنہوں نے یہ کتاب ایک بادشاہ کی فرمائش کی تعمیل میں لکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کی شان میں ایک بھی صحیح حدیث نہ ہو اور پھر اُس کی شان میں شاہی فرمان کی تعمیل میں کتاب تیار کرنی پڑ جائے تو رطب و یابس کے سوا باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ان شاء اللہ ﷻ آئندہ صفحات میں علامہ ابن حجر مکی کے اِس کام پر مختصر تبصرہ پیش کیا جائے گا۔

ابوالحسن علی بن محمد کنانی شافعی

انہوں نے امام اسحاق بن راھویہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں کے اقوال کو نقل کیا ہے۔

(تنزيه الشريعة المرفوعة ج۲ ص ۸۰۷)

لیکن آگے اُنہوں نے امام سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ معاویہ کی شان میں کسی حد تک تین احادیث قابل قبول ہوسکتی ہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول امام ابن عساکر کی پیروی میں کیا ہے، اور یہ اِن تینوں حضرات کی غلط فہمی ہے اور حق بات وہی ہے جو امام اسحاق بن راھویہ نے فرمائی ہے۔ اِن شاء اللہ آئندہ صفحات میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔

علامہ مجدالدین فیروزآبادی

موصوف لکھتے ہیں:

وَبَابُ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ لَيْسَ فِيْهِ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

''فضائل معاویہ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے''۔

(سفر السعادة للفيروزآبادي ص ۱۴۳)

علامہ محمد فضیل مالکی

علامہ موصوف نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کو مختصراً نقل کرکے اُس کو تسلیم کیا ہے۔

(الفجر الساطع على الصحيح الجامع ج۹ ص ۹۲، ۹۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں فضائل معاویہ یا مناقب معاویہ کی بجائے "بَابُ ذِكْرِ مُعَاوِيَةَ" کا عنوان قائم کیا ہے، اس کی توجیہ میں امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: اس لیے کہ اِس باب میں وہ چیز نہیں جو اُن کی فضیلت پر دلالت کرے۔ اس پر وہ سوال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ وَرَدَ فِيْ فَضِيْلَتِهِ أَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ. قُلْتُ: نَعَمْ، وَلٰكِنْ لَيْسَ فِيْهَا حَدِيْثٌ يَصِحُّ مِنْ طَرِيْقِ الْإِسْنَادِ، نَصَّ عَلَيْهِ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوْيَهْ وَالنَّسَائِيُّ

وَغَيْرُهُمَا.

”اگر تم کہو کہ اُن کی شان میں تو بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں: جی ہاں، لیکن اُن میں سنداً کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے، اسی کی امام اسحاق بن راھویہ، امام نسائی اور دوسرے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح فرمائی ہے“۔

(عمدة القاري ج١٦ ص٣٤٣)

إِنَّهُ فَقِيهٌ

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کا باب کے عنوان پر اِس بات کو موقوف کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں فضائل الصحابہ کی کتاب میں تقریباً دس سے زائد ابواب پر ”باب ذکر“ کا عنوان قائم کیا ہے، لہٰذا یہ توجیہ قوی نہیں۔ اِس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی تکلف سے کام لیا ہے اور معاویہ کی شہرت سے مرعوب ہو کر کسی نہ کسی طرح اُن کا ذکر اپنی صحیح میں داخل کرنا ضروری سمجھا ہے، ورنہ وہ بہت سے ایسے صحابہ کرام ﷺ کے فضائل کو بخاری میں نہیں لائے جن کے فضائل میں واضح طور پر احادیث نبویہ آئی ہیں۔ قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امیر شام کے حق میں سیدنا ابن عباس ﷺ کا یہ قول اِس لیے لائے ہیں کہ معاویہ نے ایک مرتبہ وتروں کی ایک رکعت پڑھی تو ابن ابی ملیکہ نے سیدنا ابن عباس ﷺ کو شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اُنہوں نے وتروں کی ایک رکعت پڑھی ہے۔ اِس پر سیدنا ابن عباس ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ فَقِيهٌ.

”وہ فقیہ ہیں“۔

(بخاري ص ٥١١ حديث ٣٧٦٥)

ابن ملجم بھی فقیہ تھا

بلاشبہ کسی انسان کا فقیہ ہونا فضیلت کی بات ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ باعقیدہ اور باعمل ہو۔ اگر کوئی فقیہ انعام یافتہ ہستیوں سے بغض رکھتا ہو تو ایسی فقاہت کس کام کی؟ یاد رکھیے! اِس امت کا سب سے بڑا بدبخت عبدالرحمان بن ملجم بھی فقیہ تھا اور اُسی نے سیدنا علی ﷺ کو قتل کیا تھا، اُس کی فقاہت کے گواہ خلیفۂ ثالث سیدنا عمر ﷺ ہیں۔

چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

''یہ اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قرآن اور فقہ سیکھی تھی، اس نے قرآن سیدنا معاذ بن جبل ﷺ سے سیکھا تھا۔ اسی لیے سیدنا عمر ﷺ نے عمرو بن العاص ﷺ کو خط لکھا تھا:

أَنْ قَرِّبْ دَارَ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ مُلْجِمٍ مِنَ الْمَسْجِدِ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ الْقُرآنَ وَالْفِقْهَ.

''عبدالرحمان بن ملجم کا گھر مسجد کے قریب کر دو تا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم دے''۔

(تاريخ الإسلام للذهبي ملخصاً ج٣ ص٦٥٣)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَهُوَ أَشْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالنَّصِّ الثَّابِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.

''نبی کریم ﷺ سے نص کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اس امت کا سب سے بڑا بد بخت ہے، سیدنا علی بن ابی طالب ﷺ کو قتل کرنے کی وجہ سے''۔

(الإصابة ج٥ ص٨٥، ترجمة ٣٦٩٦)

اِس مقام پر بلاتبصرہ سیدنا ابن عباس ﷺ سے اسی سلسلۂ وتر میں میں ایک اور روایت بھی سن لیجئے۔ امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''عکرمہ کہتے ہیں: میں سیدنا ابن عباس ﷺ کے ساتھ معاویہ کے پاس تھا کہ رات کا ایک حصہ گذر جانے کے بعد معاویہ اُٹھے اور ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس پر ابن عباس ﷺ نے فرمایا:

مِنْ أَيْنَ تَرٰى أَخَذَهَا الْحِمَارُ ؟

''یہ اس حمار نے کہاں سے لے لی؟''۔

(شرح معاني الآثار ج١ ص٢٨٩؛ فيض الباري شرح صحيح البخاري للكشميري ج٤ ص٤٩٥)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی شافعی ثم الحنفی

علامہ الکورانی الشافعی ثم الحنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

لَمْ يُنْقَلْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا فِيْ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ سِوٰى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:

إِنَّهُ فَقِيهٌ ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ إِنَّمَا قَالَ هٰذَا الْكَلَامَ تَقِيَّةً ، لِأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ مِنْ أَعْظَمِ أَصْحَابِ عَلِيٍّ ، بَلْ كَانَ وَزِيْرًا لَهُ وَمُشِيْرًا.

''نبی کریم ﷺ سے مناقب معاویہ میں کوئی چیز منقول نہیں ماسوا قولِ ابن عباس کے کہ اُنہوں نے فرمایا: وہ فقیہ ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات تقیۃً کہی تھی، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عظیم ساتھیوں سے تھے بلکہ وہ اُن کے وزیر و مشیر تھے''۔

(الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث صحيح البخاري ج٦ ص٤٩٨)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محبین کے لیے ایسے سازگار حالات نہیں تھے کہ وہ علی الاعلان حق بات کر سکتے، یہ وہ دور تھا جس میں باشندگانِ حرمین پر حملہ ہوا تھا، یمن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نابالغ بھتیجوں کو ذبح کیا گیا تھا اور سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کو بھی اُسی دور میں قتل کیا گیا تھا اور اُنہیں کہا گیا تھا کہ علی سے بیزار ہو جاؤ ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سو ایسے کاٹ کھانے والی مملکت میں کھلم کھلا حق بات کرنا آسان نہیں تھا۔ یہاں جن تین واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اِن شاء اللہ ﷻ اُن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

علامہ عجلونی شافعی

علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی شافعی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

وَبَابُ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ لَيْسَ فِيْهِ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

''اور فضائل معاویہ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے''۔

(كشف الخفاء ومزيل الإلباس ج٢ ص٣٨٤)

ملا علی قاری حنفی

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہٖ علامہ ابن قیم جوزیہ حنبلی کی طرح لکھا ہے۔

(الأسرار المرفوعة ص٤٥٥، ومترجم اردو ص ٢٠٩)

نیز ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' میں امیر شام کو محرّف، باغی، طاغی اور تارکِ کتاب وسنت قرار دیا ہے۔ اُن کا مکمل کلام مع ترجمہ ہماری کتاب ''اَلْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی

علامہ موصوف لکھتے ہیں:

لَايَصِحُّ مَرْفُوْعًا فِيْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ شَيْءٌ.

''فضیلت معاویہ میں کوئی صحیح مرفوع چیز نہیں ہے''۔

(مجمع بحار الأنوار ج ٥ ص ٢٢١)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُحَدِّثِيْنَ قَالُوْا : لَمْ يَصِحَّ فِيْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيْثٌ ، كَذَا فِيْ [سفر السعادة] وَكَذَا قَالَ السَّيُوْطِيُّ.

''جان لیجئے کہ محدثین کرام نے فرمایا ہے: فضائل معاویہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، اسی طرح [سفر السعادة] میں ہے اور ایسا ہی امام سیوطی نے کہا ہے''۔

(لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح ج٩ ص٧٧٥)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری تصانیف میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(أشعة اللمعات للشيخ عبدالحق ج ٤ ص ٧١٦؛ مدارج النبوة للشيخ عبدالحق ج٢ ص ٦٨٥؛ شرح سفر السعادة للشيخ عبدالحق ص ٥٢٢)

مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی کی نکتہ آفرینی

مولانا رشید احمد گنگوہی بخاری شریف میں ''بَابُ ذِكْرِ مُعَاوِيَةَ'' کی توجیہ میں لکھتے ہیں:

''امام بخاری نے اس مقام پر عنوان تبدیل کر دیا ہے، مناقب سے تعبیر نہیں کیا، کیونکہ اُن میں صحبت اور فقاہت سے زیادہ اور کوئی منقبت بیان نہیں کی حالانکہ وہ اکثر صحابہ میں مشترک ہے''۔

(تشريحات بخاري ج٥ ص ٥١١)

ظاہر ہے کہ صحابی اور فقیہ بہت صحابہ کرام ﷺ تھے بلکہ معاویہ سے بھی بڑھ کر تھے تو پھر خود سوچئے کہ آخر امام

بخاری کیا چیز لائے؟ جن اوصاف میں سب مشترک ہوں اُنہی اوصاف کو لے کر کسی شخص کے حق میں باب قائم کر دینا کون سا کمال ہے؟ علامہ وحید الزمان اہل حدیث نے امام بخاری کے اِس طرزِ عمل کو اِدھر اُدھر کے تذکروں سے تعبیر کیا ہے۔ دراصل امام بخاری کا مقصود اِس باب کے قیام سے دفاعِ معاویہ ہے نہ کہ شانِ معاویہ، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

لٰكِنْ بَدَقِيْقِ نَظْرِهٖ اِسْتَنْبَطَ مَا يُدْفَعُ بِهٖ رُؤُوْسُ الرَّوَافِضِ.

''لیکن اُنہوں نے اپنی باریک بینی سے وہ استنباط کیا ہے جس سے روافض کے سرغنوں کا دفاع ہو جائے''۔

(فتح الباري ج٨ص ٤٧٣)

جی ہاں، امام بخاری کی باریک بینی قابلِ داد ہے، کیوں نہیں معاویہ کی افراط وتفریط کے تذکرے کا رفض سے تعلق بنتا ہے، کیونکہ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ نے معاویہ کو فسق و بطلان پر کہا تو وہ رافضی تو ہوں گے نا؟ سیدنا خزیمہ بن ثابت ﷺ نے گروہِ معاویہ کو ضلالت پر کہا تو وہ کیوں نہ رافضی ہوں؟ امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور مذاہبِ اربعہ کے فقہاء ﷺ نے معاویہ کو قاتل، باغی، طاغی، بدعتی، جائر، ظالم اور متعدی کہا ہے تو وہ سب بھی کیوں نہ رافضی ہوں؟ سیدنا علی ﷺ نے بھی معاویہ کو باغی سمجھ کر اُس سے جنگ کی تھی تو وہ بھی اندر سے رافضی ہوں گے نا؟ نبی کریم ﷺ نے بھی اُس پورے گروہ کو باغی اور آگ کی طرف داعی فرمایا تھا تو معاذ اللہ آپ پر بھی یہ حکم لگا دیجئے نا! **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.**

میں کہتا ہوں: کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن حق اور حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کی بغاوت، خروج، فساد، ضلالت اور کتاب وسنت سے روگردانی کے تذکروں کا تعلق رفض سے نہیں بلکہ حق وباطل، ہدایت وضلالت اور صواب وخطا کے اظہار سے ہے۔ رفض صرف اور صرف شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے بیزاری کو کہا جاتا ہے۔

مولانا محمد زکریا مدنی حنفی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنی حنفی لکھتے ہیں:

''اسحاق بن راھویہ نے کہا ہے کہ امیر معاویہ کے مناقب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے،

اس لیے امام بخاری نے مناقب کا لفظ صراحۃً ذکر نہیں کیا"۔

(تشریحات بخاري ج ۵ ص ۵۱۱)

فاضل دیوبند مولانا عبدالقادر قاسمی

علامہ موصوف مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد زکریا مدنی دونوں کے کلام کی شرح اور تائید میں لکھتے ہیں:

"امام نسائیؒ سے پوچھا گیا کہ فضل معاویہؓ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ برابر سرا برچھوٹ جائیں تو غنیمت ہے تم فضائل پوچھتے ہو، جس پر اُن کو اس قدر مارا پیٹا گیا کہ جان سے ہاتھ دھونے پڑے"۔

(تشریحات بخاري ج ۵ ص ۵۱۱، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

علامہ عبدالرشید نعمانی حنفی دیوبندی

علامہ عبدالرشید نعمانی حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أَخْرَجَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ مِنْ طَرِيْقِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، سَأَلْتُ أَبِيْ: مَا تَقُوْلُ فِيْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ ؟ فَأَطْرَقَ ثُمَّ قَالَ : اِعْلَمْ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ كَثِيْرَ الْأَعْدَاءِ فَفَتَّشَ أَعْدَاؤُهُ لَهُ عَيْباً فَلَمْ يَجِدُوْا ، فَعَمَدُوْا إِلٰى رَجُلٍ قَدْ حَارَبَهُ وَقَاتَلَهُ فَأَطْرَوْهُ كِيَادًا مِّنْهُمْ لِعَلِيٍّ.

"حافظ ابن جوزی نے بسند عبداللہ بن احمد بن حنبل نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد محترم امام احمد سے علی و معاویہ کے بارے میں دریافت کیا کہ اُن دونوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے سر جھکا لیا پھر فرمایا: یاد رکھو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن بہت تھے، اُن دشمنوں نے حضرت کے عیب بہت تلاش کیے، ہار جھک مار کر جب کچھ نہ مل سکا تو پھر یہ چال چلی کہ جس شخص نے آپ سے جنگ کی اس کو حد سے بڑھانے چڑھانے لگے"۔

امام ممدوح نے دشمنانِ علی کے جس کید (مکر) کی نشاندہی کی ہے یہی "فتنۂ ناصبیت" ہے جس کے ذکر سے رجال کی کتابیں بھری پڑی ہیں، نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ فتنہ

خوابیدہ اِس دور میں پھر بیدار ہو چلا ہے''۔

(حضرت علي ﷺ اور قصاص عثمان ﷺ للعلامة عبدالرشيد النعماني ص١٤، ١٥)

شاید علامہ نعمانی نے یہ اپنے مکتبِ فکر کی بات کی ہوگی لیکن ہمیں افسوس ہے کہ سیدنا علی ﷺ کی دشمنی میں یہ مکروفریب بریلوی مکتبِ فکر میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ **فإلى الله المشتكي وهو المستعان.**

قاضی شوکانی اہل حدیث

قاضی صاحب نے شانِ معاویہ میں بہت ساری باطل احادیث نقل کرنے کے بعد مکمل سند کے ساتھ امام ابن راھویہ کا قول نقل کر کے اُن سب پر پانی پھیر دیا ہے۔

(الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة للشوكاني ص٤٠٧)

علامہ عبدالرحمان مبارک پوری اہل حدیث

شارحِ ترمذی علامہ عبدالرحمان مبارک پوری نے بحوالہ فتح الباری امام اسحاق بن راھویہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اُن دونوں اقوال کو نقل کر کے اُن پر مکمل اتفاق کیا ہے جو ہم شروع میں امام ابن الجوزی اور حافظ رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کر چکے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تائید اُنہوں نے جامع ترمذی میں "**باب مناقب معاوية**" کے تحت کی ہے، گویا اِس تائید سے اُنہوں نے عملاً اِس مقام پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے اظہارِ اختلاف کیا ہے۔

(تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي ج١٠ ص٣٤٢)

علامہ وحید الزمان اہل حدیث

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

''امام بخاری نے اور بابوں کی طرح یوں نہ کہا کہ معاویہ کی فضیلت، کیونکہ اُن کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ امام نسائی اور اسحاق راھویہ نے ایسا ہی کہا''۔

(تيسير الباري شرح صحيح البخاري ج٥ ص٩٠)

علامہ موصوف اگلے صفحہ میں لکھتے ہیں:

''امام بخاری نے ایک مرفوع حدیث بھی معاویہ کی فضیلت میں بیان نہیں کی، ادھر اُدھر کے تذکرے کر دیے۔ امام نسائی نے ایک خاص کتاب خصائص کبریٰ جناب علی ﷺ کے فضائل میں مرتب کی تو خارجیوں نے ان پر بلوہ کیا اور کہا کہ معاویہ کی فضیلت میں بھی تم نے کوئی کتاب لکھی ہے؟ انہوں نے کہا: ان کی فضیلت کہاں سے آئی، یا اُن کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی، البتہ ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔ اس پر خارجی مردودوں نے امام نسائی کو گھونسوں اور لاتوں سے شہید کر ڈالا''۔

(تیسیر الباري شرح صحیح البخاري ج٥ ص٩١، ٩٢)

علامہ ابن تیمیہ حنبلی

علامہ ابن تیمیہ جو تردیدِ روافض میں اس قدر شدید تھے کہ اُن کی تردید کرتے کرتے تنقیص مرتضوی کے مرتکب ہو گئے تھے، جیسا کہ امام سبکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ معاویہ کی شان میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَمُعَاوِيَةُ لَيْسَ لَهُ بِخَصُوْصِهِ فَضِيْلَةٌ فِي الصَّحِيْحِ.

''خصوصاً معاویہ کی کوئی فضیلت صحیح حدیث میں نہیں ہے''۔

(منهاج السنة ج٧ ص٤٠)

ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

وَطَائِفَةٌ وَضَعُوْا لِمُعَاوِيَةَ فَضَائِلَ وَرَوَوْا أَحَادِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ ذٰلِكَ كُلُّهَا كِذْبٌ.

''ایک گروہ نے معاویہ کے لیے فضائل گھڑے ہیں اور اُنہوں نے اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں جو سب کی سب جھوٹ ہیں''۔

(منهاج السنة ج٤ ص٤٠٠)

ایک اور مقام میں موصوف نے امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''ایک متعصب قوم نے سنیت کا دعویٰ کیا تو اُنہوں نے فضیلتِ معاویہ میں احادیث

بنائیں تاکہ وہ روافض کو غصہ دلائیں، دوسری طرف روافض کی قوم نے تعصب کیا تو اُنہوں نے معاویہ کی مذمت میں احادیث بنائیں اور دونوں قبیح خطا پر ہیں''۔

(منهاج السنة ج٤ ص٤٤٦، ٤٤٧)

امام ابن المبارکؒ

امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید درج ذیل قول سے بھی ہوتی ہے۔علامہ بلاذری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وَحَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْأَسْوَدَ عَنْ يَحْيىٰ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ : هَاهُنَا قَوْمٌ يَسْأَلُونَ عَنْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ ، وَبِحَسْبِ مُعَاوِيَةَ أَنْ يُتْرَكَ كَفَافًا.

''مجھے حسین بن علی بن اسود نے بیان کیا، اُنہوں نے یحییٰ سے روایت کیا، اُنہوں نے امام عبد اللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: یہاں ایک قوم ہے جو فضائلِ معاویہ کے متعلق سوال کرتی ہے، حالانکہ معاویہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ اُنہیں چھوڑ دیا جائے''۔

(أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص١٣٧)

جھوٹی حدیث بیان کرنے پر مرنے کو ترجیح

گزشتہ سطور میں آپ فاضل دیوبند مولانا عبدالقادر قاسمی اور اہل حدیث عالم مولانا وحید الزمان خان کا کلام پڑھ چکے ہیں کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو محبانِ معاویہ اور دشمنانِ مرتضیٰ نے فقط اس لیے شہید کر دیا کہ امام موصوف اُنہیں فضائل معاویہ میں کوئی حدیث پیش کرنے سے قاصر رہے۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے اسباب میں فقط یہی ایک سبب بیان کیا گیا ہے۔اس واقعہ کو امام ابن الجوزی، سبط ابن الجوزی، امام ابن عساکر، امام ذہبی، علامہ ابن خلکان، حافظ ابن کثیر، علامہ تغری بردی، علامہ ابن العماد حنبلی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، اور نواب صدیق حسن خان قنوجی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(المنتظم لابن الجوزي ج١٣ ص١٥٦؛ مرآة الزمان لسبط ابن الجوزي ج١٦ ص٤٣٠؛ مختصر تاريخ دمشق ج٣ ص١٠٢؛ سير أعلام النبلاء ج١٤ ص١٢٩؛ وفيات الأعيان ج١ ص٧٧؛ البداية

والنهاية ج١٢ ص١١؛الوفيات لابن تغري بردي ج١ ص٧٧؛شذرات الذهب ج٤ ص١٧؛بستان المحدثين٢٩٧؛التاج المكلل للقنوجي ص١٩)

اِن سب کتابوں میں یہ بات مشترک ہے کہ فضائل معاویہ میں حدیث پیش کرنے سے قاصر رہنے پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا۔ اِس مقام پر یہ ناچیز آپ کو اللہ ﷻ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ بتلایئے! اگر اتنے بڑے محدث کے پاس شانِ معاویہ میں کوئی حدیث ہوتی اگر چہ ضعیف ہی سہی تو وہ موت سے بچنے کی خاطر اُس حدیث کو پیش کرنے سے کیوں دریغ کرتے؟

اِس سے معلوم ہوا کہ ایسے نقاد محدث کے نزدیک زبانِ زدعام حدیث "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا" بھی قابل ذکر نہیں تھی، ورنہ وہ یہی سنا کر جان چھڑا لیتے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر مصائب کا سبب؟

انہی مصائب کا سامنا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کرنا پڑا۔ اُن کے دور کے جاہل پیروں کے مریدین چاہتے تھے کہ وہ شانِ معاویہ میں کوئی حدیث پیش کریں اور چونکہ اُن کے علم میں کوئی قابلِ ذکر حدیث تھی ہی نہیں اس لیے وہ اُن لوگوں کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر رہے تو وہ لوگ زیادتیوں پر اتر آئے۔ چنانچہ متعدد علماء کرام نے سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابوعبدالرحمان سلّمی بیان کرتے ہیں:

> ''میں ابوعبداللہ الحاکم کے پاس گیا جبکہ وہ ابوعبداللہ بن کرّام کے پیروکاروں کے مظالم کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور ہو کر رہ گئے تھے، "لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوْجُ إِلَى الْمَسْجِدِ" (اُن کا مسجد کی طرف نکلنا ممکن نہیں تھا)
>
> وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ كَسَرُوْا مِنْبَرَهُ وَمَنَعُوْهُ مِنَ الْخُرُوْجِ، فَقُلْتُ لَهُ: لَوْ خَرَجْتَ وَأَمْلَيْتَ فِيْ فَضَائِلِ هٰذَا الرَّجُلِ يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ لَا سْتَرَحْتَ مِنْ هٰذِهِ الْمِحْنَةِ، فَقَالَ: لَا يَجِيْءُ مِنْ قَلْبِيْ، لَا يَجِيْءُ مِنْ قَلْبِيْ، لَا يَجِيْءُ مِنْ قَلْبِيْ.
>
> اور یہ اس لیے کہ اُن لوگوں نے اُن کا منبر توڑ دیا تھا اور باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ میں نے امام حاکم سے عرض کیا: اگر آپ اس شخص یعنی معاویہ کے فضائل میں کچھ روایت کر دیں اور املاء کرا دیں تو آپ اِس مصیبت سے نجات پا جائیں گے۔ اُنہوں نے فرمایا: میرا دل نہیں مانتا،

میرا دل نہیں مانتا، میرا دل نہیں مانتا''۔

(المنتظم لابن الجوزي ج ۱۵ ص ۱۱۰؛ سير أعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۱۷۵؛ طبقات الشافعية الكبرى للسبكي ج ٤ ص ۱٦٣؛ مرآة الزمان لسبط ابن الجوزي ج ۱۸ ص ۲۳۸، ۲۳۹؛ الوافي بالوفيات للصفدي ج ۳ ص ۲٦٠)

اندازہ کیجئے! اوّلین بادشاہ کے دور میں جو احادیث گھڑی گئی تھیں اور وہ پھیل چکی تھیں اور پھر وہ عامۃ الناس کے کانوں اور مزاجوں میں رچ بس بھی گئی تھیں، اگر ایسی احادیث کے بیان و املاء سے کوئی ماہر، نقاد، متقی اور پرہیزگار محدث اجتناب کرتا تو احادیث موضوعہ کے عادی اور رسیا لوگ اُسے کیونکر چین سے بیٹھنے دیتے؟ سو جب تک موضوع و باطل روایات کے رسیا محبانِ معاویہ لوگ باقی رہیں گے اُس وقت تک ایسی احادیث سے اجتناب کرنے والوں پر رفض کے فتوے لگتے رہیں گے، مساجد میں داخلے کی ممانعت ہوتی رہے گی اور مصائب و تکالیف بھی آتی رہیں گی۔

محمد بن کرّام کا تعارف

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر جن لوگوں نے مظالم ڈھائے تھے اُنہیں کرامیہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ محمد بن کرّام کے پیروکار تھے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کرّام کے حالات میں لکھتے ہیں:

''وہ بجستان کا باشندہ تھا، بدعتی تھا، شیخ الکرّامیہ تھا، زاہد، عابد اور نیکوکار تھا، دور دور تک اُس کی شہرت تھی، اُس کے پیروکار کثیر تھے لیکن وہ شدید ترین ضعیف روایات بیان کرتا تھا، جیسا کہ ابن حبان نے کہا ہے۔ وہ رُسوا ہو گیا حتیٰ کہ اس نے ردی ترین مذہب اختیار کر لیا، اس نے جو یباری اور ابن تمیم کی مجلس اختیار کی حالانکہ اُن دونوں نے ایک لاکھ احادیث گھڑی تھیں...... وہ عبادت گذار بڑا تھا مگر قلیل العلم تھا''۔

(سير أعلام النبلاء، مُلَخَّصًا ج ۱۱ ص ۵۲۳، ۵۲٤)

امام ذہبی نے اِس کو اپنی تاریخ میں ''الشَّيخُ الضَّالُ'' (گمراہ شیخ) کہا ہے۔

(تاريخ الإسلام للذهبي ج ۱۹ ص ۳۱۰)

میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں ہے:

"وَلَـهُ أَتْبَاعٌ وَمُرِيدُوْنَ" (اُس کے پیروکار اور مریدین تھے) یہ نیشاپور میں اپنی بدعتوں کی وجہ سے آٹھ سال تک قید میں پڑا رہا، پھر اسے نکالا گیا تو وہ بیت المقدس کی طرف چلا گیا اور دو سو پچپن [۲۵۵ھ] میں شام میں مر گیا اور ایک مدت تک اس کے مریدین اُس کی قبر پر مگن ہو کر بیٹھے رہے"۔

(ميزان الاعتدال ج٤ ص٢١؛ لسان الميزان ج٧ ص٤٦٢)

محبانِ معاویہ کے نزدیک حدیث گھڑنا جائز

حیران کن بات یہ ہے کہ محبانِ معاویہ کرّامیہ فرقہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ پہلے سے گھڑی ہوئی موضوع و باطل روایات کو بیان کرنا جائز تھا بلکہ وہ از خود حدیث گھڑنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام نووی اور دوسرے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ: أَنَّ تَعَمُّدَ وَضْعِ الْحَدِيْثِ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يُعْتَدُّ بِهِمْ فِي الْإِجْمَاعِ، وَشَذَّتِ الْكَرَّامِيَةُ، الْفِرْقَةُ الْمُبْتَدِعَةُ، فَجَوَّزَتْ وَضْعَهُ فِي التَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ وَالزُّهْدِ.

"جان لیجئے کہ عمداً حدیث وضع کرنا اُن مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے جنہیں اجماع میں شمار کیا جاتا ہے، اور کرّامیہ بدعتی فرقہ نے الگ راہ لی تو اُنہوں نے ترغیب و ترہیب اور زُہد میں حدیث گھڑنا جائز قرار دیا"۔

(المنهاج شرح صحيح مسلم لابن الحجاج ج١ ص١٧؛ مكمل إكمال الإكمال ج١ ص٣٦؛ شرح نخبة الفكر للعسقلاني ص٨٠، ٨١؛ تدريب الراوي ج١ ص٣٣٢؛ فتح المغيث ج١ ص٢٨٧، ٢٨٨؛ تنزيه الشريعة ج١ ص١٢)

ذرا اُس دور کے صوفی اور پیر کا اور اپنے دور کے صوفی اور پیر کا موازنہ تو کیجئے!

وہ قلیل العلم تھا مگر اُس کے پیروکاروں اور مریدین کی کثرت تھی، بدعتی تھا، قوت و شوکت کا مالک تھا، دور دور تک شہرت رکھتا تھا، موضوع و باطل روایات چلاتا تھا اور وہ خود اور اُس کے مریدین معاویہ کے محب تھے۔

ہمارے دور کے یہ پیر الیاس تو چشم بد دور قلیل العلم نہیں بلکہ کثیر العلم ہوں گے، البتہ باقی باتوں میں اُن کا

اور محمد بن کرام کا موازنہ قارئین کرام خود کرلیں، راقم الحروف کچھ کہنے سے قاصر ہے۔ اگر کوئی شخص موصوف کے مریدین کی کثرت، قوت وشوکت (حتیٰ کہ ٹی وی چینل کی ملکیت) دور دور تک شہرت، فضائل اعمال میں موضوع وباطل روایات بیان کرنے کی جرأت، امیر شام سے اندھی محبت اور اُن کے فضائل میں موضوع روایات کی کثرت وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے از خود موازنہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

دیگر طلقاء کی شان میں احادیث کیوں نہیں؟

یقین فرمایئے! اگر معاویہ کو اس قدر طویل اقتدار نہ ملتا تو جس طرح اُن کی شان میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اسی طرح اُن کی شان میں کوئی موضوع اور جعلی روایت بھی نہ ہوتی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد دو ہزار سے زائد کی لوگ مجبوراً مسلمان ہوئے اور طلقاء کہلائے، لیکن اُن میں سے کسی کی شان میں بھی اتنی احادیث نہیں آئیں، حتیٰ کہ معاویہ کے سگے بھائی یزید بن ابوسفیان کی شان میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، حالانکہ علماء نے اُنہیں معاویہ سے افضل کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

وَأَخُوهُ يَزِيدُ أَفْضَلُ مِنْهُ.

''اور اُس کا بھائی یزید اُس سے افضل تھا''۔

(منهاج السنة ج ٤ ص ٤٣٩)

فتح مکہ کے بعد سے لے کر وصالِ نبوی ﷺ تک تقریباً اُنتیس مہینے سب طلقاء نے یکساں پائے۔ زبانِ نبوی ﷺ سے کسی کی شان میں جو کچھ صادر ہونا تھا فقط اُسی عرصہ میں ہی ہونا تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ اُن انتیس ماہ میں معاویہ کی شان میں احادیث کا انبار لگ گیا اور اُس کے لیے ہر وہ شان نکل آئی جو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سمیت سابقون اولون میں سے کسی بھی صحابی کی احادیثِ صحیحہ میں بیان ہوئی، بلکہ بعض باتوں میں اُسے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھا کر دِکھلانے کی کوشش کی گئی، جیسا کہ آگے کچھ مثالیں آئیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اِس قدر کثیر فضائل کی آخر وجہ کیا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی عالم، محدث، فقیہ، مستنبط اور عقل مند آدمی اس کی کوئی معقول وجہ بتا کر ہمیں شکریہ کا موقع عطا فرمائے گا؟

احادیثِ فضائلِ معاویہ میں دوسرا گروہ

اہل تحقیق محدثین کرام میں سے اکثر نے امام اسحاق بن راھویہ کی تحقیق سے قولاً اتفاق کیا ہے اور کچھ نے

سکوتاً اتفاق کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ کے باقی تمام محدثین کا شانِ معاویہ میں کوئی واضح حدیث نہ لا نا یا نہ لاسکنا اس سکوتی اتفاق کی روشن دلیل ہے۔ اِن کے برعکس بعض محدثین فضائل معاویہ میں احادیثِ موضوعہ کی کثرت کے سامنے مرعوب ہو گئے تو گومگو کی کیفیت کے ساتھ دو تین احادیث کو کسی نہ کسی کھاتے میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے، جیسا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، لیکن یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔ ان شاء اللہ ہم اس غلط فہمی پر مفصل گفتگو کریں گے۔

از خود فضائل بنانے کا طریقہ

دورِ حاضر میں حدیث وضع کرنا اور گھڑنا ممکن نہیں رہا کیونکہ اتنا لمبی سند لانا مشکل ہے، اس لیے کچھ لوگ پہلے سے وضع کردہ باطل روایات کو زبردستی قابل قبول بنا کر اپنا رانجھا راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر کسی صحیح اور موضوع روایت سے ذاتی اٹکل پچو سے فضیلت بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فضائل معاویہ پر جو کتاب لکھی ہے اُس میں یہ دونوں طریقے موجود ہیں۔ اُنہوں نے اپنی کتاب میں فضائل معاویہ میں جو اولین عنوان قائم کیا ہے اُس میں یہ دونوں باتیں جمع ہیں، یعنی اُنہوں نے جس حدیث سے فضیلت مستنبط کرنے کی کوشش کی ہے وہ حدیث موضوع و باطل بھی ہے اور اُس سے جو فضیلت اخذ کی گئی ہے وہ بھی مصنوعی اور جعلی ہے۔ تفصیل درجِ ذیل عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حلم ہو تو ایسا

امیر اہل سنت ''حلم ہو تو ایسا'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

> ''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قبولِ اسلام کے لیے لوگ جوق در جوق حاضر ہوا کرتے۔ ایک دن یمنی بادشاہوں کی اولاد سے حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں قبول اسلام کے لیے حاضر ہوئے تو اُنہیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن پہلے ہی تمہارے آنے کی بشارت ارشاد فرمادی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر بیحد شفقت فرمائی، ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی، اپنے قریب بٹھایا، منبر اقدس پر ان کے لیے تعریفی کلمات ارشاد فرمائے، برکت کی دعا فرمائی اور ان

کے قیام کے لیے مکان کی نشاندہی کا کام ایک قریشی نوجوان کے سپرد فرمایا (اتفاق سے یہ قریشی نوجوان بھی ایک سردار مکہ کا فرزند تھا لیکن درسگاہِ نبوت سے فیض یاب ہونے اور صحبتِ مصطفیٰ سے اخلاق وآداب سیکھنے کی برکت سے اس کے مزاج میں ذرہ بھی سرداروں والی بات نہ تھی) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم پاتے ہی وہ نوجوان فوراً حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ چل دیا۔ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹنی پر سوار تھے جبکہ وہ قریشی نوجوان ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چونکہ گرمی شدید تھی اس لیے کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد اس قریشی نوجوان نے حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ''گرمی بہت شدید ہے، اب میرے پاؤں اندر سے بھی جلنے لگے ہیں۔ آپ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیجیے۔ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف انکار کر دیا۔ قریشی نوجوان نے کہا: کم از کم اپنے جوتے ہی پہننے کے لیے دے دیجیے تاکہ میں گرمی سے بچ سکوں۔ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کا لباس پہن سکیں۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میری اُونٹنی کے سائے میں چلتے رہو۔ یہ سن کر قریشی نوجوان نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کیا اور زبان سے بھی جوابی کاروائی نہ کی۔ وقت گزرتا گیا اور وہ نوجوان پورے ملکِ شام کا گورنر بن گیا۔ ایک بار حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قریشی نواجون کے پاس آئے جو کہ اب گورنر بن چکا تھا۔ تو وہ قریشی نوجوان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نہایت احترام سے پیش آیا اور ماضی کے اس واقعہ کا بدلہ لینے کی بجائے حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور فرمایا: میرا تخت بہتر ہے یا آپ کی اُونٹنی کی کوہان؟ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میں اس وقت نیا نیا مسلمان ہوا تھا اور جاہلیت کا رواج وہی تھا جو میں نے کیا۔ اب اللہ عزوجل نے ہمیں اسلام سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ نے جو کیا ہے وہی اسلام کا طریقہ ہے۔ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قریشی جوان کے رویے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے فرمایا: کاش میں نے انہیں اپنے آگے سوار کیا ہوتا۔'' معجم صغیر من اسمہ یحییٰ، ۲/۱۴۳، مسند بزار، مسند وائل بن حجر ۱۰/۳۴۵، تاریخ المدینۃ المنورۃ، وفد وائل حجر الحضرمی،

۲/ ۵۷۹، الاصابة، وائل بن حجر ٦/ ٤٦٢، رقم: ٩١٢٠ ملخصاً۔

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ تکلیف برداشت کرنے کے باوجود حسنِ سلوک سے پیش آنے والے یہ بُردبار قریشی نوجوان کون تھے؟ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور کاتبِ وحی حضرت سیدنا امیرِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے"۔

(فیضانِ امیر معاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، ص ۱۱، ۱٤)

افسوس کہ یہ روایت سنداً اور متناً دونوں صورتوں میں موضوع و باطل ہے۔

حدیثِ مذکور کا سنداً موضوع ہونا

یہ حدیث سنداً اس لیے باطل ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن حجر ہے، حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

لَهُ مَنَاكِيرُ،.....قَالَ أَبُوْ أَحْمَدَ الْحَاكِمُ : لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ.

"اس کی روایات منکَر (قابلِ اعتراض) ہیں،.....امام ابو احمد حاکم نے کہا: یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے"۔

(لسان المیزان ج۷ ص۵۷، ۵۸ رقم الترجمة: ٦٦٣٣)

یہ الفاظ اُس "المعجم الصغیر" کے حاشیہ میں بھی موجود ہیں جس کا حوالہ موصوف نے دیا ہے، اور "لَهُ مَنَاكِيرُ" کے الفاظ امام ذہبی نے لکھے ہیں اور حافظ نے اُنہیں مقرر رکھا ہے۔

(میزان الاعتدال ج٦ ص١٠٤؛ المغني في الضعفاء للذهبي ج٢ ص١٧٧)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ حُجْرِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ الْحَضْرَمِيُّ أَبُوْ جَعْفَرٍ الْكِنْدِيُّ كُوْفِيٌّ، فِيْهِ نَظَرٌ . سَمِعَ عَمَّهُ سَعِيْدَ بْنَ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ أَبِيْهِ ، قَالَ لِيْ ابْنُ حُجْرٍ وَوَلَدَ عَبْدُ الْجَبَّارِ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيْهِ بِسِتَّةِ أَشْهُرٍ . وَقَالَ فِطْرٌ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ سَمِعْتُ أَبِيْ ، وَلَا يَصِحُّ.

"محمد بن حجر بن عبد الجبار بن وائل بن حجر حضرمی ابو جعفر کندی کوفی میں نظر ہے۔ اس نے

اپنے چچا سعید بن عبدالجبار عن ابیہ [اپنے باپ یعنی وائل] سے سنا۔ مجھے ابن حجر نے بیان کیا: عبدالجبار اپنے باپ کی موت سے چھ ماہ بعد پیدا ہوا۔ اور وہ جو فطر نے ابواسحاق سے عبدالجبار کے متعلق نقل کیا کہ اُس نے کہا "سَمِعْتُ أَبِيْ" (میں نے اپنے باپ سے سنا) تو یہ صحیح نہیں"۔

(التاريخ الكبير للبخاري ج١ ص٦٩ رقم الترجمة ١٦٤)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ محمد بن حجر نے اپنے چچا سعید سے سننے کا قول کیا، سعید کا کہنا ہے کہ اُس نے اپنے باپ عبدالجبار سے سماعت کی، اور جبار کا دعویٰ ہے کہ اُس نے اپنے والد وائل بن حجر سے سنا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: جبار تو اپنے باپ وائل کی وفات سے بھی چھ ماہ بعد پیدا ہوا تو اُس نے اپنی ولادت سے قبل کیسے سن لیا؟

قولِ بخاریؒ "فِيْهِ نَظَرٌ" کا مطلب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں محمد بن حجر کے بارے میں جو "فِيْهِ نَظَرٌ" (اُس میں نظر ہے) آیا ہے، اس سے امام بخاری کی کیا مراد ہے؟ علماء اصول حدیث فرماتے ہیں: اس سے امام بخاری اُس شخص کے متروک اور جھوٹے ہونے کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی عبداللہ بن داود الواسطی کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ الْبُخَارِيُّ : فِيْهِ نَظَرٌ ، وَلَا يَقُوْلُ هٰذَا إِلَّا فِيْمَنْ يَتَّهِمُهُ غَالِبًا.

"امام بخاری نے اُس کے بارے میں کہا: اُس میں نظر ہے، اور یہ وہ اکثر ایسے شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو جھوٹ میں ملوث ہو"۔

(ميزان الاعتدال ج٤ ص٩٢)

ایک اور مقام میں امام ذہبی لکھتے ہیں:

فَهُوَ عِنْدَهُ أَسْوَأُ حَالًا مِنَ الضَّعِيْفِ.

"ایسا شخص امام بخاری کے نزدیک ضعیف سے زیادہ برا ہوتا ہے"۔

(الموقظة في علم مصطلح الحديث ص٨٣)

نیز امام ذہبی نے عثمان بن فائد کے حالات میں بھی امام بخاری سے "فِيْهِ نَظَرٌ" نقل کیا ہے اور پھر اُس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

قُلْتُ : الْمُتَّهَمُ بِوَضْعِ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ عُثْمَانُ ، وَقَلَّ أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ رَجُلٌ فِيْهِ نَظَرٌ إِلَّا وَهُوَ مُتَّهَمٌ.

''میں کہتا ہوں: عثمان بن فائد ان احادیث کے گھڑنے میں ملوث ہے، امام بخاری اکثر جس شخص کے بارے میں ''فِيْهِ نَظَرٌ'' کہتے ہیں تو وہ متہم (حدیث میں جھوٹا) ہوتا ہے''۔

(ميزان الاعتدال ج٥ ص٦٦)

امام زین الدین عبدالرحیم عراقی اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

وَفُلَانٌ فِيْهِ نَظَرٌ ، وَفُلَانٌ سَكَتُوْا عَنْهُ ، وَهَاتَانِ الْعِبَارَتَانِ يَقُوْلُهُمَا الْبُخَارِيُّ فِيْمَنْ تَرَكُوْا حَدِيْثَهُ.

''فلاں میں نظر ہے اور فلاں سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے، یہ دونوں باتیں امام بخاری اُس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس کی حدیث کو محدثین نے ترک کر دیا ہو''۔

(التبصرة والتذكرة شرح ألفية العراقي ج٢ ص١١؛ فتح المغيث بشرح ألفية الحديث ج٢ ص٢٩٠)

امام بخاری کی مختصر عبارت میں جو کچھ کہا گیا اسی بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ حُجْرِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرِ الْحَضْرَمِيُّ الْكِنْدِيُّ كُوْفِيٌّ ، كُنْيَتُهُ أَبُوْ جَعْفَرٍ ، مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ ، يَرْوِيْ عَنْ عَمِّهِ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ أَبِيْهِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ أَبِيْهِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ بِنُسْخَةٍ مُنْكَرَةٍ ، مِنْهَا أَشْيَاءُ لَهَا أُصُوْلٌ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَيْسَتْ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ، وَمِنْهَا أَشْيَاءُ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ مُخْتَصَرَةٌ جَاءَ بِهَا عَلَى التَّقَصِّيْ وَأَفْرَطَ فِيْهَا، وَمِنْهَا أَشْيَاءُ مَوْضُوْعَةٌ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، لَا يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ ، وَأَمَّا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ فَإِنَّهُ وَلَدَ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيْهِ بِسِتَّةِ أَشْهُرٍ ، مَاتَ وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ وَأُمُّ عَبْدِ الْجَبَّارِ حَامِلٌ بِهِ ، وَهٰذَا ضَرْبٌ مِنَ الْمُنْقَطِعِ الَّذِيْ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ.

''محمد بن حجر بن عبدالجبار بن وائل بن حجر حضرمی کندی کوفی، اس کی کنیت ابوجعفر ہے، یہ

کوفہ کا باشندہ ہے۔ یہ اپنے چچا سعید بن عبدالجبار سے روایت کرتا ہے، عبدالجبار اپنے باپ وائل بن حجر سے ایک غیر معتبر نسخہ سے روایت کرتا ہے۔ اُس نسخہ کی کچھ باتوں کی اصل حدیث رسول ﷺ کے طور پر ملتی ہے لیکن وائل بن حجر کی سند سے نہیں، اور اس سے بعض مختصر چیزیں وائل بن حجر کے حوالہ سے بھی ملتی ہیں، جنہیں وہ افسانے کے طور پر لایا ہے اور اُن میں افراط سے کام لیا ہے، اور اُس نسخہ کی کچھ چیزیں جعلی ہیں، کلام نبوی ﷺ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں، اُن سے دلیل لینا جائز نہیں ہے۔ باقی رہا عبدالجبار بن وائل کا معاملہ تو وہ اپنے باپ کی وفات سے چھ ماہ بعد پیدا ہوا، وائل بن حجر کی وفات ہو چکی تھی اور عبدالجبار اپنی والدہ کے شکم میں تھا، لہٰذا اُس کی حدیث منقطع کی قسم سے ہے جس سے دلیل قائم نہیں ہوتی''۔

(كتاب المجروحين لابن حبان ج٢ ص٢٧٣، وط: ج ٢ ص ٢٨٤)

موصوف نے ''**المعجم الصغير**'' سے جو حدیث نقل کی ہے اُس کی سند بھی یہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حَدَّثَنَا أَبُوْهِنْدٍ يَحْيىٰ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُجْرِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرِ الْحَضَرَمِيُّ الْكُوْفِيُّ، حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ مُحَمَّدُ بْنُ حُجْرِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ، حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ أَبِيْهِ ......

(المعجم الصغير للطبراني ج٢ ص١٤٣)

اب آپ خود اندازہ فرما لیجئے کہ اُن کی نقل کردہ حدیث سنداً کس پائے کی ہے۔

میٹھا ہپ ہپ، کڑوا تھو تھو

آپ نے دیکھا کہ یہ حدیث سنداً موضوع ہے، اور ہمارے نزدیک یہ متن کے لحاظ سے بھی موضوع ہے۔ امام ابن حبان کے تجزیہ کے مطابق اس میں محمد بن حجر کچھ چیزیں وائل بن حجر سے بھی لائے ہیں اور کچھ باتیں افسانوی طور بھی پر لائے ہیں، یعنی یہ جھوٹ و سچ کا مجموعہ ہے۔ امیر اہل سنت نے اس روایت کے اندراج میں جس کتاب پر زیادہ اعتماد کیا وہ وہی کتاب ہے جس کا اُنہوں نے سب سے پہلے حوالہ درج کیا ہے، اور اُنہوں نے جتنا طویل روایت نقل کی ہے اس قدر طوالت بھی اُن کی درج کردہ کتب میں سے فقط اُسی کتاب یعنی ''**المعجم الصغير**'' میں ہے، چونکہ اُنہوں نے اس کتاب کے حوالہ سے بھی اس حدیث کو قابلِ استدلال مانا ہے، لہٰذا ہمارا اُن

سے سوال ہے کہ وہ اس حدیث کو مکمل تسلیم کرتے ہیں یا ''میٹھا ہپ ہپ، اور کڑوا تھوتھو'' والے معاملہ کے مطابق ﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قارئین کرام! ''المعجم الصغیر'' میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ وائل بن حجر از خود دربارِ معاویہ میں آئے تھے بلکہ یہ مذکور ہے کہ اُنہیں معاویہ نے اپنے دربار میں طلب کیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اس طلبی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ اگر وہ یہ ذکر کرتے تو اس حدیث سے فضیلتِ معاویہ نہیں بلکہ مذمتِ معاویہ نکلتی۔ آیئے! جن بعض جملوں سے اُنہوں نے صرفِ نظر کیا ہے ذرا اُن جملوں کو بھی غور سے پڑھ لیجئے:

فَلَمَّا مَلَكَ مُعَاوِيَةُ بَعَثَ رَجُلاً مِّنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ بُسْرُ بْنُ أَبِيْ أَرْطَاةَ، فَقَالَ لَهُ قَدْ ضَمَمْتُ إِلَيْكَ النَّاحِيَةَ فَاخْرُجْ بِجَيْشِكَ، فَإِذَا تَخَلَّفْتَ أَفْوَاهَ الشَّامِ فَضَعْ سَيْفَكَ فَاقْتُلْ مَنْ أَبىٰ بَيْعَتِيْ حَتىٰ تَصِيْرَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، ثُمَّ ادْخُلِ الْمَدِيْنَةَ فَاقْتُلْ مَنْ أَبىٰ بَيْعَتِيْ، ثُمَّ اخْرُجْ إِلىٰ حَضَرَ مَوْتَ فَاقْتُلْ مَنْ أَبىٰ بَيْعَتِيْ، وَإِنْ أَصَبْتَ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ فَأْتِنِيْ بِهِ، فَفَعَلَ وَأَصَابَ وَائِلاً حَيًّا فَجَاءَ بِهِ إِلَيْهِ، فَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ أَنْ يَّتَلَقَا [يتلقى] وَأَذِنَ لَهُ.

''پھر جب معاویہ بادشاہ ہوئے تو اُنہوں نے ایک قریشی شخص کو بھیجا جسے بسر بن ابی ارطاۃ کہا جاتا تھا۔ اُس کو کہا: میں تمہیں ایک علاقہ دیتا ہوں، سو تم اپنے لشکر کے ساتھ نکلو، پھر جب تم ملک شام سے باہر نکل جاؤ تو تلوار نکال لینا، سو جو شخص بھی میری بیعت سے انکار کرے تو اُس کو قتل کر دینا حتیٰ کہ مدینہ پہنچو، پھر جب مدینہ میں داخل ہونا تو اُس شخص کو قتل کر دینا جو میری بیعت کا انکار کرے۔ پھر حضر موت کا رُخ کرنا، سو وہاں ہر اُس شخص کو قتل کر دینا جو میری بیعت کا انکار کرے، اور اگر تم وائل بن حجر کو پاؤ تو اُسے میرے پاس لانا، پس بسر نے حکم کی تعمیل کی اور اُس نے وائل کو زندہ پایا تو اُسے معاویہ کے دربار میں لایا، پھر معاویہ نے اُس سے ملاقات کا حکم دیا تو اُسے ملاقات کی اجازت دی گئی''۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۴۵)

اس کے بعد جو ہوا اُس کا ترجمہ موصوف نے یوں کیا ہے:

''حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور فرمایا: میرا

تخت بہتر ہے یا آپ کی اُونٹنی کی کوہان؟ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میں اس وقت نیا نیا مسلمان ہوا تھا اور جاہلیت کا رواج وہی تھا جو میں نے کیا۔ اب اللہ ﷻ نے ہمیں اسلام سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ نے جو کیا ہے وہی اسلام کا طریقہ ہے"۔

(فیضان امیر معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۳)

ہر چند کہ ہمارا اعتماد اس روایت پر نہیں ہے، چونکہ یہ جھوٹ و سچ کا مجموعہ ہے، لیکن دوسری روایات سے ثابت ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ نے معاویہ کے حکم کے مطابق بیعتِ معاویہ کے منکرین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محبین کو تہ تیغ کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ محدثین و مؤرخین سب نے اس بسر بن ابی ارطاۃ کو اُس کے صحابی ہونے کے باوجود برا شخص کہا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل "ہادی مہدی اور قتلِ ناحق" کے عنوان کے تحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جب حضرموت کے علاقہ میں بیعتِ معاویہ کے منکرین کو تہ تیغ کر دیا گیا اور پھر اُس بھیانک ماحول سے نکال کر وائل بن حجر کو بسر بن ابی ارطاۃ اپنے ساتھ زندہ لایا اور دربارِ معاویہ میں پیش کر دیا تو اس میں وائل بن حجر کی تعظیم ہے یا توہین؟ پھر اُنہیں اپنے تخت پر بٹھا کر ۳۲ یا ۳۰ سال قبل کا واقعہ یاد کراتے ہوئے کہنا: میرا تخت اچھا ہے یا تمہاری اونٹنی کی کوہان؟ کیا یہ سوال تواضع پر مبنی ہے؟ نہیں بلکہ اس میں تکبر ہے، یہی وجہ ہے کہ وائل بن حجر اس پر شرمندہ ہوئے اور اُنہیں لمبی چوڑی وضاحت کرنا پڑی۔ حلم و تدبر کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ازخود دربارِ معاویہ میں بھی آتے تو اُن سے یہ سوال کیا جاتا اور نہ ہی اُنہیں وہ واقعہ یاد کرایا جاتا، جس کا اثر یہ ہوتا کہ وہ خود دِل ہی دِل میں شرمندہ ہو جاتے اور بعد میں لوگوں کی مجالس میں بیان کرتے پھرتے کہ کیسا حلیم شخص ہے کہ میں نے اُس کے ساتھ وہ سلوک کیا تھا لیکن اُس نے اُلٹا میری تعظیم کی اور میری زیادتی کو زبان پر بھی نہ لائے!

یہاں ایک سوال یہ بھی ہے کہ موصوف نے کہا: میرا تخت اچھا ہے یا تمہاری اونٹنی کی کوہان؟ کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان سے قبل نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی تخت کا تصور تھا؟

کیا بیعت کے منکر کو قتل کیا جا سکتا ہے؟

اس حدیث میں ہے کہ معاویہ نے ازخود شہروں کی طرف مسلح لشکر بھیجا اور اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ جو میری بیعت سے انکار کرے اُس کو قتل کر دینا۔ یہ کس شریعت میں ہے کہ جو شخص بیعت نہ کرے اُس کو قتل کر دو۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار رضی اللہ عنہم کے سردار تھے، اُنہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی بیعت نہیں کی تھی تو کیا

شیخین کریمین رضی اللہ عنہمانے اُنہیں قتل کرادیا تھا؟ شریعت میں بیعت سے انکار کرنے والے فردِ واحد کو قتل کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے، ہاں البتہ کہیں سے کوئی منظم بغاوت سر اُٹھائے تو اُس بغاوت کو کچلنے اور باغیوں کو حق کی طرف لانے کے لیے قرآن مجید میں قتال کا باقاعدہ حکم آیا ہے۔ معاویہ اگر سیدنا علی ﷺ کی حیات ہی میں خلیفۂ برحق تھا تو اُس کا کسی منظم شورش کے بغیر لوگوں کو قتل کر دینے کا آرڈر کرنا کس شریعت کے مطابق تھا؟

روایتِ مذکورہ کے دوسرے جملے

مذکورہ بالا جملوں کے علاوہ اِس حدیث کے کچھ اور جملے بھی ہیں جنہیں موصوف نے حذف کر دیا ہے، آیئے! ذرا اُنہیں بھی پڑھ لیجئے۔ جہاں اُن جملوں کے مطالعہ سے اس حدیث کا موضوع ہونا عیاں ہوگا وہیں اس حدیث کو قابل استدلال سمجھنے والوں کی خیانت کا پول بھی کھل جائے گا۔ چنانچہ جب وائل بن حجر نے اپنی معذرت پیش کر لی تو معاویہ نے اُن سے کہا:

فَمَا مَنَعَکَ مِنْ نَصْرِنَا ، وَقَدِ اتَّخَذَکَ عُثْمَانُ ثِقَةً وَّصِهْرًا ، قُلْتُ : إِنَّکَ قَاتَلْتَ رَجُلاً هُوَ أَحَقُّ بِعُثْمَانَ مِنْکَ ، قَالَ : وَکَیْفَ یَکُوْنُ أَحَقُّ بِعُثْمَانَ مِنِّیْ، وَأَنَا أَقْرَبُ إِلیٰ عُثْمَانَ فِی النَّسَبِ ؟ قُلْتُ : إِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ آخٰی بَیْنَ عَلِیٍّ وَ عُثْمَانَ ، فَالْأَخُ أَوْلیٰ مِنِ ابْنِ الْعَمِّ ، وَلَسْتُ أُقَاتِلُ الْمُهَاجِرِیْنَ ، قَالَ : أَوَلَسْنَا مُهَاجِرِیْنَ ؟ قُلْتُ : أَوَلَسْنَا قَدِ اعْتَزَلْنَاکُمَا جَمِیْعًا ؟ وَحُجَّةٌ أُخْریٰ ، حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ رَفَعَ رَأْسَهٗ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَقَدْ حَضَرَهٗ جَمْعٌ کَثِیْرٌ ثُمَّ رَدَّ إِلَیْهِ بَصَرَهٗ ، فَقَالَ: أَتَتْکُمُ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ ، فَشَدَّدَ أَمْرَهَا وَعَجَّلَهٗ وَقَبَّحَهٗ، فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ بَیْنِ الْقَوْمِ : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا الْفِتَنُ ؟ فَقَالَ: یَاوَائِلُ! إِذَا اخْتَلَفَ سَیْفَانِ فِی الْإِسْلَامِ فَاعْتَزِلْهُمَا ، فَقَالَ : أَصْبَحْتَ شِیْعِیًّا ؟ قُلْتُ : لَا وَلٰکِنِّیْ أَصْبَحْتُ نَاصِحًا لِلْمُسْلِمِیْنَ ، فَقَالَ مُعَاوِیَةُ : لَوْسَمِعْتُ ذَا وَعَلِمْتُهٗ مَا أَقْدَمْتُکَ. قُلْتُ : أَوَلَیْسَ قَدْ رَأَیْتَ مَا صَنَعَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ عِنْدَ مَقْتَلِ عُثْمَانَ ، اِنْتَهٰی بِسَیْفِهٖ إِلیٰ صَخْرَةٍ فَضَرَبَهٗ حَتّٰی انْکَسَرَ . فَقَالَ : أُولٰئِکَ قَوْمٌ یَحْمِلُوْنَ عَلَیْنَا، فَقُلْتُ : فَکَیْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ أَحَبَّ الْأَنْصَارَ فَبِحُبِّیْ ، وَمَنْ

أَبْغَضَ الأَنْصَارَ فَبِبُغْضِي.

''تمہیں ہماری مدد کرنے سے کس چیز نے روکا، حالانکہ سیدنا عثمان ﷺ نے تمہیں معتبر ومعزز ٹھہرایا تھا؟ میں نے کہا: آپ نے ایسے شخص کے ساتھ قتال کیا ہے جو آپ سے بڑھ کر عثمان کا حق دار ہے۔ معاویہ نے کہا: وہ کیسے مجھ سے بڑھ کر عثمان کا حق دار ہے حالانکہ نسباً میں عثمان کا زیادہ قریبی ہوں؟ میں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی اور عثمان کے مابین مواخات فرمائی تھی اور بھائی چچازاد سے زیادہ مقرب ہوتا ہے، اور پھر میں مہاجرین کے خلاف جنگ بھی نہیں کرتا۔ معاویہ نے کہا: کیا ہم مہاجر نہیں ہیں؟ میں نے کہا: تو یہ بہتر نہیں کہ ہم تم دونوں کو تمہارے حال پر چھوڑ دیں۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے اپنا سر اقدس مشرق کی طرف بلند کر رکھا تھا اور لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا، پھر آپ نے اپنی نگاہ مبارک جھکاتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم پر اندھیری رات کی مانند فتنے آئیں گے، پھر آپ نے اُن کی شدت وسرعت بیان کی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ پوری قوم میں سے میں نے سوال کیا: یارسول اللہ! وہ کیسے فتنے ہوں گے؟ فرمایا: اے وائل جب تم اسلام میں دو تلواروں کو ٹکراتا دیکھو تو اُن سے کنارہ کش ہو جانا۔ اس پر معاویہ نے کہا: کیا تم شیعی ہو گئے؟ میں نے کہا: نہیں لیکن میں مسلمانوں کی خیر خواہی چاہتا ہوں۔ معاویہ نے کہا: میں نے تمہارا یہ خیال سنا ہوتا اور اس سے آگاہ ہوا ہوتا تو تمہیں بلاتا ہی نہ۔ میں نے کہا: کیا آپ نے سیدنا عثمان کی شہادت کے وقت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری ﷺ کو نہیں دیکھا تھا کہ وہ اپنی تلوار کو اُٹھا کر ایک چٹان کی طرف بڑھے اور اُس پر مار کر اُسے توڑ دیا تھا؟ اس پر معاویہ نے کہا: اس (انصار) قوم نے ہمارے خلاف جنگ کی ہے۔ میں نے کہا: پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا کریں کہ آپ نے فرمایا تھا: جس نے انصار ﷺ سے محبت کی تو مجھ سے محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے انصار ﷺ سے بغض رکھا تو اُس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا''۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱٤٥، ١٤٦)

جو لوگ اس روایت کو صحیح یا قابلِ استدلال گردانتے ہیں، اُن سے چند سوال ہیں:

۱۔ کیا سیدنا علی وعثمان رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات کا قول صحیح ہے؟

ممکن ہے کہ ہمارے امیر اہلِ سنت اِس مواخات کوثابت کرڈالیں، کیونکہ اُنہیں مواخاتِ مصطفیٰ ومرتضیٰ علیہما الصلاۃ والسلام کھٹکتی ہے۔

۲۔ کیامعاویہ مہاجرین میں سے تھے؟

۳۔ کیامعاویہ کی حمایت نہ کرنے کانام شیعیت ہے؟

۴۔ معاویہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کواپنے ہاں کیوں بلایاتھا،اور پھر بلانے پر پچھتائے کیوں تھے؟

۵۔ معاویہ،انصار رضی اللہ عنہم کواپنادشمن کیوں سمجھتے تھے،کس جنگ میں انصار رضی اللہ عنہم نے ان پرحملہ کیاتھا؟

قارئین کرام!شاید امیر اہلِ سنت ٹس سے مس نہ ہوں،کیونکہ حاطب اللیل قسم کے لوگوں کے نزدیک ہر لکھی ہوئی بات قابلِ قبول ہوتی ہے۔چنانچہ اِنہوں نے اپنی کتاب کے سب ٹائٹل سے قبل یہ تولکھاہے:

’’**کتاب کے خریدار متوجه هوں:** کتاب کی طباعت میں نمایاں خرابی ہویاصفحات کم ہوں یابائنڈنگ میں آگے پیچھے ہوگئے ہوں تومکتبۃ المدینہ سے رجوع فرمائیں‘‘۔

مگرانہیں یہ لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ اُن سے اگرکوئی غلطی ہوگئی ہوتواُس سے آگاہ کریں،حالانکہ اِن کی یہ کتاب منقولی مواد کے لحاظ سے نوے فیصد موضوع روایات اور باطل تاویلات پرمبنی ہے۔تاہم انصاف پسند قارئین کرام سے ہمیں امید ہیں کہ اگراُنہوں نے اس طویل روایت کی مفصل تردید کوغور سے پڑھاتوجہاں اُن پر اس روایت کاموضوع وباطل ہوناعیاں ہوگا،وہیں اُن پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوجائے گی کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی توتب بھی امیر اہلِ سنت نے جواس سے استدلال کیاہے’’حلم ہوتوایسا‘‘بہرحال باطل ہے۔

حقیقتِ حلم

حلیم کامعنیٰ ہے:بردباراور پروقار،جبکہ آپ بحوالہ بخاری پڑھ چکے ہیں کہ موصوف ایک مجلس میں خواہ مخواہ سیدناعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پربرس پڑے اور کہنے لگے:ہم اُس سے اوراُس کے باپ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں،اورسیدناابن عمر رضی اللہ عنہ اُس حلیم کے سامنے ازراہِ خوف لب کشائی نہ کرسکے۔کیااسی کانام حلم ہے؟نیزاسی حلیم کے سامنے احنف بن قیس کوکہناپڑاتھا:سچ بولیں توتمہاراخوف اورجھوٹ بولیں توربّ کاخوف۔کیاکسی واقعی اورحقیقی حلیم کے سامنے سچ بولنا بھی دشوارہوتاہے؟

حلمِ معاویہ میں حدیث توقطعاً کوئی بھی نہیں ہے،لیکن آثارواقوال ہیں اوراُن میں اکثرموضوع ہیں اور

قیل وقال سے تو کوئی بھی قول خالی نہیں ہے۔ پھر جو کچھ حلم نظر آتا تھا وہ بھی سب مصنوعی اور بتکلف تھا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ اُن سے خود اس مصنوعی پن کا اظہار بھی ہو گیا تھا۔ وہ مدینہ منورہ گئے تو اُن کے سامنے سیدنا عثمان غنی ﷺ کی بیٹی رونے لگی اور شکایت کرنے لگی تو اُنہوں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

يَا بِنْتَ أَخِيْ ! إِنَ النَّاسَ أَعْطَوْنَا سُلْطَانًا فَأَظْهَرْنَا لَهُمْ حِلْمًا تَحْتَهُ غَضَبٌ، وَأَظْهَرُوْا لَنَا طَاعَةً تَحْتَهَا حِقْدٌ ، فَبِعْنَاهُمْ هٰذَا بِهٰذَا......

''بھتیجی! لوگوں نے ہمیں حکومت دی تو ہم نے اُن کے لیے وہ حلم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غضب ہے اور اُنہوں نے ہمارے لیے اطاعت ظاہر کی ہے جس کے نیچے کینہ ہے، سو ہم نے اُن کے ساتھ اس کا سودا اُس کے ساتھ کیا ہے......''۔

(البداية والنهاية ج٨ص ١٩٢؛ مختصر تاريخ دمشق ج٢٥ص ٤٦)

اموی غلام ابن ابی الدنیا نے ''**حلم معاوية**'' کے نام سے مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، اُس میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے حقیقی حلم عیاں ہوتا ہو، ہر واقعہ کے آخر سے مصنوعیت ٹپک رہی ہے۔ بھلا وہ شخص حلیم کیونکر ہو سکتا ہے جو سیدنا عثمان غنی ﷺ کو مقتول دیکھنا چاہتا تھا، جس نے سیدنا حجر بن عدی ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کو ناحق قتل کرا دیا، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، اور جو قرآنِ ناطق اور سراپا ہدایت ہستی کے ساتھ محض حصولِ اقتدار کی خاطر برسرِ پیکار ہوا؟ حلم کا یہ ایسا پروپیگنڈا ہے جو تب سے اب تک چلایا جا رہا ہے۔ اس کو پروپیگنڈا فقط میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ اُس دور میں بھی بعض نباض لوگ اس کی مصنوعیت کو بھانپ گئے تھے۔ چنانچہ امام ابن عساکر شامی اور حافظ ابن کثیر شامی لکھتے ہیں:

ذَكَرَ قَوْمٌ مُعَاوِيَةَ عِنْدَ شَرِيْكٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : كَانَ حَلِيْمًا ؟ فَقَالَ: لَيْسَ بِحَلِيْمٍ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَقَاتَلَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ.

''ایک قوم نے قاضی شریک کی مجلس میں معاویہ کا ذکر کیا تو ایک شخص نے کہا: وہ حلیم تھے؟ اُنہوں نے فرمایا: وہ حلیم نہیں جس نے حق کو نہ پہچانا اور سیدنا علی بن ابی طالب ﷺ سے جنگ کی''۔

(مختصر تاريخ دمشق ج٢٥ص ٣٨؛ أنساب الأشراف ج٥ص ١٣٧؛ البداية والنهاية ج١١ص ٤٢٧؛ وط: قطر ج٨ص ١٨٨؛ العلم الشامخ ص ٣١٤)

علامہ بلاذری امامِ اعظم ابوحنیفہ کے شیخ امام اعمش ﷺ کا قول سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذُكِرَ مُعَاوِيَةُ عِنْدَ الْأَعْمَشِ فَقَالُوْا : كَانَ حَلِيْمًا ، فَقَالَ الْأَعْمَشُ : كَيْفَ يَكُوْنُ حَلِيْمًا وَقَدْ قَاتَلَ عَلِيًّا وَطَلَبَ -زَعَمَ- بِدَمِ عُثْمَانَ مَنْ لَمْ يَقْتُلْهُ ، وَمَا هُوَ وَدَمُ عُثْمَانَ ؟ وَغَيْرُهُ كَانَ أَوْلٰى بِعُثْمَانَ مِنْهُ.

''امام اعمش ؒ کی مجلس میں معاویہ کا ذکر کیا گیا تو لوگوں نے کہا: وہ حلیم تھے۔ امام اعمش ؒ نے فرمایا: وہ کیسے حلیم ہو گئے جبکہ اُنہوں نے سیدنا علی ؓ کے ساتھ جنگ کی اور اُس شخص سے قصاصِ عثمان ؓ کے مطالبہ کا ڈھونگ رچایا جس نے اُنہیں قتل نہیں کیا۔ بھلا وہ اور قصاصِ عثمان؟ دوسرے لوگ اُن سے زیادہ حضرت عثمان ؓ کے حق دار تھے''۔

(أنساب الأشراف ج٥ ص١٣٧)

بسر بن ابی ارطاۃ صحابی کے مظالم

اب آیئے! ذرا اُس شخص کے حالات کا جائزہ بھی لے لیجئے جس کے مظالم کا خود اُس روایت میں بھی ذکر ہے جس سے کتاب ''فیضان امیر معاویہ'' میں ''حلم ہو تو ایسا'' کے عنوان سے حلم معاویہ ثابت کرنے کی باطل کوشش کی گئی۔ اِس شخص کے حالات کا کافی مطالعہ کرنے کے بعد جو کچھ میرے علم میں آیا اُس کا خلاصہ یہ ہے:

اس شخص کا شمار صحابہ میں کیا جاتا ہے، یہ شخص انتہائی سنگ دل، سفاک اور ظالم تھا۔ معاویہ کا گورنر تھا، اس شخص کو سیدنا علی ؓ کی خلافت کے دور ہی میں اُن علاقوں میں بھیجا گیا جہاں کے لوگ سیدنا علی ؓ کی خلافت واطاعت پر قائم تھے، تاکہ اُنہیں سبق سکھایا جائے۔ اس کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: اہل مدینہ کے مطابق اس سے نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث منقول نہیں ہے، اور اہل شام کہتے ہیں کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے احادیث کی سماعت کی ہے۔

بسر صحابی تھا مگر برا آدمی تھا

بسر صحابی بھی تھا تو برا آدمی تھا۔ چنانچہ امام ابن معین اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں:

كَانَ بُسْرُ بْنُ أَبِيْ أَرْطَاةَ رَجُلٌ سُوْءٌ[رَجُلًا سُوْءًا].

''بسر بن ابی ارطاۃ برا شخص تھا''

(یحییٰ بن معین وکتابه التاریخ ج٢ ص٥٨؛ الاستیعاب في معرفة الأصحاب ج١ ص١٠١؛ تاریخ

دمشق ج ١٠ ص ١٥٦)

بہت سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام دار قطنی نے فرمایا:

بُسْرُ بْنُ أَبِي أَرْطَاةَ ، وَيُقَالُ: ابْنُ أَرْطَاةَ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ لَهُ صُحْبَةٌ ، وَلَمْ تَكُنْ لَهُ اِسْتِقَامَةٌ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ.

''ابوعبدالرحمان بسر بن ابی ارطاۃ اور ابن ارطاۃ بھی کہا جاتا ہے، صحابی تھا لیکن نبی کریم ﷺ کے بعد اُس کی استقامت نہیں رہی تھی''۔

(تاريخ دمشق ج ١٠ ص ١٤٦؛ تهذيب الكمال ج ٤ ص ٦٢؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج ٢ ص ١٦؛ تهذيب التهذيب ج ١ ص ٤٠٩؛ أسد الغابة ج ١ ص ٣٧٥؛ الاستيعاب ج ١ ص ١٠١؛ العواصم و القواصم فى الذب عن سنة أبى القاسم لليماني ج ٣ ص ٢٢٧؛ الروض الباسم فى الذب عن سنة أبى القاسم ص ٢٥٢)

اگر قارئین کرام یہاں یہ سوچنے کی زحمت فرمائیں کہ بسر بن ابی ارطاۃ استقامت سے کیوں محروم ہو گیا تھا تو اُن پر بہت سے عقدے کھل جائیں گے۔ مسلّم اصول ہے کہ استقامت ہی میں نجات ہے، اسی لیے ہر نماز میں التجا کی جاتی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ یہ شخص راہِ راست سے بھٹک گیا تھا، اور جن ہستیوں سے محبت کے بغیر ایمان قلب میں داخل ہی نہیں ہوتا اُن سے عداوت رکھتا تھا۔ چنانچہ متعدد علماء کرام لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنْ شِيْعَةِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ ، وَشَهِدَ مَعَ مُعَاوِيَةَ صِفِّيْنَ ، وَكَانَ مُعَاوِيَةُ وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ وَالْحِجَازِ فِيْ أَوَّلِ سَنَةِ أَرْبَعِيْنَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَتَقَرّٰى مَنْ كَانَ فِيْ طَاعَةِ عَلِيٍّ فَيُوْقِعُ بِهِمْ ، فَفَعَلَ بِمَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ وَالْيَمَنِ أَفْعَالًا قَبِيْحَةً.

''یہ معاویہ بن ابی سفیان کے شیعہ (طرفداروں) سے تھا اور جنگِ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھا، معاویہ نے اس کو سنہ ۴۰ھ کے آغاز میں یمن اور حجاز کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو لوگ طاعتِ علی پر قائم ہوں چن چن کر اُن کا کام تمام کر دے تو اُس نے خوب اُن سے جنگ کی۔ پس اُس نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن میں افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا''۔

(تاريخ دمشق ج ١٠ ص ١٤٥؛ تهذيب الكمال ج ٤ ص ٦١؛ مختصر تاريخ دمشق ج ٥ ص ١٨٣؛ تهذيب التهذيب ج ١ ص ٤٠٩)

بُسر معاویہ کا محبّ اور علی کا مبغض کیوں؟

اِس شخص کے حالات ومظالم کا مطالعہ کرتے ہوئے میں حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ یہ اس قدر سفاک اور بے رحم کیوں تھا؟ لیکن اُس وقت یہ عقدہ حل ہو گیا جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ طلقاء میں سے تھا۔امام مغلطائی حنفی نے لکھا ہے:

قَالَ أَبُوْدَاوُدَ : كَانَ بُسْرٌ حَجَّامًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، وَهُوَ مِنْ مُسْلِمَةِ الْفَتْحِ.

''ابوداود فرماتے ہیں: بسر جاہلیت میں حجام تھا اور فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا''۔

(إكمال تهذيب الكمال ج٢ ص٣٧٩)

فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے لوگوں کو طلقاء بھی کہا جاتا ہے،سوا گر وہ طلقاء میں سے تھا تو پھر تو اُس کی معاویہ کے ساتھ محبت لازم تھی۔اس لیے کہ فطری بات ہے کہ ''الْجِنْسُ يَمِيْلُ إِلَى الْجِنْسِ''(جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے) یعنی:

کند جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز بہ باز

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْأَنْصَارُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَالطُّلَقَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ ، وَالْعُتَقَاءُ مِنْ ثَقِيْفٍ ، بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

''حضرت جریر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہاجرین وانصار دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں،اور قریش کے طلقاء اور ثقیف کے عتقاء دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

(مسند أحمد ج٤ ص ٣٦٤ وط: ج٦ ص٥١٣ حديث١٩٤٢٧؛صحيح ابن حبان ج١٦ ص٢٥٠ حديث٧٢٦٠؛المستدرك ج٤ ص٨٠؛المعجم الكبير ج٢ ص٣١٣،٣١٤ حديث ٢٣١٠، ٢٣١١ وص٣٤٣ حديث٢٤٣٨؛مجمع الزوائد ج١٠ ص١٥)

معاویہ بھی طلقاء میں سے تھے اور بسر بن ابی ارطاۃ بھی طلقاء میں سے تھا تو اُس کی ایک مہاجر یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیسے بنتی؟ اس کی اپنے طلقاء سے ہی بنتی تھی اور خوب بنی، حتیٰ کہ وہ اس دوستی میں اپنا دین وایمان سب کچھ گنوا بیٹھا تھا۔

بعض اکابر کی سنگین لغزش

بسر بن ابی ارطاۃ کے حالات کے مطالعہ کے دوران میرے سامنے بعض اکابر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی ایسی عبارت آئی جو عقائدِ اہل سنت کے منافی ہے، یعنی اُس سے غیر نبی کی عصمت کے عقیدے کی بو آتی ہے، اور چونکہ اکثر لوگ قولاً کم مگر عملاً زیادہ ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ یہاں اُس عظیم محدث کے الفاظ نقل کر کے اُن کی تردید کر دی جائے تاکہ عوام وخواص سب کے سامنے اصل حقیقت آجائے۔ امام زکی الدین بن عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''بسر''ب'' کی پیش ''س'' کی جزم اور آخر میں ''ر'' کے ساتھ ہے۔ یہ قریشی عامری ہے اور اس کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے۔ اس کی صحابیت میں اختلاف ہے: ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابی تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ صحابی نہیں تھا، اس کی پیدائش وصال نبوی ﷺ سے دو سال قبل ہوئی، اس کے واقعات مشہور ہیں۔ محدث یحییٰ بن معین اس کو برا سمجھتے۔
>
> **وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ عِنْدَهُ لَا صُحْبَةَ لَهُ.**
>
> ''اور یہ قول دلالت کرتا ہے کہ اُن کے نزدیک وہ صحابی نہیں تھا''۔

(مختصر سنن أبي داود ج ۳ ص ۱٦۸)

امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تبصرہ عقائد اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔ کیا وہ یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ بسر بن ابی ارطاۃ کے جو واقعات مشہور ہیں وہ اُس سے فقط اس لیے سرزد ہوئے کہ وہ صحابی نہیں تھا۔ کیا صحابی سے ایسے ظالمانہ واقعات سرزد نہیں ہو سکتے؟ کیا صحابہ معصوم تھے؟ چلیے فرض کیا بسر صحابی نہیں تھا لیکن جس کے حکم پر وہ سارے مظالم ڈھاتا رہا وہ عند المحدثین صحابی ہے یا نہیں؟

یاد رکھیے! صحابیت ایک عظیم کمال تو ہے مگر کسی برائی سے بچانے کی ڈھال نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی صحابی شرفِ صحابیت کی خود لاج نہ رکھ سکے تو وہ کسی قسم کے استثنا کا مستحق نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں امہات المومنین رضی

شرفِ صحابیت کی خود لاج نہ رکھ سکے تو وہ کسی قسم کے استثنا کا مستحق نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ عام عورتوں کی مانند نہیں ہیں وہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ کسی برائی کی مرتکب ہوئیں تو اُنہیں دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ (الأحزاب: ۳۰، ۳۱، ۳۲) سو جب امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو یہاں تک فرما دیا گیا تو پھر بسر بن ابی ارطاۃ اور اُس کے سربراہان کی کیا حیثیت ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا تبصرہ سراسر عقائدِ اہل سنت کے منافی ہے۔

باشندگانِ حرمین پر پہلا حملہ آور کون؟

چند سطور قبل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر بسر بن ابی ارطاۃ کے جن حملوں کا ذکر ہوا، اُن سے معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کے حکم سے مسلم بن عقبہ نے حرمین شریف پر جو حملہ کیا گیا تھا وہ دوسرا حملہ تھا اور اُس حملہ سے قبل بسر بن ابی ارطاۃ نے معاویہ بن ابی سفیان کے حکم سے باشندگانِ حرمین پر حملہ کیا تھا اور افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا تھا۔

حیاتِ مرتضوی میں اُن کے متبعین پر مظالم

معاویہ کے حکم سے بسر بن ارطاۃ نے یہ سارے مظالم سیدنا علی ﷺ کی خلافت ہی میں اُن کے متبعین کرام ﷺ پر کیے تھے اور زبردستی اُن سے معاویہ کی بیعت لی تھی۔ چنانچہ متعدد علماء کرام لکھتے ہیں:

''معاویہ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو شام سے ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا تو وہ چل پڑا حتی کہ مدینہ منورہ پہنچا، اُس وقت وہاں کے گورنر رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری ﷺ تھے تو وہ وہاں سے سیدنا علی ﷺ کی طرف کوفہ بھاگ گئے۔ پھر بسر بن ابی ارطاۃ منبر نبوی پر چڑھ گیا اور انصار کو للکارنے لگا: یا دینار، یا زُرَیق، یا نجار! میں نے اس مقام پر شیخ یعنی عثمان [ﷺ] سے عہد کیا تھا۔

اے اہل مدینہ! اگر مجھ سے امیر المومنین نے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تمہارے ہر بالغ شخص کو قتل کر دیتا۔ اہل مدینہ نے اُس کے ہاتھ پر معاویہ کی بیعت کی، اور اُس نے بنو سلمہ کی طرف پیغام بھیجا اور کہا: خدا کی قسم! میرے ہاں تمہارے لیے کوئی امان نہیں اور نہ ہی تمہاری بیعت قبول ہے جب تک کہ تم صحابیِ رسول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو بیعت کے لیے نہ پیش کرو۔ پس سیدنا جابر ﷺ خفیہ طور پر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

يَا أُمَّهُ إِنِّي خَشِيتُ عَلَى دِينِي وَهٰذِهِ بَيْعَةُ ضَلَالَةٍ.

''امی! میں اپنے دین پر خدشہ محسوس کرتا ہوں، کیونکہ یہ گمراہی کی بیعت ہے''۔

اماں پاک نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ آپ بیعت کرلیں، میں نے اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ کو بھی کہا ہے کہ وہ بھی بیعت کرلے۔ پس سیدنا جابر ﷺ نکلے اور بسر بن اُرطاۃ کے ہاتھ پر معاویہ کی بیعت کرلی۔ اس کے بعد بسر نے مدینہ منورہ کے بہت سے گھروں کو مسمار کردیا۔ پھر اُس نے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا وہاں ابوموسی اشعری ﷺ گورنر تھے تو وہ روپوش ہوگئے۔ بسر کو یہ بات پہنچی تو اُس نے کہا: میں ابوموسیٰ کو اذیت نہیں دے سکتا، میں اُن کا حق اور فضیلت جانتا ہوں۔ پھر اُس نے یمن کا رُخ کیا اور وہاں اُس وقت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سیدنا علی ﷺ کے گورنر تھے، انہیں جب بسر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ سیدنا علی ﷺ کی طرف چلے گئے، اور اپنا نائب عبداللہ بن المدان مرادی کو مقرر کر گئے۔ عبیداللہ بن عباس کے عائشہ بنت عبداللہ بن عبد المدان سے دو بچے تھے، جو تمام بچوں سے زیادہ خوبصورت، پسندیدہ اور انتہائی صاف اور چمک دار تھے۔ بسر نے اُن دونوں بچوں کو اُن کی ماں کے سامنے ذبح کردیا تو وہ بی بی دیوانی ہوگئی''۔

(تاريخ دمشق ج١٠ ص١٥٢، ١٥٣؛ تهذيب الكمال ج٤ ص٦٥؛ تاريخ الرسل والملوك والأمم ج٥ ص١٣٩؛ الكامل في التاريخ ج٢ ص٧٣٢؛ أسد الغابة ج١ ص٣٧٤، ٣٧٥؛ مرآة الزمان ج٦ ص٤٠٧؛ البداية والنهاية ج١٠ ص٦٨٢، ٦٨٣؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٥ ص٣٦٩؛ تهذيب التهذيب ملخصًا ج١ ص٤٠٩؛ الإصابة [إشارةً ومثبتاً] ج١ ص٤٢٢)

بیعتِ معاویہ بیعتِ ضلالت

اوپر آپ نے پڑھا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ ﷺ نے معاویہ کی بیعت کو اپنے دین کے لیے خطرہ اور بیعت کو بیعتِ ضلالت قرار دیا۔ امام بخاری نے بھی ایک مقام پر بیعتِ معاویہ کے بارے میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ اور سیدنا جابر بن عبداللہ ﷺ کے مکالمہ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یہ جملہ نقل کیا ہے:

أَنَا أَعْلَمُ أَنَّهَا بَيْعَةُ ضَلَالَةٍ.

''میں بھی جانتی ہوں کہ یہ گمراہی کی بیعت ہے''۔

(التاريخ الصغير للبخاري ج١ ص١٤١)

یہ بیعت، بیعتِ ضلالت کیوں؟اس لیے کہ اُس وقت سیدنا علی ﷺ خلیفہ تھے اور خلیفۂ راشد و عادل کی موجودگی میں کسی دوسرے کی خلافت شرعاً جائز نہیں بلکہ اُس دوسرے مدعی خلافت کو قتل کر دینے کا حکم ہے۔اسی لیے امام احمد بن حنبل ﷺ نے فرمایا تھا:

مَنْ لَمْ يُثْبِتِ الإِمَامَةَ لِعَلِيٍّ ، فَهُوَ أَضَلُّ مِنْ حِمَارِ أَهْلِه.

''جو شخص سیدنا علی ﷺ کی خلافت کو نہ مانے تو وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے''۔

(مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي ص ٢٢٠)

چونکہ سیدنا جابر بن عبداللہ ﷺ اِن تمام شرعی حدود و قیود سے زیادہ واقف تھے اسی لیے اُنہوں نے بیعتِ معاویہ کو گمراہی بھی قرار دیا تھا اور مجبوراً بسر بن ابی ارطاۃ کے ہاتھ پر بیعتِ معاویہ کر بھی لی تھی۔

قاتل اگر فقیہ ہو تو اُس سے حساب ہوگا؟

ابھی ابھی آپ متعدد کتب کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں کہ بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن میں سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ کے بھتیجوں کو اُن کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا تھا تو اُن کی ماں دیوانی ہوگئی تھی۔اِس واقعہ کو امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے اور صراحۃً لکھا ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ کو معاویہ نے بھیجا تھا۔

(التاريخ الصغير للبخاري ج١ ص ١١١؛تهذيب الكمال ج٤ ص ٦٤؛تهذيب التهذيب ج١ ص ٤٠٩؛تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج٢ ص ١٧)

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم سے یہ واقعہ لکھ ہی دیا ہے تو پھر اِس موقع پر اُن سے سوال بنتا ہے، کیونکہ وہ اپنی ''الجامع الصحیح'' میں ''باب ذکر معاویة'' قائم فرما کر اُس میں زبانِ نبوی ﷺ سے تو اُن کی کوئی فضیلت میں کوئی حدیث نہیں لا سکے مگر سیدنا ابن عباس ﷺ سے اُن کے صحابی اور فقیہ ہونے کا قول لائے ہیں۔سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقیہ بھی ہو اور صحابی بھی ہو اور اُس کے حکم سے اُس کی حکومت کا کوئی آدمی دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ نابالغ بچوں کو بھی اُن کی والدہ کے سامنے بہیمانہ طور پر بغیر کسی جرم و گناہ کے ذبح کر دے تو قیامت کے دن ایسے قتل کی سزا کی راہ میں صحابیت اور فقاہت حائل ہوگی یا نہیں؟

بسر کے مظالم کا ذمہ دار کون؟

ذرا غور کر کے بتائیے کہ بسر بن ابی ارطاۃ کے بارے میں تو کہا گیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے بعد صراط

مستقیم سے ہٹ چکا تھا تو جس حاکم کے حکم پر گامزن ہو کر وہ بربریت، خون ریزی اور فساد مچاتا رہا، اُس کے بارے میں ہمارے ائمہ کا کیا حکم ہے، جبکہ وہ حاکم سابقون اولون میں سے نہیں تھا بلکہ بسر بن ابی ارطاۃ کی طرح طلقاء میں سے ہی تھا، لہٰذا ایک بار نہیں بلکہ بار بار سوچ کر بتلایئے کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور یمن پر حملے کرنے کی وجہ سے بسر بن ابی ارطاۃ تو "رَجُلٌ سُوْءٌ" اور غیر مستقیم قرار پایا اور جس کے حکم پر وہ یہ سب مظالم ڈھاتا رہا وہ کیونکر "رَجُلٌ صَالِحٌ، جلیل القدر اور مستقیم رہا؟

اگر اس بربریت کی وجہ سے بسر بن ابی ارطاۃ غیر مستقیم اور "رَجُلٌ سُوْءٌ" قرار پایا تو پھر اُس کے حاکم کے بارے میں علماء حق اور اہل انصاف کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ جوں کے توں "رَجُلٌ صَالِحٌ" اور جلیل القدر رہیں گے یا کچھ ذمہ داری اُن پر بھی عائد ہوگی۔ اگر نہیں تو پھر تو ہمارے ملک کا عام آدمی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں گلو بٹ اور پنجاب پولیس کا سفاک اور فسادی ہونا تو بسر بن ابی ارطاۃ کی طرح مسلّم ہے مگر اُنہیں جن حکمرانوں نے اِس بربریت کا آرڈر دیا تھا وہ جوں کے توں متقی، پرہیزگار، بے خطا اور بے گناہ ہیں۔

قارئین کرام! آپ کی مرضی کہ آپ گلو بٹ کو گنہگار قرار دیں اور اُس کے حکمرانوں کو بے قصور، آپ بُسر کو ظالم و فاجر قرار دیں اور اُس کے حاکم کو بے خطا و بے گناہ، مگر اتنا یاد رکھیں کہ فرعون کے حکم پر اُس کی حکومت کے کارندے بنی اسرائیل کے بچوں کو جو ذبح کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُس ذبح کی نسبت جہاں کئی مقامات پر اُن کارندوں کی طرف فرمائی ہے وہیں بعض مقامات پر خود فرعون کی طرف بھی فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ.

"بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ، وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے، ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو، بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا"۔

(القصص: ٤)

مسلم خواتین کو لونڈی بنا کر فروخت کرنا

ظلم کی حد یہ ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ نے مسلم خواتین کو لونڈی بنایا اور بازار میں فروخت کے لیے کھڑا کر

دیا۔ چنانچہ امام ذہبی نے پہلے تو یوں لکھا ہے:

فَمِنْ أَخْبَثِ أَخْبَارِهِ الَّتِي مَا عَمِلَهَا الْحَجَّاجُ.

''سو اُس کی خبیث ترین خبروں میں سے ایسے اعمال ہیں جیسے حجاج نے کیے تھے''۔

اس کے بعد مذکورہ بالا تین واقعات نقل کیے اور پھر لکھا ہے:

فَسَبِيَ نِسَاءَ مُسْلِمَاتٍ ، فَأُقِمْنَ فِي السُّوقِ.

''پھر اُس نے مسلم خواتین کو لونڈی بنایا تو وہ بازار میں کھڑی کی گئیں''۔

(تاريخ الإسلام للذهبي ج ٥ ص ٣٦٩)

دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

فَأُقِمْنَ لِلْبَيْعِ.

''تو وہ فروخت کے لیے کھڑی کی گئیں''۔

(سير أعلام النبلاء ج ٣ ص ٤١٠)

امام ابن عبدالبر اور امام ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:

فَكُنَّ أَوَّلَ مُسْلِمَاتٍ سُبِيْنَ فِي الْإِسْلَامِ.

''پس وہ پہلی مسلم خواتین ہیں جو اسلام میں لونڈی بنائی گئیں''۔

(الاستيعاب ج ١ ص ١٠٢ ؛ أسد الغابة ج ١ ص ٣٧٥)

تمام اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب سیدنا علی ﷺ نے سنا کہ اس خبیث نے بچوں تک کو ذبح کیا ہے تو اُنہوں نے اس کو بد دعا دی تو وہ آخری عمر میں پاگل ہو گیا تھا۔

یہاں نواصب کی طرف سے ایک اعتراض قائم ہوسکتا ہے کہ سیدنا علی ﷺ کا ایک پیروکار بھی سفاکیت (خون بہانے) کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نے بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا قلع قمع کرنے کے لیے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا تھا اور اُن ہی مقامات پر بھیجا تھا جہاں معاویہ کے پیروکاروں نے مظالم ڈھائے تھے۔ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جاریہ بن قدامہ سے ردِ عمل میں کچھ زیادتی ہوئی تھی۔ میں ایسے واقعات کو تاریخ کہہ کر رد نہیں کرنا چاہتا، البتہ یہ کہتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری سیدنا علی ﷺ پر نہیں ڈالی جاسکتی، اس لیے کہ جاریہ بن قدامہ ابھی ان کارروائیوں میں مصروف تھے کہ مولیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے اور

اُنہیں اپنے کسی نمائندہ کی کوئی بے اعتدالی معلوم ہوتی تو ضرور اُسی طرح حسب شریعت مواخذہ فرماتے جس طرح نبی کریم ﷺ اپنے فرستادہ صحابۂ کرام ﷺ کی فروگزاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے۔ اس لیے کہ "عَلِيٌّ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ" اور "عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ" کا یہی تقاضا ہے۔

"اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ" کا موضوع ہونا

یاد رکھنا چاہیے کہ سابقین صحابہ کرام ﷺ کی شان میں فرداً فرداً جس قدر احادیث آئی ہیں ایسی ہر ہر حدیث کے مقابلہ میں امیر شام کی شان میں اُن کی بادشاہی کی بدولت احادیث گھڑی گئیں اور آج تک وہ حدیثیں کتب میں موجود ہیں۔ یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ کی شان میں وارد شدہ حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔ اس کی سند میں ایک شخص معاویہ بن صالح ہے، اس کے بارے میں اگرچہ تعدیل کے اقوال بھی ملتے ہیں مگر اہل شام کے بارے میں اس کی روایت کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے۔ پہلے ہم اس کی جرح میں مطلق اقوال پیش کر رہے ہیں اور آخر میں اہل شام کی احادیث کے بارے میں خاص قول پیش کریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

كَانَ يَحْيىٰ بْنُ سَعِيْدٍ لَا يَرْضَاهُ.

"یحییٰ بن سعید اسے پسند نہیں کرتے تھے"۔

ایسے ہی یحییٰ بن معین سے ایک قول ہے، وہ کہتے ہیں: ابن مہدی جب معاویہ بن صالح سے کوئی حدیث روایت کرتے تو یحییٰ بن سعید اُنہیں جھڑک دیتے اور فرماتے:

أَيْشٍ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ؟

"یہ کیسی حدیثیں ہیں؟"۔

ابو صالح فراء امام ابو اسحاق فزاری سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

مَا كَانَ بِأَهْلٍ أَنْ يُرْوىٰ عَنْهُ.

"وہ اس لائق نہیں کہ اُس سے حدیث روایت کی جائے"۔

شیخ محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی بیان کرتے ہیں:

اَلنَّاسُ يَرْوُوْنَ عَنْهُ، وَزَعَمُوْا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَدْرِيْ أَيُّ شَيْءٍ الْحَدِيْثُ.

''محدثین اس سے روایت کرتے اور کہتے کہ وہ نہیں جانتا کہ حدیث کیا چیز ہے''۔

(تهذيب التهذيب ج٦ ص ٣٣٢، ٣٣٣)

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

''معاویہ بن صالح کے پاس صالح حدیث بھی ہوتی ہے، ابن وہب کے پاس اُس کے متعلق ایک کتاب ہے، ابوصالح کے پاس بھی اُس کی ایک کتاب ہے اور ابن مہدی اور معن کے پاس اس کی بہت احادیث ہیں، اس سے لیث، بشر بن السرّی اور ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور میں اس سے روایت میں حرج نہیں سمجھتا۔

عِنْدِيْ صَدُوْقٌ ، إِلَّا أَنَّهُ يَقَعُ فِيْ أَحَادِيْثُ إِفْرَادَاتٌ.

''میرے نزدیک وہ سچا ہے مگر اُس کی احادیث میں تفردات ہوتے ہیں''۔

(الكامل لابن عدي ج٨ ص١٤٨)

امام ابن عدی کا یہ جملہ انتہائی اہم ہے، کیونکہ محدثین کرام نے کہا ہے کہ کوئی سچا آدمی کسی حدیث کی روایت میں تنہا ہو تو اُس کی وہ حدیث منکر سمجھی جائے گی۔ آگے چل کر حدیث منکر کی تعریف میں اس سلسلے میں بعض ائمہ کا قول آرہا ہے۔ اب آپ معاویہ بن صالح کے بارے میں وہ خاص قول ملاحظہ فرمائیں جس کی وجہ سے اُس کی روایت کردہ حدیث قابل قبول نہیں ہوتی۔

امام ابن ابی خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ مُعَاوِيَةُ يُغْرِبُ بِحَدِيْثِ أَهْلِ الشَّامِ جِدًّا.

''معاویہ بن صالح اہل شام کی حدیث میں انتہائی اجنبی حدیثیں بیان کرتا تھا''۔

(تهذيب الكمال ج٢٨ ص١٨٩، ١٩٣؛ تهذيب التهذيب ج٦ ص ٣٣٢، ٣٣٣، ملخصاً)

اوپر امام ابن عدی کا قول گذر چکا ہے اور یہ امام ابن ابی خیثمہ کا قول ہے، یہ دونوں قول اس حدیث کی حیثیت کے تعین کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ کسی روایت میں منفرد ہونا اور پھر خصوصاً اہل شام سے غرائب (اجنبی روایات) لانا، آخر اِن دونوں اقوال کا نتیجہ کیا ہے؟ جبکہ معاویہ بن صالح حمصی بھی ہے اور حمص شام ہی کا ایک ضلع ہے، اور سیدنا علی علیہ السلام سے عداوت اور معاویہ سے محبت میں اہل حمص سب سے آگے تھے۔

اس حدیث میں دوسرا بھی ایک شامی راوی ہے، اور وہ حارث بن زیاد شامی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: حارث بن

زیاد مجہول ہے۔ایسے ہی امام ابوحاتم نے کہا ہے۔

(میزان الاعتدال ج۱ ص۱٦۸؛الجرح والتعدیل ج۳ص۷۵)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اس راوی سے یہی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الْحَارِثُ بْنُ زِيَادٍ مَجْهُوْلٌ لَايُعْرَفُ بِغَيْرِ هٰذَا الْحَدِيْثِ.

''حارث بن زیاد مجہول ہے،اس حدیث کے بغیر وہ نہیں جانا گیا''۔

(الاستیعاب ج۲ ص۲٤۷)

حافظ عسقلانی نے بھی اس حکم کو مقرر رکھا ہے،وہ لکھتے ہیں:

نَعَمْ قَالَ أَبُوْعُمَرَ بْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِيْ صَاحِبِ هٰذِهِ التَّرْجَمَةِ: مَجْهُوْلٌ ، وَحَدِيْثُهُ مُنْكَرٌ.

''جی ہاں،امام ابوعمر بن عبدالبر نے اس صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث منکر ہے''۔

(تہذیب التہذیب ج۱ ص٦۱۰)

یہ شخص سنن ابي داود اور سنن النسائی کا راوی ہے،امام ذہبی اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس کے ترجمہ میں ''د'' اور ''س'' کی رمز لگا کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔اس کے باوجود ان دونوں حضرات کا اس کو مجہول قرار دینا معنیٰ خیز ہے۔آج کل کے محققین نے بھی اس کے مجہول ہونے کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا ہے بلکہ بعض نے اس سلسلہ میں حافظ صاحب سے بھی اختلاف کر دیا ہے۔حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ''**تقریب التهذيب**'' میں ''**ليّن الحديث**''(حدیث میں کمزور) لکھا تو آج کل کے محققین نے اس پر یوں اختلاف کیا:

بَلْ مَجْهُوْلٌ تَفَرَّدَ بِالرِّوَايَةِ عَنْهُ يُوْنُسُ بْنُ سَيْفٍ الْكَلَاعِيُّ ، وَلَمْ يُوَثِّقْهُ سِوٰى ابْنِ حِبَّانٍ ، لِذٰلِكَ قَالَ الذَّهَبِيُّ مَجْهُوْلٌ . وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ مَجْهُوْلٌ ، وَحَدِيْثُهُ مُنْكَرٌ .

''بلکہ یہ مجہول ہے،اس سے فقط یونس بن سیف الکلاعی نے روایت کیا ہے،اور ابن حبان کے سوا اس کو کسی نے معتبر نہیں کہا،اسی لیے ذہبی نے کہا: یہ مجہول ہے،اور ابن عبدالبر نے کہا: یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث منکر ہے''۔

(تحریر تقریب التہذیب،للدکتور بشار عواد، وشعیب الأرنؤوط، ج۱ ص۲۳٤،۲۳۵)

امام ابوداود اور امام نسائی نے ایک حدیث روایت کی ہے، جس کی سند میں یہ راوی بھی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ ﷺ فرماتے ہیں:

دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى السَّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ:هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ.

''رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں مجھے سحری کے کھانے کی طرف بلایا تو فرمایا: آؤ مبارک کھانے کی طرف''۔

(سنن أبي داود ج ۲ ص ٥٢٦ حديث ٢٣٤٤؛ سنن النسائي ص ٣٤٣ حديث ٢١٦٣)

سنن ابی داود اور سنن النسائی میں یہ حدیث اتنا ہی ہے لیکن مسند احمد میں یہ حدیث ایک مقام پر اسی سند اور فقط اسی متن کے ساتھ آئی ہے اور دوسرے مقام پر اس سند ''**حدثنا عبد الرحمان بن مهدي ، عن معاوية ـ يعني ابن صالح ـ عن يونس بن سيف ، عن الحارث بن زياد ، عن أبي رُهم عن العرباض بن سارية السلمي**'' سے یہ حدیث آئی ہے اور اُس کے متن میں یہ اضافہ ہے:

ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ:اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ.

''پھر میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھادے اور اُسے عذاب سے بچالے''۔

(مسند أحمد ج ۲۸ ص ۳۸۲، ۳۸۳ حديث ۱۷۱۵۲)

اس سند میں عبدالرحمان بن مہدی جو کہ ایک ثقہ راوی ہیں لیکن وہ معاویہ بن صالح سے روایت کر رہے ہیں اور ہم اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ جب عبدالرحمان بن مہدی امام یحییٰ بن سعید کے سامنے معاویہ بن صالح سے کوئی حدیث پیش کرتے تو وہ انہیں ڈانٹ کر فرماتے: ''**أَيْشٍ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ؟**'' (یہ کیسی حدیثیں ہیں؟) نیز آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ معاویہ بن صالح اہل شام کے بارے میں غیر مانوس اور اوپری حدیثیں لاتا تھا۔ یہ منکر (بری اور اجنبی) حدیث بھی اُن ہی انوکھی احادیث میں سے ایک ہے۔

حافظ ہیثمی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام احمد نے طویل حدیث میں روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس میں حارث بن زیاد ہے، میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس کی توثیق کی ہو، اس سے فقط یونس بن سیف نے روایت کیا ہے، اس کے باقی راوی ثقہ ہیں اور

بعض میں اختلاف ہے"۔

(مجمع الزوائد ج۱۹ ص۲۹۸، ۲۹۹ حدیث ۱۵۸۹۱)

اس جیسے سقم وغیرہ کی وجہ سے دورِ حاضر کے بعض محققین نے "هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ" تک تو اس حدیث کو حسن تسلیم کیا ہے مگر "اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ" کو اضافہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

وَبَقِيَّةُ لَفْظِ الْحَدِيْثِ لَا أَعْلَمُ لَهَا طُرُقًا وَلَا شَوَاهِدًا ، فَهِيَ مُنْكَرَةٌ.

"میں اس حدیث کے باقی الفاظ کے طرق اور شواہد کو نہیں جانتا، پس یہ جملہ منکرہ ہے"۔

(الأحاديث الواردة في فضائل الصحابة للدكتور سعد الصاعدي ج۹ ص۴۳۵)

منکر حدیث کسے کہتے ہیں؟ اس کی تفصیل آئندہ حدیث کے تحت آ رہی ہے۔ یہاں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ایک اور حوالے سے بھی جرح کی ہے پہلے وہ سن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَأَعْضَلَ قُتَيْبَةُ هٰذَا الْحَدِيْثَ.

"قتیبہ نے اس حدیث کو معضل قرار دیا ہے"۔

(تهذيب التهذيب ج۱ ص۶۱۰)

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ معضل روایت کے حکم میں لکھتے ہیں:

"معضل حدیث ضعیف ہے اور مرسل اور منقطع سے کم درجہ کی ہے، کیونکہ اس میں بہ کثرت راوی حذف ہوتے ہیں، اس حکم پر تمام علماء کا اتفاق ہے"۔

(مقدمه شرح صحيح مسلم ج۱ ص۱۲٤)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْمُعْضَلُ أَسْوَأُ حَالاً مِنَ الْمُنْقَطِعِ وَهُوَ أَسْوَأُ حَالاً مِنَ الْمُرْسَلِ ، وَهُوَ لَا يَقُوْمُ بِهٖ حُجَّةٌ.

"معضل روایت کا حال منقطع سے زیادہ برا ہوتا ہے اور منقطع کا حال مرسل سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے اور مرسل سے حجت قائم نہیں ہوتی"۔

(فتح المغيث ج۱ ص۱۷۹)

یعنی معضل حدیث کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔ اب آپ خود اندازہ فرمائیے کہ اس حدیث کو

بعض نے منکر، بعض نے مجہول اور بعض نے معضل کہا ہے، اور دکتور سعود نے کہا کہ اُنہیں اس کے طرق اور شواہد بھی نہیں ملے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن صالح اس حدیث کی روایت میں تنہا ہے، وہ اگرچہ بعض کے نزدیک صدوق بھی ہے تاہم اُس کا اِس روایت میں تفرد اس حدیث کو منکر بنا رہا ہے، پھر اس حدیث کا آخری مخصوص حصہ سنن نسائی اور سنن ابی داود میں جگہ نہیں پا سکا، جس روایت میں اتنے سقم ہوں وہ کیونکر مقبول ہو سکتی ہے؟

الفاظ کے ہیر پھیر سے یہ موضوع متن ایک اور سند پر بھی چلایا گیا ہے، جس میں معاویہ بن صالح نہیں ہے۔ آیئے اُس کی بھی خبر لے لیتے ہیں ۔امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حَـدَّثَـنَـا مُـحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شُعَيْبِ السِّمْسَارِ ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ خِدَاشٍ ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْـنُ حَـرْبٍ ، عَنْ أَبِي هِلَالِ الرَّاسِبِيِّ ، عَنْ جَبْلَةَ بْنِ عِطْيَةَ عَنْ مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ : اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَمَكِّنْ لَهُ فِي الْبِلَادِ.

''نبی کریم ﷺ نے معاویہ کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو کتاب وحساب سکھا دے اور اس کو شہروں پر حکومت دے''۔

(المعجم الكبير ج ۱۹ ص ۴۳۹ حدیث ۱۰۶۵)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

''اس کو امام طبرانی نے جبلہ بن عطیہ کی سند سے مسلمہ بن مخلد سے روایت کیا ہے اور جبلہ کی مسلمہ سے سماعت ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے، اس کے بعض راویوں کی توثیق کی گئی ہے اور بعض میں اختلاف ہے''۔

(مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۲۹۹ حدیث ۱۵۸۹۳)

جب جبلہ نے مسلمہ بن مخلد سے نہیں سنا تو اُس نے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، وہ شخص کون ہے؟ کچھ معلوم نہیں، اسی لیے امام ذہبی نے ایک مقام پر اس حدیث کو ''عَنْ رَجُلٍ'' (کسی شخص) سے روایت کیا ہے، اور جب سند میں کوئی گمنام شخص ہو تو محدثین اُسے مجہول قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی ہی لکھتے ہیں:

أَبُـوْهِلَالٍ مُـحَـمَّـدُ بْنُ سُلَيْمٍ : حَدَّثَنَا جَبْلَةُ بْنُ عِطْيَةَ ، عَنْ رَجُلٍ ، عَنْ مَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ ، إِلىٰ أَنْ قَالَ : فِيْهِ رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ.

''ابو ہلال محمد بن سلیم کہتے ہیں کہ جبلہ بن عطیہ نے ایک شخص سے روایت کیا، اُس شخص نے مسلمہ

بن مخلد سے روایت کیا...... یہاں تک کہ کہا: اس میں ایک شخص مجہول ہے''۔

(سیر أعلام النبلاء، ج۳ص ۱۲٤،۱۲۵)

امام ذہبی ایک اور مقام پر اسی سند کے ساتھ یہ حدیث لائے ہیں اور وہاں اس کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

لَایُعْرَفُ ، وَالْخَبَرُ مُنْکَرٌ بِمَرَّةٍ.

''وہ شخص نہیں جانا گیا، اور یہ حدیث منکر ہی ہے''۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص ۱۱۲)

محدثین کی اصطلاح میں ''منکر حدیث'' کے بارے میں متعدد اقوال ہیں لیکن نتیجہ سب کا یکساں ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

وَهُوَ مَا انْفَرَدَ الرَّاوِي الضَّعِيْفُ بِهِ ، وَقَدْ يُعَدُّ مُفْرَدُ الصَّدُوْقِ مُنْكَرًا.

''منکر حدیث وہ ہے جس کی روایت میں ضعیف راوی تنہا ہو اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر شمار کیا جاتا ہے''۔

(الموقظة في علم مصطلح الحديث ص ٤٢)

اس تعریف میں ''**وَقَدْ يُعَدُّ مُفْرَدُ الصَّدُوْقِ مُنْكَرًا**'' (اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر شمار کیا جاتا ہے) کا جملہ انتہائی قابل غور ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ معاویہ بن صالح کے بارے میں امام ابن عدی نے صدوق کا قول کرنے کے باوجود کہا تھا کہ وہ بعض روایات لانے میں مفرد (تنہا) ہوتا ہے۔

حدیث منکر کا حکم

لغت میں منکر اُسے کہا جاتا ہے جس کو دل مسترد کرنے پر مجبور ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں بھی یہی معنیٰ موجود ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''محدث ربیع بن خثیم بیان کرتے ہیں: بعض احادیث کا نور دِن کے اُجالے کی طرح روشن ہوتا ہے تو ہم اُنہیں معروف سمجھتے ہیں، اور بعض کی ظلمت رات کی تاریکی کی مانند ہوتی ہے تو ہم اُنہیں منکر سمجھتے ہیں۔ امام اوزاعی بیان کرتے ہیں: ہم احادیث سنتے تھے تو اُنہیں اپنے رفقاء کے

سامنے یوں پیش کرتے جس طرح کھوٹے سکّے کو پیش کیا جاتا ہے، پس جن احادیث کو ہم معروف سمجھتے اُنہیں قبول کر لیتے اور جنہیں منکر سمجھتے اُنہیں ترک کر دیتے''۔

(الكفاية في علم الرواية ص ٤٣١؛ الكشف الحثيث للحلبي ص ٣١)

خیال رہے کہ بعض محدثین کے نزدیک حدیثِ منکر کا شمار شدید ضعیف احادیث میں ہوتا ہے لیکن اکثر اُسے موضوع و مردود کے مترادف مانتے ہیں۔ چنانچہ مشہور محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَفْظُ "مُنْكَرٌ" كَثِيْرًا مَّا يُطْلِقُوْنَهُ عَلَى "الْمَوْضُوْعِ" يُشِيْرُوْنَ بِذٰلِكَ إِلٰى نَكَارَةِ مَعْنَاهُ مَعَ ضُعْفِ إِسْنَادِهِ وَبُطْلَانِ ثُبُوْتِهِ.

''محدثین لفظ "مُنکَر" کا اطلاق اکثر موضوع حدیث پر کرتے ہیں، وہ اس لفظ سے متن کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اُس کی سند کا ضعف اور ثبوت کا بطلان اس کے علاوہ ہوتا ہے''۔

اس کے بعد اُنہوں نے اس پر متعدد مثالیں پیش کیں۔ ملاحظہ فرمایئے: (تعليقات: المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، للقاري ص ٢٠)

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا، اور چونکہ اکثر یہ لفظ حدیثِ موضوع کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو موضوع ہی سمجھا ہے۔ چنانچہ وہ امام ذہبی کے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

وَلَعَلَّ الآفَةَ فِي الْحَدِيْثِ مِنَ الرَّجُلِ الْمَجْهُوْلِ.

''شاید اس حدیث میں آفت مجہول شخص سے ہے''۔

(لسان الميزان ج٢ ص ٤٢٠)

اِس عبارت میں لفظ "آفۃ" کا استعمال ضعفِ حدیث کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ وضع کے لیے ہے۔ چنانچہ امام برہان الدین حلبی اور علامہ ابن عراق الکنانی لفظ "آفۃ" کی اصطلاحی توضیح میں لکھتے ہیں:

فَهٰذِهِ كِنَايَةٌ عَنِ الْوَضْعِ.

''یہ حدیث گھڑنے سے کنایہ ہے''۔

(الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث ص ٩٠؛ تنزيه الشريعة المرفوعة ج١ ص ٣٤)

اس سے پہلی حدیث کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُسے بھی محدثین نے منکر کہا ہے اور یہ بھی منکر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں موضوع (جعلی) ہیں۔ نیز یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے، آیئے! اُس کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں۔ ڈاکٹر سعود الصاعدی لکھتے ہیں:

وَرَوٰى ابْنُ عَرَفَةَ عَنْ شَبَابَةَ بْنِ سَوَّارٍ ، عَنْ حَرِيْزِ بْنِ عُثْمَانَ الرَّحْبِيِّ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَعَا لِمُعَاوِيَةَ فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ.

''ابن عرفہ نے از شبابہ بن سوار، از حریز بن عثمان رحبی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ کے حق میں دعا کی تو فرمایا: اے اللہ! اس کو کتاب وحساب سکھادے اور عذاب سے بچالے''۔

(الأحاديث الواردة في فضائل الصحابة ج٩ص ٤٣٢)

ڈاکٹر سعود نے اس کے بعد لکھا ہے:

''حریز بن عثمان ثقہ راوی ہے مگر اس پر ناصبی (دشمن اہل بیت) ہونے کا الزام ہے''۔

میں کہتا ہوں: فقط الزام نہیں بلکہ یہ خبیث کٹر قسم کا ناصبی تھا۔ امام سمعانی اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں کہ یہ بدبخت صبح وشام ستر ستر مرتبہ سیدنا علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔

(الأنساب للسمعاني ج٣ص٠ ٥؛ إكمال تهذيب الكمال ج٤ ص ٤٥)

یہ شامی تھا اور سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے فضائل سے چڑتا تھا۔ اس کی دشمنی کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔ امام ابوالحجاج مزی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں:

''احمد بن سعید الدارمی، احمد بن سلیمان المروزی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے اسماعیل بن عیاش سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے حریز بن عثمان کے ساتھ مصر سے مکۃ المکرمہ تک سفر کیا: '' فَجَعَلَ يَسُبُّ عَلِيًّا وَيَلْعَنُهُ '' (تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعنت کرتا رہا) وہ کہا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ سے علی کی شان میں لوگ جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں ''أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسىٰ'' حق ہے لیکن سننے والے نے خطا کی ہے۔ اس سے پوچھا گیا: اصل الفاظ کیا ہیں؟ کہنے لگا ''أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ قَارُوْنَ مِنْ مُّوْسىٰ'' (میرے نزدیک تیرا مقام ایسا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک

قارون کا) معاذ اللہ، جب اُس سے کوئی محدث پوچھتا کہ کیا تو علی پر لعنت کرتا ہے؟ تو وہ انکار کرتا اور جب اس سے کہا جاتا کہ تو علی پر رحمت نہیں بھیجتا تو کہتا اُن پر سو بار رحمت ہو، اور وہ یہ سب کچھ اس لیے کرتا کہ کہیں اُس سے روایتِ حدیث میں اجتناب نہ کیا جائے''۔

(تهذيب الكمال ج٥ ص٥٧٧؛ تهذيب التهذيب ج٢ ص٢٢١، وط: ج١ ص٦٩٩؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج٢ ص٢٤٦؛ ميزان الاعتدال ج٢ ص٢١٩ ملخصاً)

یہ خبیث زبردست محدث تھا، بخاری شریف میں اس سے دو حدیثیں لی گئیں، لیکن ثقہ ہونے کے باوجود یہ مردود کہا کرتا تھا:

لَنَا إِمَامُنَا وَلَكُمْ إِمَامُكُمْ.

''تمہارے لیے تمہارا امام اور ہمارے لیے ہمارا امام''۔

کبھی کہتا:

لَنَا أَمِيرٌ وَلَكُمْ أَمِيرٌ ، يَعْنِي لَنَا مُعَاوِيَةُ وَلَكُمْ عَلِيٌّ.

''ہمارے لیے ہمارا امیر اور تمہارے لیے تمہارا امیر، یعنی ہمارے لیے معاویہ اور تمہارے لیے علی''۔

(تهذيب الكمال للمزي ج٥ ص٥٧٥؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج٢ ص٢٤٦؛ تهذيب التهذيب ج١ ص٦٩٩)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ''اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ، الخ'' کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں، اس کی ہر سند میں کوئی نہ کوئی ایسا راوی ضرور ہے جس کو سیدنا علی ﷛ سے عداوت تھی، اور ہم شروع میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اعداءِ مرتضیٰ کو جب مرتضیٰ ﷤ میں کوئی عیب نہ مل سکا تو اُنہوں نے اُس شخص کو چڑھانا شروع کر دیا جو اُن کے ساتھ لڑتا رہا۔

''اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ'' کا خلافِ حق ہونا

اس حدیث کے جعلی ہونے کی سب سے اہم دلیل قرآن کریم کی یہ دو آیتیں ہیں:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ.

''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے، مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے، راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ اُن سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے''۔(التوبة: ۱۰۰)

اگر یہ حدیث موضوع نہ ہوتی تو دعائے نبوی ﷺ ضرور اُن کے حق میں قبول ہوتی، اور اگر دعا قبول ہوتی تو اِس آیت میں ہے کہ مہاجرین وانصار سے بعد والے جو لوگ ہیں اُن کے لیے رضائے الٰہی اس صورت میں ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی اتباع بالاحسان (نیکی میں اتباع) کریں۔ مہاجرین میں سردست خلفاء اربعہ ﷺ ہیں اور خلفاء اربعہ ﷺ نے صاحب اولاد ہونے کے باوجود اپنی اولاد کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا، جبکہ امیر شام اپنے لختِ جگر یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنا گئے۔ یہاں اگر حدیث ''فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ'' بھی شامل فرمالیں تو معلوم ہوگا کہ اُنہوں نے حدیث وقرآن دونوں کو پس پشت ڈال دیا تھا، جیسا کہ یہ بات ملا علی قاری نے مشہور ومتواتر حدیث ''تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ'' کی تشریح میں لکھی ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں مہاجرین وانصار ﷺ کی تعریف کے بعد ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.

''اور وہ جو اُن کے بعد آئے وہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت کر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ''۔ (الحشر: ۱۰)

مفسرین کرام ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يَعْنِي التَّابِعِيْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ يَجِيْئُوْنَ بَعْدَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

''یعنی پیروی کرنے والے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آئیں گے''۔

(الوسيط للواحدي ج٤ ص ٢٧٥؛ معالم التنزيل ج٨ ص ٧٩؛ لباب التأويل ج٤ ص ٢٧٢؛ تفسير الجلالين ص ٥٤٧)

غور فرمائیے! آیت میں مطلقاً صحابہ کے بعد آنے والوں کا ذکر نہیں بلکہ مہاجرین وانصار ﷺ کے بعد آنے والوں کا ذکر ہے۔ لہٰذا کوئی صحابہ کے دور میں مہاجرین وانصار ﷺ کے ساتھ بغض رکھے اور اُنہیں دھمکائے تو وہ

"غِلّ" (کینے) کا مرتکب ہوگا۔ سو اگر مہاجرین وانصار ﷺ کے بعد کا کوئی شخص خلفاء ثلاثہ ﷺ کو برا کہے تو اُس کا شمار تابعین بالاحسان میں نہیں ہوتا تو خود انصاف فرمایئے کہ اگر کوئی شخص سیدنا علی ﷺ کو برا کہے تو وہ کیونکر تابعین بالاحسان میں سے ہوسکتا ہے؟ نیز اکابر انصار ﷺ نے کئی بار امیر شام کو سودی معاملات میں ٹوکا اور اُن کے سامنے احادیث نبویہ ﷺ پیش فرمائیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اگر اُن کے حق میں واقعی "اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ" کے الفاظ پر مبنی حدیث اور دعا ثابت ہوتی تو وہ لامحالہ مہاجرین وانصار کی اتباع کرتے، اس لیے کہ مہاجرین وانصار ﷺ سے بعد میں آنے والے انسانوں میں سے کوئی بھی انسان اُن کی اتباع کے بغیر رضوانِ الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

بمقابلہ شانِ مرتضوی باطل حدیث

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دشمنانِ دین وایمان نے اہل بیت وصحابہ کرام ﷺ کی ہر ہر فضیلت کے مقابلہ میں حدیث بنانے کی کوشش کی ہے۔ درجِ ذیل باطل روایت کو سیدنا علی ﷺ کی اُس محبوبیت کے مقابلہ میں بنایا اور لایا گیا ہے جس کا اعلان غزوۂ خیبر میں فرمایا گیا تھا۔ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ طویل سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى أُمِّ حَبِيْبَةَ، وَرَأْسُ مُعَاوِيَةَ فِيْ حُجْرِهَا تُفَلِّيْهِ، فَقَالَ لَهَا: أَتُحِبِّيْنَهُ؟ قَالَتْ: وَمَالِيْ لَا أُحِبُّ أَخِيْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَإِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يُحِبَّانِهِ.

"نبی کریم ﷺ حضرت ام حبیبہ کے ہاں تشریف لائے، درآنحالیکہ معاویہ کا سر اُن کی گود میں تھا اور وہ اُن کی جوئیں نکال رہی تھیں۔ آقا ﷺ نے اُنہیں فرمایا: کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟ اُنہوں نے عرض کیا: مجھے کیا ہوا کہ میں اپنے بھائی سے محبت نہ کروں؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ اور اُس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں"۔

(تاریخ دمشق ج۵۹ ص۸۹)

امیر اہل سنت نے بھی یہ موضوع و باطل روایت لکھ ماری ہے۔

(فیضان امیر معاویہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ص۱۶۹، ۱۷۰)

امام ابن عساکر نے اسے عقیلی کی سند سے روایت کیا ہے اور عقیلی نے اس کو عبداللہ بن بکار الاشعری سے

روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے:

مَجْهُوْلٌ فِي النَّسَبِ وَالرِّوَايَةِ ، حَدِيْثُهُ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ.

''یہ نسب اور روایت دونوں میں مجہول ہے، اس کی حدیث غیر محفوظ ہے''۔

(کتاب الضعفاء للعقیلي ج۲ ص۲۳۷)

امام ذہبی اور عسقلانی دونوں نے محدث عقیلی کے اِن الفاظ سے اتفاق کیا ہے۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص۳۹۸؛لسان المیزان ج٤ ص٤٤٢)

اِس کے بعد امام ذہبی نے حدیث نقل فرمائی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

فَهٰذَا غَيْرُ صَحِيْحٍ .

''پس یہ صحیح نہیں ہے''۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص۳۹۸،وط: ج٤ ص٦٩)

حافظ عسقلانی نے وضاحت فرمائی ہے کہ ''فَهٰذَا غَيْرُ صَحِيْحٍ'' کے الفاظ محدث عقیلی کے نہیں بلکہ امام ذہبی کے ہیں، اور امام ذہبی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ الفاظ عقیلی کے ہیں اور نہ ہی حافظ رحمہ اللہ نے اِن الفاظ پر امام ذہبی سے اختلاف کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے اس روایت کو امام طبرانی کی ''المعجم الکبیر'' سے نقل کیا ہے مگر یہ طبرانی کے مطبوع نسخے میں موجود نہیں ہے۔ طبرانی کبیر کے کچھ اجزاء مفقود ہیں یقیناً یہ اُن میں ہوگی۔ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

فِيْهِ مَنْ لَمْ أَعْرِفْهُمْ.

''اس میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا''۔

(مجمع الزوائد۹ ص۳۵۵)

خدا جانے کہ وہ کیسے کیسے آفت کے پرکالے ہوں گے؟

کتبِ احکام اور کتبِ رجال میں ''لَمْ يَصِحَّ'' اور ''غَيْرُ صَحِيْحٍ'' کے الفاظ کے استعمال میں اصطلاحی فرق

ابھی ابھی آپ نے جو مذکورہ حدیث کے آخر میں امام ذہبی کے یہ الفاظ پڑھے ہیں ''فَهٰذَا غَيْرُ صَحِيْحٍ''

(پس یہ حدیث صحیح نہیں ہے) تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو پھر حسن وغیرہ ہوگی بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ موضوع و باطل روایت ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ علماء حدیث جب کتبِ احکام وغیرہ میں کسی حدیث کے متعلق "لَایَصِحُّ ، لَمْ یَصِحّ" وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہاں اصطلاحی معنی مراد ہوتا ہے اور اُس صورت میں اُس حدیث سے صحت کی نفی تو ہوتی ہے لیکن حسبِ قواعد اُس کا شمار حدیثِ صحیح سے نچلے درجے کی احادیث میں ہوسکتا ہے اور وہ قابلِ استدلال بھی ہوتی ہے لیکن ایسے الفاظ جب کتب "موضوعات، ضعفاء" اور کتبِ اسماء الرجال میں آئیں تو وہاں اُس حدیث کا موضوع و باطل ہونا مراد ہوتا ہے اور وہ قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشہور محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَوْلُهُمْ فِي الْحَدِيْثِ: لَايَصِحُّ ، أَوْ: لَايَثْبُتُ ، أَوْ: لَمْ يَصِحَّ ، أَوْ: لَمْ يَثْبُتْ ، أَوْ: لَيْسَ بِصَحِيْحٍ ، أَوْ: لَيْسَ بِثَابِتٍ ، أَوْ: غَيْرُثَابِتٍ ، أَوْ: لَايَثْبُتُ فِيْهِ شَيْءٌ ، وَنَحْوَ هٰذِهِ التَّعَابِيْرِ ، إِذَا قَالُوْهُ فِيْ كُتُبِ الضُّعَفَاءِ أَوِ الْمَوْضُوْعَاتِ ، فَالْمُرَادُ بِهٖ أَنَّ الْحَدِيْثَ الْمَذْكُوْرَ مَوْضُوْعٌ ، لَا يَتَّصِفُ بِشَيْءٍ مِنَ الصِّحَّةِ ، وَإِذَا قَالُوْهُ فِيْ كُتُبِ أَحَادِيْثِ الْأَحْكَامِ ، فَالْمُرَادُ بِهٖ نَفْيُ الصِّحَّةِ الِاصْطِلَاحِيَّةِ.

"محدثین کرام کسی حدیث کے بارے میں "لایصح" یا "لایثبت" یا "لم یصح" یا "لم یثبت" یا "لیس بصحیح" یا "لیس بثابت" یا "غیر ثابت" یا "لایثبت فیه شيء" وغیرہ الفاظ جو استعمال کرتے ہیں، اگر اُن کے ایسے اقوال کتب "ضعفاء" اور کتب "موضوعات" میں ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث موضوع (جعلی) ہے اور اگر اُن کے ایسے اقوال کتب حدیث میں ہوں تو اس سے اصطلاحی صحت کی نفی مراد ہوتی ہے"۔

آگے چل کر شیخ ابوغدہ اپنے شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہما کی طویل عبارت لائے ہیں، اُس عبارت کا ایک توضیحی جملہ یہ ہے:

وَلَايَلْزَمُ مِنَ الْأَوَّلِ نَفْيُ الْحُسْنِ أَوِ الضُّعْفِ ، وَيَلْزَمُ مِنَ الثَّانِيْ الْبُطْلَانُ.

پس قولِ اول سے حدیث کے اصطلاحی حسن یا ضعف کی نفی لازم نہیں آتی لیکن دوسرے قول سے بطلان لازم آتا ہے"۔

(ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجاني ص٤٦٧، ٤٦٨؛ مقدمة: المصنوع في

معرفة الحديث الموضوع لعلي القاري ص ٢٧، ٢٨)

شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بحث تقریباً (۹) نوصفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اُس میں اُنہوں نے اس موضوع پر "**ميزان الاعتدال، لسان الميزان، الموضوعات لابن الجوزي، اللآلي المصنوعة**" وغیرھا کتب سے بہت ساری مثالیں پیش کی ہیں اور واضح کیا ہے کہ جب ایسی کتب میں کسی حدیث کو غیر صحیح کہا جائے تو اس سے اُس حدیث کا موضوع ہونا مراد ہوتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ انتہائی لطیف ہے، بڑے بڑے محدثین اس فرق کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ بہر حال زیر بحث حدیث کو چونکہ کتب ضعفاء اور کتب موضوعات میں غیر محفوظ اور غیر صحیح کہا گیا ہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ اُن میں سے پہلی حدیث کی سند میں ایک شخص عبداللہ بن بکار کے بارے میں لکھا ہے:

قَالَ الْعُقَيْلِيُّ : عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَكَّارٍ مَجْهُوْلٌ ، حَدِيْثُهُ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ.

"عقیلی نے کہا: عبداللہ بن بکار مجہول ہے، اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے"۔

دوسری روایت میں عبدالرحمان بن ابی الزناد ہے۔ اس کے بارے میں ابن الجوزی لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ لَايَصِحُّ ، وَفِيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَانِ بْنِ أَبِي الزِّنَادِ ، قَالَ أَحْمَدُ : هُوَ مُضْطَرِبُ الْحَدِيْثِ ، وَقَالَ يَحْيىٰ وَالرَّازِيْ : لَا يُحْتَجُّ بِهِ.

"یہ حدیث موضوع ہے، اس میں عبدالرحمان بن ابی الزناد ہے، امام احمد فرماتے ہیں: وہ مضطرب الحدیث ہے اور محدث یحییٰ اور ابوحاتم رازی نے کہا: اس سے دلیل نہیں لی جاتی"۔

(العلل المتناهية في الأحاديث الواهية ج١ ص ٢٢٧، ٢٧٨ حديث ٤٤٥، ٤٤٦)

کسی محدث کا اپنے ضابطے پر پورا نہ اترنا

خیال رہے کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "**العلل المتناهية في الأحاديث الواهية**" کا شمار کتب ضعفاء میں ہوتا ہے اور اوپر جو اصول بیان کیا گیا ہے اُس میں فقط کتب "**موضوعات**" کا نہیں بلکہ کتب "**ضعفاء**" کا ذکر بھی ہے، لہٰذا امام ابن الجوزی کا "**العلل**" میں اِس حدیث کے بارے میں لکھنا "**هٰذَا حَدِيْثٌ لَايَصِحُّ**" اِس کے اظہارِ موضوعیت کے لیے ہے، حسن یا ضعیف کے لیے نہیں۔ جب اُنہوں نے پہلے ہی اپنی اِسی

کتاب کے مقدمہ فرمایا ہے:

وَقَدْ جَمَعْتُ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ الْأَحَادِيْثَ الشَّدِيْدَةَ التَّزَلْزُلِ الْكَثِيْرَةَ الْعِلَلِ.

''میں نے اِس کتاب میں وہ احادیث جمع کی ہیں جو شدید متزلزل اور کثیر سقم والی ہیں''۔

(العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية ج١ ص١٧)

تو پھر اُن کا مذکورہ شدید ترین ضعیف حدیث پر ''هٰذَا حَدِيْثٌ لَايَصِحُّ'' لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہی کہ وہ اِس کثیر العلل اور شدید التزلزل والی حدیث کو حسن یا ضعیف ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ نہیں بلکہ مذکور الصدر ضابطہ کے مطابق وہ اِس کا موضوع ہونا ظاہر فرما رہے ہیں۔ باقی رہا اُن کا یہ لکھنا کہ وہ اِس کتاب میں فقط شدید ترین ضعیف احادیث درج کریں گے موضوع نہیں۔ اس پر میری گزارش ہے کہ ایسے ضابطے محدثین قائم کیا کرتے ہیں اور حتی الامکان پورا اترنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن مکمل پورے نہیں اترتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا پھر مخلوق کی کتابوں اور خالق کی کتاب میں کیا فرق ہوتا؟ دیکھئے! امام سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنی اس کتاب کو موضوع احادیث سے محفوظ رکھا ہے لیکن اِس دعویٰ کے باوجود اُن کی کتاب میں بعض موضوع احادیث بھی داخل ہوگئیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں ''اَلدُّنْيَا سَبْعَةُ آلَافٍ'' کی صورت میں ایک مثال آئے گی۔ فی الجملہ یہ کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا شدید ترین تزلزل اور علل کی شکار حدیث کے آخر میں لکھنا ''هٰذَا حَدِيْثٌ لَايَصِحُّ'' اُس حدیث کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی مزید دلیل و تائید یہ ہے کہ وہ امام ذہبی جنہوں نے ''میزان الاعتدال'' میں اس حدیث پر لکھا تھا ''فَهٰذَا غَيْرُ صَحِيْحٍ'' اُنہوں نے اپنی دوسری کتب میں اِس حدیث کو صاف موضوع اور جھوٹی لکھ دیا ہے اور جس شخص نے یہ جھوٹی آفت ڈھائی ہے اُس کی نشاندہی بھی فرما دی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب میں یہ عنوان قائم کیا ہے:

فَمِنَ الْأَبَاطِيْلِ الْمُخْتَلَقَةِ.

''گھڑی ہوئی باطل حدیثیں''۔

پھر اس حدیث کو بھی اسی عنوان کے تحت نقل کر کے اس کا بطلان ظاہر کیا ہے اور پھر ایسی چند مزید باطل احادیث درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

فَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ ظَاهِرَةُ الْوَضْعِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''پس یہ تمام احادیث واضح طور پر موضوع ہیں، واللہ اعلم''۔

(سیر أعلام النبلاء ج۳ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

امام ذہبی نے ایک اور مقام میں لکھا ہے:

وَهٰذَا حَدِيْثٌ كَذِبٌ ، رُوَاتُهُ ثِقَاتٌ سِوَى ابْنِ رِجَاءٍ ، فَهُوَ الآفَةُ.

''یہ جھوٹی حدیث ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں ماسوا ابن رجاء کے، پس وہی آفت ہے''۔

(تلخيص كتاب العلل المتناهية للذهبي ص ۹۵)

بعض لوگ مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام ذہبی نے اِس حدیث کو موضوع لکھا تو ہے پر اُنہوں نے کوئی ماخذ درج نہیں کیا۔ ایسے لوگ اپنی کمال ہیرا پھیری پر شاباش کے مستحق ہیں۔ گویا اِن لوگوں کے نزدیک امام ذہبی کی کتب ماخذ کا درجہ نہیں رکھتیں۔ خدا کے بندو! جب اُنہوں نے رجال پر بحث کرنے کے بعد یہ حکم لگایا ہے تو پھر اس کے سوا اور کون سا ماخذ درکار ہے؟ اگر کسی سے ہو سکتا ہے تو وہ اُن سے اختلاف کرے اور اُن کی کتب سے زیادہ معتمد مآخذ سے اس حدیث کا حسن یا کم از کم ضعیف ہونا ہی ثابت کر دے۔

کہا جا سکتا ہے کہ خواہ مخواہ پانی میں مدھانی چلائی گئی، امام ابن عساکر کی نقل کردہ روایت پر تو بات کی ہی نہیں۔ آیئے! امام ابن عساکر سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ اُن کے نزدیک زیر بحث حدیث کا کیا حکم ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ "تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج۵۹، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۸ھ" میں امیر شام کا ترجمہ (تذکرہ) صفحہ ۵۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۱ پر ختم ہوتا ہے۔ امام ابن عساکر نے صفحہ ۵۵ سے ۶۷ تک ابتدائی اور تمہیدی گفتگو کی ہے، پھر صفحہ ۶۸ سے ۱۰۶ تک وہ احادیث چلائی ہیں جن کو لوگوں نے امیر شام کی شان میں خود بنا کر حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے، اور پھر صفحہ ۱۰۶ پر پہنچ کر اُنہوں نے امام اسحاق بن راھویہ کا یہ مشہور ترین قول نقل کیا ہے:

لَايَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ شَيْءٌ.

''نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے فضیلتِ معاویہ میں کوئی چیز ثابت نہیں''۔

(تاريخ دمشق ج۵۹ ص ۱۰۶)

یوں اُنہوں نے زیر بحث حدیث کے ساتھ ساتھ گذشتہ سطور کی تمام احادیثِ موضوعہ پر پانی پھیر دیا ہے، اور آخر میں اُنہوں نے اپنا فیصلہ یوں دیا ہے:

وَأَصَحُّ مَا رُوِيَ فِي فَضْلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيثُ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ كَاتِبَ النَّبِيِّ ﷺ . فَقَدْ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ ، وَبَعْدَهُ حَدِيثُ عِرْبَاضٍ : اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ ، وَبَعْدَهُ حَدِيثُ ابْنِ أَبِي عُمَيْرَةَ : اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا.

''اور معاویہ کی فضیلت میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اُس میں زیادہ سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جو ابوحمزہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کاتب تھے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عرباض کی یہ حدیث ہے: ''اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ'' اور اس کے بعد ابن ابی عمیرہ کی یہ حدیث ہے: ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا''.

(تاريخ دمشق ج۵۹ ص۱۰۶)

امام سیوطی نے بھی ابن عساکر کا یہ کلام نقل کیا ہے:

(الزيادات على الموضوعات ص ۳۰۱،۳۰۲)

جب امام ابن عساکر کے مطابق امیر شام کی شان میں زیادہ سے زیادہ لائق قبول فقط یہ تین روایات ہیں تو پھر مؤلفین ''فیضان امیر معاویہ'' کی بیان کردہ زیر بحث حدیث اور باقی روایات کس کھاتے میں جائیں گی؟

خیال رہے کہ ابن عساکر نے جن تین روایات کو فضائل معاویہ میں کسی حد تک قابل قبول بتایا ہے، اُن میں بھی مؤخر الذکر دو روایتیں موضوع ہیں، جن میں سے ایک ''اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ'' پر بات ہو چکی ہے، دوسری پر آئندہ صفحات میں بحث و نظر آ رہی ہے، اور اول الذکر میں بھی فضیلت نہیں بلکہ اُس کے برعکس معاملہ ہے، جیسا کہ عنقریب تفصیل آ رہی ہے۔

اے اللہ! اس کا پیٹ علم و حلم سے بھر دے

شانِ معاویہ میں گردش کرنے والی موضوع روایات میں ایک روایت یہ بھی ہے۔ اس روایت کو بعض مقررین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''التاريخ الكبير'' سے نقل کیا ہے لیکن سامعین پر رعب ڈالتے رہے کہ اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ بہرحال امام بخاری لکھتے ہیں:

وَحْشِيُّ الْحَبْشِيُّ مَوْلَى جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ الْقُرَشِيُّ ، نَزَلَ الشَّامَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ ، قَالَ لِي . . ۲ إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ مُبَارَكٍ الصُّورِيُّ ، قَالَ: نَا

خود وحشی بھی اُموی غلام تھا، یہ وہی ہے جس نے سیدنا امیر حمزہ ﷛ کو قتل کیا تھا، نبی کریم ﷺ اسے منہ نہیں لگاتے تھے، یہ اکثر نشہ میں دھت رہتا تھا حتیٰ کہ اس کی موت بھی حالتِ نشہ میں ہوئی تھی۔ سیدنا عمر بن الخطاب ﷛ فرماتے ہیں:

مَا زَالَتْ لِوَحْشِيٍّ فِيْ نَفْسِيْ حَتّٰى أُخِذَ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ بِالشَّامِ فَجُلِدَ الْحَدَّ، فَحَطَطْتُ عَطَاءَهُ إِلٰى ثَلَاثِ مِئَةٍ، وَكَانَ فَرَضَ لَهُ عُمَرُ فِيْ أَلْفَيْنِ.

''ہمیشہ میرے دل میں وحشی کے لیے کچھ کھٹکا سا رہا، یہاں تک کہ وہ پکڑا گیا، اُس نے شام میں شراب پی تو اُس کو حد لگائی گئی، پھر میں نے اُس کا وظیفہ تین سو تک محدود کر دیا۔ راوی کہتے ہیں: اس سے قبل سیدنا عمر ﷛ نے اُسے دو ہزار وظیفہ والوں میں شامل کر رکھا تھا''۔

(تهذيب الكمال ج ٣٠ ص ٤٣٠ ؛ تهذيب التهذيب ج٦ ص ٧١٠)

امام علاؤ الدین مغلطائی حنفی لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: مَاتَ غَرَقًا فِي الْخَمْرِ زَعَمُوْا.

''ابن شہاب فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا: وہ شراب میں غرق ہونے کی حالت میں مرا تھا''۔

(إكمال تهذيب الكمال ج١٢ ص ٢١١)

یاد رہے کہ وحشی بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا، لہٰذا اُس کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، جبکہ عند المحدثین اُسے صحابی سمجھا جاتا ہے اور بلاشبہ صحابیت ایک رتبۂ عظمیٰ تو ہے لیکن کوئی ایسا لائسنس نہیں کہ آدمی جو چاہے کرتا رہے، اُس سے کوئی مواخذہ ہوگا اور نہ ہی کوئی حساب، البتہ بدری صحابہ کرام ﷭ کو استثنا حاصل ہے، پھر اُن کے بعد بیعت رضوان والوں کو رضائے الٰہی کا مژدہ سنایا گیا لیکن وہ بھی مشروط، کیونکہ فرمایا گیا:

فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ.

''تو جس نے عہد توڑا اُس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا''۔

(الفتح: ١٠)

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ انہی حضرات پر سابقین کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ ''الصحابة والطلقاء'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

متن گھڑنا اور سند تبدیل کرنا

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکور الصدر حدیث کے یہ سب راوی یا تو اُموی ہیں یا پھر اُن کے غلام ہیں اور شامی بھی ہیں۔ چونکہ وحشی اور صدقہ بن خالد کے درمیان ۸۳ یا ۶۸ برس کا فرق ہے اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس ظالم نے یہ حدیث گھڑ کر مذکورہ سند پر چڑھا دی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی حدیثوں کا گھڑنا ایک دور میں باقاعدہ دھندے میں شامل تھا۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں''۔

(سيرة النبي ﷺ ج ۱ ص ۶۹)

سو چونکہ بنو امیہ کے دور میں حدیث گھڑنے کا دھندا عروج پر تھا، اس لیے عین ممکن ہے کہ کسی نے ہاتھ رنگنے کے لیے حدیث گھڑ کر ثقہ راویوں پر چڑھا دی ہو۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ متن تو گھڑا جاتا تھا لیکن سند گھڑی نہیں جاتی تھی بلکہ صاف ستھری سند کو موضوع حدیث پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ برھان الدین حلبی لکھتے ہیں:

وَضَرْبٌ يُقَلِّبُوْنَ سَنَدَ الْحَدِيْثِ لِيُسْتَغْرَبَ ، فَيَغْرِبُ فِيْ سِمَاعِهِ مِنْهُمْ.

''اور ایک قسم [illegible] لوگ دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر حدیث کی سند کو تبدیل کرتے ہیں تا کہ رغبت پیدا کی جا[illegible] ندہ اُن راویوں کی وجہ سے اُس حدیث کی سماعت میں دلچسپی لے''۔

(الكشف الحثيث للحلبي ص ۲۹)

کیا امام بخاری کی تمام کتب قابلِ وثوق ہیں؟

اس روایت میں بھی یہی گھناؤنی کارروائی کی گئی ہے لیکن کنز العلماء صاحب فاتحانہ انداز میں اس روایت کو پیش کرتے رہے اور باور کراتے رہے کہ یہ امام بخاری نے بیان کی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ کنز العلماء صاحب کا یہ تأثر غلط ہے کہ امام بخاری کی تمام تصانیف معتبر ہیں۔ اُن کی تمام کتب معتبر نہیں بلکہ یہ مقام فقط اُن کی ''الجامع الصحیح'' کو ہی حاصل ہے، تاہم اس پر بھی اجماعِ امت نہیں اور وہ بھی اختلاف واعتراض سے مبرا نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ سید مرتضیٰ حسینی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ ''حدیث مردود'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

وَكَذَا إِذَا سَقَطَ كُلُّ رِجَالِهِ فَحُكْمُهُ فِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ إِنْ أُتِيَ بِقَالَ ، أَوْ

''رَوٰی'' دَلَّ عَلٰی أَنَّهُ ثَبَتَ عِنْدَهُ، أو بِـ''ذُكِرَ'' وَ ''يُقَالُ'' فَفِيْهِ مَقَالٌ، وَأَمَّا فِيْ غَيْرِ صَحِيْحِهٖ فَمَرْدُوْدٌ لَا يُقْبَلُ.

''اوراسی طرح جب امام بخاری اپنے تمام راویوں کوگرادیں توایسی حدیث کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ صحیح بخاری میں ہواورامام بخاری اُسے ''قَــالَ'' یا ''رَوٰی'' سے لائے ہوں تو یہ انداز اِس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک ثابت ہے، اوراگر ''یُذْکَرُ'' یا ''یُقَالُ'' سے لائے ہوں تو پھراُس میں کلام کی گنجائش ہے، اور صحیح بخاری کے علاوہ اُن کی کسی دوسری کتاب میں بلا سند حدیث ہوتو وہ مردود ہے اسے قبول نہیں کیا جائے گا''۔

(بلغة الأريب في مصطلح آثار الحبيب ص ۱۹۲)

لہٰذا خود سوچئے کہ ''التاريخ الكبير'' میں درج شدہ ایک ایسی روایت کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے جس میں دوراویوں کے درمیان ۶۸ یا ۸۳ سال کا فرق ہے؟ قارئین کرام! مقامِ غور ہے کہ آسمانی کتابیں یکساں معتبر نہیں ہیں لیکن کنز العلماء صاحب کا کمال دیکھئے کہ وہ امام بخاری کی تمام کتابوں کو یکساں معتبر قرار دے رہیں! کیا علماءِ حق سے ایسی مغالطہ آفرینی کی توقع کی جاسکتی ہے؟

امام ذہبی اِس موضوع روایت کونقل کرنے کے بعد صالح جزرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

لَا تَشْتَغِلْ بِوَحْشِيٍّ وَلَا بِأَبِيْهِ.

''وحشی اوراُس کے باپ میں مت مشغول ہو''۔

(تاريخ الإسلام للذهبي ج ٤ ص ٣١٠)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ بعض کذاب قسم کے لوگوں نے اِس حدیث کووضع کرکے اسے وحشی کی طرف منسوب کردیا ہوگا، ورنہ نشہ میں دُھت رہنے والے شخص کوایسے دھندے سے کیا سروکار؟

''اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا'' کے مؤیدین سے سوال

اس روایت کوبیان کرنے والوں سے ہماراسوال ہے کہ اگر یہ روایت اُن کے نزدیک صحیح ہے اور اِس میں مذکور دعائے نبوی ''اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا وَّحِلْمًا'' (اے اللہ! اس کے پیٹ کوعلم وحلم سے بھردے) جناب معاویہ

کے حق میں مقبول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ موصوف دوسرے مسائل تو کیا ارکانِ حج کی ادائیگی میں بھی اکابر صحابہ ﷺ کے محتاج ہوتے تھے؟ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷺ سے عرض کیا:

يَا أَبَا إِسْحَاق ! إِنَّا قَوْمٌ قَدْ أَجْفَانَا هٰذَا الْغَزْوُ عَنِ الْحَجِّ ، حَتّٰى كِدْنَا أَنْ نَنْسٰى بَعْضَ سُنَنِهِ ، فَطُفْ نَطُوْفُ بِكَ.

''اے ابواسحاق! ہم ایسی قوم ہیں جنہیں اِس جنگ نے حج سے دور رکھا ہے، حتیٰ کہ ہم اس کی بعض سنتیں بھولنے لگے، لہٰذا آپ طواف شروع کریں تو ہم آپ کے ساتھ طواف کرتے جائیں گے''۔

(تاریخ دمشق ج٤٢ ص١١٩ ؛مختصر تاریخ دمشق ج١٧ ص٣٣٥؛ البداية والنهاية ج٥ ص٥٣، وط: ج٧ ص٥٦٥)

ایمان سے بتلایئے! دعائے نبوی ﷺ کی بدولت جس شخص کا پیٹ علم سے بھر چکا ہو، کیا وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے؟ کیا کبھی بابُ مدینۃ العلم سیدنا علی علیہ السلام بھی کسی مسئلہ میں دوسرے کے محتاج ہوئے؟

نوٹ

خیال رہے کہ امام ابن عساکر نے فضائلِ معاویہ میں زیادہ سے زیادہ جن تین روایات کو کسی کھاتے میں رکھا ہے یہ روایت اُن کے علاوہ ہے، لہٰذا یہ روایت اُن کے نزدیک بھی قابلِ اعتبار نہیں۔

''خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' میں باطل روایت

یوں تو ایسے تمام لوگ جنہیں فضائل معاویہ میں صحیح مواد نہیں ملتا ''خال المؤمنین، خال المؤمنین'' کی رٹ لگاتے ہی رہتے ہیں مگر 2013ء میں جلالی صاحب نے ایوانِ اقبال، لاہور میں اور مؤلفین ''فیضانِ امیر معاویہ'' نے دیگر موضوع وباطل روایات کے ساتھ ساتھ ایک موضوع روایت لفظ ''خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے بارے میں بھی بیان کر ڈالی، اور جلالی صاحب نے تو انتہائی فاتحانہ انداز میں کہا کہ اور تو اور صحابہ کرام ﷺ بھی امیر شام کو خال المومنین کہتے تھے۔ چونکہ جلالی صاحب نے اِس جھوٹی روایت کو درمنثور کے حوالے سے بیان کیا ہے اور مؤلفین ''فیضان امیر معاویہ'' نے بھی متعدد حوالہ جات کے ساتھ پہلا حوالہ درمنثور کا ہی دیا ہے، لہٰذا ہم بھی اس روایت کو اُسی سے باسند نقل کر رہے ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَأَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ ، وَابْنُ الْمُنْذِرِ ، وَابْنُ عَدِيٍّ ، وَابْنُ مَرْدُوَيْهِ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّلَائِلِ ، وَابْنُ عَسَاكِرَ مِنْ طَرِيْقِ الْكَلْبِيِّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهِ ﴿عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُم مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ قَالَ : كَانَتِ الْمَوَدَّةُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُمْ تَزْوِيْجَ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ أَبِيْ سُفْيَانَ ، فَصَارَتْ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ ، وَصَارَ مُعَاوِيَةُ خَالَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

''کلبی کے طریق سے از ابوصالح روایت ہے کہ سیدنا ابن عباس ؓ نے ارشادِ الٰہی:
﴿قریب ہے کہ اللہ تم میں اور ان میں، جو اُن میں سے تمہارے دشمن ہیں دوستی کر دے﴾ کی تفسیر میں فرمایا: یہ محبت جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے درمیان پیدا فرمائی، وہ نبی کریم ﷺ کا ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کرنا ہے۔ پس وہ ام المومنین ہو گئیں اور معاویہ خال المومنین ہو گئے''۔

(الدر المنثور ج١٤ ص٤١١)

افسوس کہ یہ حدیث روایۃً اور درایۃً دونوں طرح موضوع (جعلی) ہے۔ درایۃً اس کا موضوع ہونا علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے:

وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ تَزَوُّجَهَا كَانَ وَقْتَ هِجْرَةِ الْحَبْشَةِ ،وَنُزُوْلِ هٰذِهِ الْآيَاتِ سَنَةَ سِتٍّ مِنَ الْهِجْرَةِ ، فَمَا ذُكِرَ لَا يَكَادُ يَصِحُّ بِظَاهِرِهِ ، وَفِيْ ثُبُوْتِهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَقَالٌ.

''آپ جانتے ہیں کہ ام حبیبہ سے شادی ہجرتِ حبشہ کے وقت ہوئی تھی، جبکہ اِن آیات کا نزول چھ ہجری میں ہوا، لہٰذا جو کچھ بیان کیا گیا بظاہر وہ صحیح نہیں اور ابن عباس ؓ سے اس کے ثبوت میں کلام ہے''۔

(روح المعاني ج٢٧ ص٧٩)

مطلب یہ ہے کہ آیت میں مستقبل میں مودت پیدا کر دینے کا ذکر ہے جبکہ ام المومنین ام حبیبہ سے شادی اس سے پہلے ہو چکی تھی، لہٰذا جو ماضی میں ہو چکا قرآن مجید میں اُس کا مستقبل میں ہونا کیسے بیان کیا جا سکتا ہے؟ سو چونکہ ایسی بے تکی بات کا سیدنا ابن عباس ؓ سے منقول ہونا بعید ہے، اس لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے راویوں کی جرح و تعدیل کے جھنجھٹ میں پڑے بغیر مختصراً یہ فرما دیا کہ ابن عباس سے اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے۔ وہ کیسے؟ اس سلسلے میں سند کے بعض راویوں کے احوال سے معاملہ واضح ہو جائے گا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے

لکھا ہے: "مِنْ طَرِيْقِ الْكَلْبِيِّ ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ" (کلبی نے ابوصالح سے روایت کیا) کلبی اور ابوصالح یہ دونوں کون تھے؟ امام ابن عساکر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد اِن دونوں کا تعارف یوں کرایا ہے:

"ابوصالح کا نام باذام مکی ہے اور کلبی کا نام محمد بن سائب ہے"۔

(تاریخ دمشق ج۳ص۲۰۸)

علماء اسماء الرجال نے اِس کلبی کو کذاب اور ساقط کہا ہے، اور اِسی کذاب نے خود اعتراف کیا کہ جو کچھ اس نے از ابوصالح روایت کیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ چنانچہ امام ابن عدی اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

قَالَ الْكَلْبِيُّ : كُلُّ شَيْءٍ أُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ فَهُوَ كِذْبٌ.

"کلبی نے کہا: ہر وہ چیز جو میں نے ابوصالح سے روایت کی ہے تو وہ جھوٹ ہے"۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج۷ص۲۷٤،۲۷۵؛ تهذيب التهذيب ج٥ص٥٩٥)

جبکہ جس ابوصالح باذام مکی سے اس نے روایت کیا ہے اُس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ أَبِيْ خَيْثَمَةَ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ :لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ ، وَإِذَا رَوٰى عَنْهُ الْكَلْبِيُّ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ.

"ابن ابی خیثمہ ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جب اس سے کلبی روایت کرے تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے"۔

(تهذيب التهذيب ج١ص٣٩١)

خود کلبی کہتا ہے:

قَالَ لِيْ أَبُوْصَالِحٍ :اُنْظُرْ كُلَّ شَيْءٍ رَوَيْتَ عَنِّيْ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَلَا تَرْوِهِ.

"مجھے ابوصالح نے کہا: غور کرلو! ہر وہ چیز جو تم نے مجھ سے از ابن عباس روایت کی ہے تو اب اسے مت روایت کیا کرو"۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج۷ص۲۷٤)

معلوم ہوا کہ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا محض خوش فہمی ہے۔ اگر یہ واقعی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہی قول ہوتا تو بعض طلقاء ابن عباس کے بھی خال (ماموں) ہوتے اور وہ اپنے ماموں کی تعظیم کرتے، جبکہ اُنہوں نے بعض مسائل میں موصوف کو ایک جانور تک سے تعبیر کرنے میں عار محسوس نہ فرمائی،

جیسا کہ "شرح معاني الآثار، باب الوتر" میں اُن کی تصریح موجود ہے۔ ویسے بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی ایسے شخص کی تعظیم کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے جس کے بارے میں اُنہیں معلوم تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم اور لعنت کرتا ہے؟

مُعَاوِيَةُ بنُ أَبِي سُفْيَانَ أَحْلَمُ...

"فیضانِ امیر معاویہ" کے مؤلفین نے پہلے یہ عنوان قائم کیا ہے "سب سے حلیم وسخی" پھر لکھا ہے:

"حضرت سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مُعَاوِيَةُ بنُ اَبِي سُفيَانَ اَحلَمُ اُمَّتِي وَاَجوَدُهَا** یعنی میری اُمت میں معاویہ بن ابوسفیان سب سے بُردبار اور سخی ہیں"۔

(فیضان امیر معاویہ ص۱۷۸)

امیر اہل سنت نے اِس باطل روایت پر بالترتیب اِن تین کتب کے حوالے دیے ہیں:

[۱] بغية الباحث ، للهيثمي [۲] السنة ، للخلال [۳] المطالب العالية ، للعسقلاني.

اِن میں سے پہلی کتاب "بغية الباحث" پر عصر حاضر کے محقق دکتور حسین احمد صالح الباکری نے جو تحقیق کی ہے اُسی سے ہی صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فِي إِسْنَادِهِ بَشِيرُ بنُ زَاذَان ، مُتَّهَمٌ ، وَعُمَرُ بنُ صُبْحٍ مَتْرُوكٌ ، وَكَذَّبَهُ ابنُ رَاهُوْيَه.

"اس کی سند میں بشیر بن زاذان حدیث گھڑنے میں ملوث ہے، اور عمر بن صبح متروک ہے اور امام ابن راھویہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے"۔

(بغیۃ الباحث ص ۸۹۲، حاشیۃ ۸، ۹ و ص ۸۹۳ حاشیۃ ۲ حدیث ۹۶۵)

یہ وہی امام ابن راھُوْیَہ [یارَاھَوَیْہ] ہیں جن کا قول شروع میں آچکا ہے کہ فضائل معاویہ میں نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو دو سندوں سے لائے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عَلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

''یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر گھڑی ہوئی ہے''۔

(الموضوعات لابن الجوزي ج۲ ص۲۹)

اس حدیث کے راوی بشیر بن زاذان کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

''امام دارقطنی اور دوسرے محدثین کرام نے اسے ضعیف کہا ہے، امام ابن الجوزی نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے: ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' (یہ قابل اعتبار نہیں)''۔

(ميزان الاعتدال ج۲ ص٤١)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے:

قَالَ ابْنُ عَدِيٍ: أَحَادِيْثُهُ لَيْسَ لَهَا نُوْرٌ.

''امام ابن عدی نے کہا: اس کی روایات بے نور ہیں''۔

(لسان الميزان ج۲ ص۳۲۱)

علامہ برھان حلبی نے امام ابن الجوزی سے مکمل اتفاق کیا ہے۔

(الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث ص۷۷،۷۸)

اس میں دوسرا راوی عمر بن صبح تمیمی عدوی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''**تهذيب التهذيب**'' میں اس کی تعدیل میں ایک قول بھی منقول نہیں۔ اس کو کذاب، وضاع اور منکر الحدیث کہا گیا ہے، اور ''**تقريب التهذيب**'' میں اِن الفاظ میں خلاصہ پیش کیا گیا ہے:

مَتْرُوْكٌ كَذَّبَهُ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْه.

''یہ متروک ہے، امام اسحاق بن راھویہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے''۔

(تهذيب التهذيب ج٤ ص٧٢٦؛ تحرير تقريب التهذيب ج۳ ص٧٦)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا مَأْمُوْنٍ ، قَالَ ابْنُ حِبَّانٍ : كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيْثَ.

''یہ معتبر ہے اور نہ ہی امین ہے، امام ابن حبان نے فرمایا ہے: یہ حدیث گھڑتا تھا''۔

(ميزان الاعتدال ج۳ ص٢٠٦، وط: ج٥ ص٢٤٩)

۲۔ ''السنة للخلال'' میں یہ حدیث دوسندوں سے ہے، پہلی سند میں شداد بن اوس سے ابوقلابہ نے روایت کی ہے لیکن اس کا اُن سے سماع ثابت ہی نہیں۔ حافظ جمال الدین مزی اور حافظ عسقلانی نے جن صحابہ سے اس کا روایت کرنا ذکر کیا ہے اُن میں شداد بن اوس کا نام نہیں ہے۔ علماء اسماء الرجال سے ابوقلابہ کی ثقاہت تو منقول ہے لیکن اُس کے ساتھ یہ بھی منقول ہے:

بَصْرِيٌّ تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ وَكَانَ يَحْمِلُ عَلٰى عَلِيٍّ.

''بصری تابعی اور ثقہ تھا اور سیدنا علی ؓ کے خلاف بکواس کرتا تھا''۔

(معرفة الثقات للعجلي ج٢ ص ٣٠؛ تاريخ الثقات للعجلي ص ٢٥٧؛ تهذيب الكمال ج١٤ ص ٥٤٦؛ تهذيب التهذيب ج٣ ص ٤٨٥)

''السنة للخلال'' میں دوسری سند وہی ہے جس میں بشیر بن زاذان اور عمر بن صبح ہے اور ''بغية الباحث'' کی سند میں بھی یہی دونوں راوی ہیں اور اِن پر پہلے کلام ہو چکا ہے۔

۳۔ تیسرا حوالہ ''المطالب العالية'' کا ہے اور اُس کی سند میں بھی بشیر بن زاذان موجود ہے، نیز اُس میں شداد بن اوس صحابی سے مکحول کا روایت کرنا ذکر کیا گیا ہے لیکن عندالمحدثین مکحول کا شداد بن اوس سے سماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ محدث عقیلی نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَلَا يُتَابَعُ بَشِيْرٌ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهٖ.

''اس حدیث میں بشیر کی متابعت نہیں کی گئی اور اُس کے سوا یہ حدیث نہیں جانی گئی''۔

(كتاب الضعفاء للعقيلي ج١ ص ١٤٥؛ لسان الميزان ج٢ ص ٣٢١)

امام ابن الجوزی نے اِس کو دونوں سندوں سے لکھ کر فرمایا ہے:

وَفِي الطَّرِيْقَيْنِ جَمَاعَةٌ مَّجْرُوْحُوْنَ، وَالْمُتَّهَمُ بِهٖ عِنْدِيْ بَشِيْرُ بْنُ زَاذَانَ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ مِنْ فِعْلِهٖ أَوْمِنْ تَدْلِيْسِهٖ عَنِ الضُّعَفَاءِ، وَقَدْ اخْتَلَطَ فِيْ إِسْنَادِهٖ.

''اس سند کے دونوں طریقوں میں مجروحین کی ایک جماعت ہے اور میرے نزدیک بشیر بن زاذان اس میں ملوث ہے، یا تو اُس نے خود ہی اس کو وضع کیا ہے یا اُس نے ضعفاء کے متعلق تدلیس (فریب کاری) کی ہے اور سند میں گڑبڑ کر دی ہے''۔

(الموضوعات لابن الجوزي ج٢ ص ٣٠)

مطلب یہ ہے کہ اِس روایت کے موضوع ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ کنفرم نہیں کہ اِس کو بنایا بشیر بن زاذان نے ہے یا کسی اور نے۔

یہاں کوئی شخص امام سیوطی کی "اللآلي المصنوعة" کے حوالہ سے مغالطہ آفرینی کرسکتا ہے، کیونکہ اُنہوں نے امام ابن الجوزی کے مذکورہ بالا الفاظ کے بعد لکھا ہے:

قُلْتُ: فِي اللِّسَانِ : قَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ سَأَلْتُ أَبِي عَنْهُ فَقَالَ: صَالِحُ الْحَدِيْثِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''میں کہتا ہوں: "لسان المیزان" میں ہے: ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے کہا: وہ صالح الحدیث ہے، واللہ اعلم''۔

(اللآلي المصنوعة للسيوطي ج١ ص٤٢٨)

لیکن یہ فریب کاری نہیں چل سکتی کیونکہ "لسان المیزان" کے یہ الفاظ فقط بشیر بن زاذان کے متعلق ہیں جبکہ اِسی سند میں بشیر کا شیخ عمر بن صبح بھی موجود ہے اور اُس کو کذاب قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اصل آفت اُسی کی طرف سے ہے۔

محدث ابن عراق الکنانی نے لکھا ہے کہ اس نے خود احادیث گھڑنے کا اعتراف کیا ہے۔

(تنزيه الشريعة المرفوعة عن أخبار الشنيعة الموضوعة ج١ ص٩١)

پھر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس "لسان المیزان" سے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بشیر بن زاذان کی تعدیل میں یہ اکلوتا قول نقل کیا ہے اُسی میں سات اقوال اُن کی جرح میں بھی موجود ہیں اور اُن اقوال میں اس کو "لَيْسَ بِشَيْءٍ" کے ساتھ ساتھ حدیث گھڑنے میں ملوث، مدلّس اور مختلط بھی کہا گیا ہے۔ امام ابن عدی کا وہ قول بھی اسی جگہ مذکور ہے جو پہلے نقل کیا جاچکا ہے کہ ''اُس کی روایات بےنور ہیں'' اور امام ابن حبان کا یہ قول بھی موجود ہے:

غَلَبَ الْوَهَمُ عَلٰى حَدِيْثِهٖ ، حَتّٰى بَطَلَ.

''اُس کی حدیث پر وہم غالب آ گیا حتی کہ وہ باطل قرار پائیں''۔

(لسان الميزان ج٢ ص٣٢٠، ٣٢١)

امیر اہل سنت سے سوال

امیر اہل سنت سے سوال ہے کہ اگر اُن کے نزدیک یہ حدیث موضوع نہیں ہے تو پھر اُنہیں چاہیے کہ وہ ایک دفعہ اِس کے الفاظ میں غور فرمائیں، یہ اُن ہی کے نقل کردہ الفاظ ہیں:

مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ أَحْلَمُ أُمَّتِي وَأَجْوَدُهَا.

''میری اُمت میں معاویہ بن ابوسفیان سب سے بُردبار اور سخی ہیں''۔

عربی الفاظ کے ساتھ ترجمہ کے الفاظ بھی اُنہی کے ہیں۔ کیا وہ مجھ بے خبر کو یہ بتلانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ اِس حدیث میں ''أُمَّتِي'' کا لفظ بھی ہے اور اُن کے ترجمہ میں بھی امت کا لفظ واضح ہے تو کیا معاویہ اُن شیخین کریمین ﷺ سے بھی زیادہ حلیم اور زیادہ سخی تھے جن کا راہِ الٰہی میں خرچ کرنے پر مقابلہ ہوتا تھا؟ اِس گتھی کو ضرور سلجھائیں اور ہمیں سمجھائیں کہ آخر کیا راز تھا کہ ابن آکلۃ الأکبادا اُس پیکرِ صدق واخلاص سے بھی بڑھ گیا تھا جن سے سیدنا عمر ﷺ بھی نہیں بڑھ سکے تھے؟

معاویہ خلیفۂ اول سے بھی زیادہ حلیم؟

قارئین کرام! میرا خیال ہے کہ یہ عاجز اور آپ حضرات اس سوال کے جواب سے محروم ہی رہیں گے کیونکہ ہمارے یہ مہربان اِس سے قبل معاویہ کو حلم میں سیدنا ابوبکر ﷺ سے بھی افضل کہہ چکے ہیں اور باقاعدہ خلیفۂ اول کا نام لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جو حلم میں زیادہ ہو سخاوت وشجاعت وغیرہ میں بھی وہی زیادہ ہوتا ہے، اس لیے کہ سخاوت وشجاعت حلم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حلیم فرمایا گیا ہے۔ بہرحال امیر اہل سنت لکھتے ہیں:

> ''حضرت سیدنا محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: حضرت سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ حوصلہ منداور سب سے زیادہ حلیم الطبع ہیں۔ حاضرین مجلس نے عرض کی: کیا امیر المؤمنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ؟ تو حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مقام اور مرتبے کے اعتبار سے تو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر اور افضل ہیں لیکن

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ حلیم (بردبار) ہیں''۔

(فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص۴۳،۴۴)

آقا ﷺ نے کیا ہی خوب فرمایا تھا:

إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ.

''جب تیرا حیا نہ رہا تو تو جو چاہے کر''۔

(صحیح البخاري ص ٤٧٧ حدیث ٣٤٨٣،٣٤٨٤)

یعنی بے حیا باش! ہر چہ خواہی کن، یہ راویت ''السنة للخلال'' کی روایت نمبر ۶۸۱ ہے، اس میں فقط سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ پر ہی نہیں بلکہ سیدنا عمر ﷺ پر بھی فوقیت کا ذکر ہے۔ امیر اہل سنت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ روایت روایۃً اور درایۃً دونوں صورتوں میں باطل ہے۔ سنداً اس لیے کہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالملک بن جریج مجہول ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ گل اُسی نے کھلایا ہو، اور درایۃً اس لیے باطل ہے کہ خود اس حدیث کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما معاویہ کو اس حد تک غیر حلیم سمجھتے تھے کہ وہ اس کے دربار میں سچ بولنے سے بھی گھبراتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث نمبر [۴۱۰۸] میں ہے کہ ایک مجلس میں معاویہ نے کہا: جو شخص ہم سے زیادہ خلافت کا حق دار ہو وہ ذرا اپنے سینگ تو نکالے، یعنی سر تو اُٹھائے تو سیدنا ابن عمر ﷺ اس موقعہ پر اظہارِ حق سے رہ گئے تھے، کیوں رہ گئے تھے؟ خود اُن سے ہی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:

''میں ڈر گیا کہ میری بات سے زیادہ تفریق پیدا ہوگی، حتیٰ کہ خوں ریزی تک نوبت جا پہنچے گی اور میری بات کا کوئی اور مطلب لیا جائے گا۔ سو میں نے جنت میں اپنے اجر کو یاد کیا (اور خاموشی برتی)۔ حبیب نے کہا: آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا اور بچا لیا''۔

(بخاري ص ٥٦٠ حدیث ٤١٠٨)

حلیم و بردبار کے سامنے تو کوئی عام شخص بھی سچ بولنے سے نہیں گھبراتا، چہ جائیکہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گھبرا جائیں جو اُنہیں اپنے والد اور سیدنا ابوبکر ﷺ سے بھی زیادہ حلیم مانتے تھے؟ امیر اہل سنت کی تحقیق سے روگردانی کرنے سے بھی ہم خوف زدہ ہیں لیکن ہمارے سامنے ایسے حقائق بھی ہیں کہ اُن کے ممدوح کے سامنے ایسا سچ بولنا دشوار تھا جو اُن کے مفاد کے خلاف ہوتا تھا۔ چنانچہ متعدد علماء کرام سیدنا امام حسن بصری ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

ذَكَرُوا عِندَ مُعَاوِيَةَ شَيْئًا ، فَتَكَلَّمُوا ، وَالْأَحْنَفُ سَاكِتٌ ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : تَكَلَّمْ يَا أَبَا بَحْرٍ ، فَقَالَ : أَخَافُ اللّٰهَ إِنْ كَذَبْتُ وَأَخَافُكُمْ إِنْ صَدَقْتُ.

''لوگوں نے معاویہ کی مجلس میں کسی چیز کا ذکر کیا تو اُس میں خوب بحث کی لیکن احنف بن قیس خاموش رہے، اس پر معاویہ نے اُنہیں کہا: اے ابو بحر تم بھی کچھ بولو۔ اُنہوں نے فرمایا: اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کا ڈر ہے اور اگر سچ بولوں تو تمہارا ڈر ہے''۔

(الطبقات الكبرى ج٩ ص٩٤؛ الكامل في اللغة للمبرد ج١ ص٩٨؛ المنتظم ج٦ ص٩٣، ٩٤؛ تاريخ دمشق ج٢٤ ص٣٢٧؛ عيون الأخبار ج٢ ص١٨٠؛ تهذيب الكمال ج١ ص٤٧٩؛ سير أعلام النبلاء ج٤ ص٩٢؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٥ ص٣٥١؛ تذهيب تهذيب الكمال ج١ ص٢٩١؛ كنز الدرر لابن أيبك ج٤ ص٤٥؛ العقد الفريد ج١ ص٥٦؛ تاريخ اسلام للندوي حصه سوم ص٢٩٤)

اگر احنف بن قیس اُنہیں شیخین کریمین ﷺ سے بھی زیادہ حلیم سمجھتے تو اُن کے سامنے اظہارِ حق سے کیوں خوف زدہ ہوتے؟ شاید کوئی شخص اس کی یہ تاویل کرے کہ احنف بن قیس سکوت کے عادی تھے، اس لیے اُنہوں نے وہ کہا جو کہا، لیکن یہ تاویل باطل ہے، اس لیے کہ وہ حق گو آدمی تھے اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ حق گوئی آسان نہیں ہوتی، الا یہ کہ سامنے والا بھی حق پسند ہو۔ چنانچہ یہی احنف بن قیس تھے جو ایک مرتبہ سیدنا عمر ﷺ کے جلال بھرے دربار میں بھی حق گوئی سے نہیں رہ سکے تھے۔ چنانچہ امام ابن سعد لکھتے ہیں:

''سیدنا عمر ﷺ نے بنو تمیم قبیلے کا ذکر کیا تو اُن کی مذمت فرمائی، اس پر حضرت احنف نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المومنین مجھے بولنے کی اجازت دیجئے! فرمایا: بولیے۔ انہوں نے کہا: آپ نے بنو تمیم کا ذکر کیا تو پورے قبیلے کی مذمت کر دی، حالانکہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح لوگ ہی ہیں، اور لوگوں میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ سیدنا عمر ﷺ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا۔ پھر سیدنا عمر ﷺ نے خوبصورت طریقے سے معذرت کی''۔

(الطبقات الكبرى لابن سعد ج٩ ص٩٣؛ سير أعلام النبلاء ج٤ ص٩١؛ تاريخ دمشق ج٢٤ ص٣١٥؛ مختصر تاريخ دمشق ج١١ ص١٤٠؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٥ ص٣٤٩)

امیرِ اہلِ سنت نے اپنی پیش کردہ روایت میں معاویہ کو فاروق اعظم ﷺ سے بھی زیادہ حلیم کہا، لہٰذا عامۃ الناس کو بتلایا جائے کہ وہ کیا کریں؟ آیا وہ احنف بن قیس تابعی کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا عمر ﷺ کو زیادہ حلیم

تسلیم کریں یا موصوف کی تحقیق انیق کو حرز جاں بناتے ہوئے معاویہ کو اُن پر ترجیح دیں؟

قولِ ابن عمر اہم یا ارشادِ نبوی ﷺ؟

امیر اہل سنت سے ایک اور سوال بھی ہے، وہ یہ کہ حدیث حسن میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پوری امت سے زیادہ علیم اور حلیم سیدنا علی علیہ السلام کو فرمایا تھا۔ چنانچہ آقائے کائنات ﷺ نے سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کو اُن کے نکاح مبارک کے وقت فرمایا تھا:

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنِّي زَوَّجْتُكِ أَقْدَمَ أُمَّتِي سِلْماً وَأَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَأَعْظَمَهُمْ حِلْمًا؟

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو میری امت میں اسلام کے لحاظ سے قدیم، اُن سب سے بڑھ کر علیم اور اُن سب سے بڑھ کر حلیم ہے؟"۔

(مسند أحمد ج٥ ص٢٦ وج٦ ص٧٩٤ حديث ٢٠٥٧٣؛ فضائل الصحابة ج٢ ص٩٥٨ حديث ١٣٤٦؛ المعجم الكبير ج٢٠ ص٢٢٩؛ المصنف لابن أبي شيبة ج٦ ص٣٧٦ حديث ٣٢١٢٢، وط: ج١٧ ص١٣٥، ١٣٦ حديث ٣٢٧٩٤؛ الأحاد والمثاني ج١ ص ١٤٢ حديث ١٦٩؛ المعجم الكبير ج١ ص٥١ حديث ١٥٦، وط: ج١ ص٥٧ حديث ١٥٤؛ الاستيعاب ج٣ ص٢٠٣، عن أبي إسحاق؛ سير أعلام النبلاء ج٢ ص٦٢؛ تاريخ دمشق ج٤٢ ص١٢٦؛ مختصر تاريخ دمشق ج١٧ ص٣٣٧، ٣٤١؛ الرياض النضرة ج٤ ص١٣٨؛ مسند فاطمة الزهراء للسيوطي ص٥٠ حديث ٦٧؛ در السحابة للشوكاني ص٢٠٥)

حافظ ہیثمی نے فرمایا ہے:

"اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں ایک شخص خالد بن طہمان ہے، امام ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کی توثیق فرمائی ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں"۔

(مجمع الزوائد ج٩ ص١٠١ وط: ج٩ ص١٢٣ حديث ١٤٥٩٥، وط: ج٩ ص ٨٥ حديث ١٤٥٩٥)

شیخ احمد شاکر نے فرمایا ہے: اس کی سند حسن ہے۔

(مسند أحمد ج١٥ ص١٧٤ حديث ٢٠١٨٥)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کو اگر سچ تسلیم کیا جائے تو وہ اِس حدیث نبوی ﷺ کے

خلاف ہے، کیونکہ اس سے معاویہ کا سیدنا علی ﷛ سے زیادہ حلیم ہونا لازم آتا ہے، جبکہ اس حدیث کی رو سے علم وحلم میں معاویہ تو کجا شیخین کریمین ﷛ بھی سیدنا علی ﷛ سے مفضول ٹھہرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو ابن عمر ﷛ کی طرف منسوب قول باطل ہے، لیکن چونکہ موصوف کے نزدیک قول ابن عمر ﷛ قابلِ قبول ہے، لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ وہ مذکور الصدر حدیث نبوی ﷺ اور قولِ ابن عمر ﷛ کے درمیان مطابقت ضرور بیان فرمائیں گے۔

نیز یہ وضاحت بھی ہو جائے تو کرم نوازی ہوگی کہ معاویہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے مطلقاً زیادہ حلیم تھے یا بعض صورتوں میں؟ اگر بعض صورتوں میں زیادہ حلیم تھے تو وہ کون سی صورتیں تھیں؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ شیخین کریمین ﷛ اُن صورتوں میں کیوں اور کیسے پیچھے رہ گئے؟ اگر شیخین کریمین ﷛ کی ذواتِ مقدسہ میں فطری، جبلّی اور پیدائشی طور پر حلم اتنا کم تھا جو کہ فتح مکہ تک کے اکیس برسوں میں مسلسل تربیتِ نبوی ﷺ کے باوجود بھی اُس سطح تک نہ پہنچ سکا جس سطح پر معاویہ کا فطری اور طبعی حلم تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُس تربیت کی تعریف کیوں فرمائی؟ ذرا سورۃ الفتح کی آخری آیت کے اِن الفاظ ﴿كَزَرۡعٍ أَخۡرَجَ شَطۡأَهُۥ فَآزَرَهُۥ فَٱسۡتَغۡلَظَ فَٱسۡتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعۡجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلۡكُفَّارَ﴾ (جیسے ایک کھیتی اُس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اُسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر کھڑی ہوگئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں) میں صحابہ کرام ﷛ کی جو شان بیان ہوئی اُس میں غور فرمائیں! پھر بتائیں کہ جس کھیتی کی شان کو اللہ ﷻ ﴿ يُعۡجِبُ ٱلزُّرَّاعَ ﴾ سے بیان فرما رہا ہے اُس کھیتی کو سینچا کس نے اور اُس کی تربیت کس نے کی؟ کیا اُن کی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی کہ اُن سے وہ لوگ حلم میں بڑھ گئے جو اُس وقت کافر تھے؟

اگر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا حلم بعض طلقاء سے بھی کم تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نبی الانبیاء ﷺ کا وزیر کیوں بنایا؟ جبکہ وزیر کا معنیٰ ہی بوجھ اٹھانے والا ہے، اور بوجھ مادی ہو یا معنوی دونوں کے لیے حلم وحوصلہ درکار ہوتا ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا!

کبھی یہ تجربہ بھی کیجئے

قارئین کرام اور اہل حق مقررین وواعظین سے گزارش ہے کہ کبھی وہ تجربہ کریں اور ایسے ناصبیوں کے سامنے پہلے یہ بیان کریں کہ حلم میں سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے بھی زیادہ تھے۔ پھر سامعین کے ردِعمل میں غور فرمائیں، پھر اُسی لمحہ حلمِ معاویہ میں سیدنا ابن عمر ﷛ کی طرف منسوب مذکورہ بالا جھوٹا قول بیان

کریں کہ معاویہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے بھی زیادہ حلیم تھے اور اُس پر جو ردِ عمل سامنے آئے اُس میں غور فرمائیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو لامحالہ آپ پر دو میں سے ایک بات ضرور عیاں ہوگی یا تو ناصبیوں کو معاویہ کے بارے میں جھوٹے قول سے ہاتھ دھونا پڑیں گے یا پھر اُن کی ناصبیت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

شانِ معاویہ میں وضعِ حدیث کا انوکھا طریقہ

بنوامیہ کے شاہی دور میں اُن کی شان میں جہاں صاف ستھری سندوں پر جعلی اور وضعی متن چڑھانے کا طریقہ تھا جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے ایک مثال پیش کی جا چکی ہے، وہیں ایک طریقہ یہ بھی رہا کہ پہلے سے موجود اور بنے بنائے متن کی مانند کچھ کلام بنا کر آخر میں ایک آدھ جملہ حاکمِ شام کی شان میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ زیر بحث حدیث میں یارلوگوں نے "بغية الباحث للهيثمي" سے جو" مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ أَحْلَمُ أُمَّتِي وَأَجْوَدُهَا" کا جملہ نقل کیا ہے اُس میں ایسی ہی کارروائی کی گئی ہے، اُس کے متن میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابوذر اور ابوالدرداء ﷺ کے سات نام آئے ہیں اور آٹھواں نام معاویہ کا ہے، لیکن اِس متن گھڑنے والے بدبخت شخص کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اِس باطل متن کو صاف ستھری سند کا جامہ نہیں پہنا سکا۔

ایسی ہی ہیرا پھیری کرتے ہوئے ایک مشہور متن سے ملتا جلتا کلام بنا کر اُس کے آخر میں " وَصَاحِبُ سِرِّي مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ " کا جملہ شامل کر دیا گیا تھا، جس کو یارلوگوں نے آنکھیں بند کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "حضرت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عشرۂ مبشرہ کے فضائل بیان فرمائے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یوں ذکر فرمایا: معاویہ بن ابی سفیان میرے رازداروں میں سے ہیں جس نے ان تمام سے محبت کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان سے بغض رکھا ہلاک ہو گیا"۔ (شرف المصطفى، جامع ابواب الفضائل والمناقب، باب فضائل الأربعة وسائر الصحابة أجمعين، فصل ومن فضائل بعض الصحابة مجتمعين، ۶/۸۹، رياض النضرة، الباب الثاني، الفصل الرابع، في وصف كل واحد۔۔۔ الخ ۱/۳۶ مختصراً)

(فیضانِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص: ۱۷۳)

یہ روایت بھی موضوع و باطل ہے، لیکن اِس کا موضوع ہونا تب تک نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ اِس کا مکمل متن سامنے نہ ہو، لہٰذا پہلے اس کا متن مع سند دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جس مقام اور جس روایت سے اِن لوگوں نے معاویہ کی شان میں اِس روایت کا آخری جملہ اُچک لیا ہے، وہ مکمل روایت یہ ہے:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِيْ أَبُوْ بَكْرٍ ، وَأَقْوَاهُمْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ عُمَرُ ، وَأَشَدُّهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ، وَأَفْضَلُهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ ، وَلِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ ، وَحَيْثُ مَا دَارَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ دَارَ الْحَقُّ مَعَهُ ، وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ مِنْ أَحِبَّاءِ الرَّحْمٰنِ ﷻ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ مِنْ تُجَّارِ الرَّحْمَانِ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ أَمِيْنُ اللّٰهِ وَأَمِيْنُ رَسُوْلِهِ ، وَلِكُلِّ نَبِيٍّ صَاحِبُ سِرٍّ وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَقَدْ نَجَا وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَقَدْ هَلَكَ.

''سیدنا ابن عباس بن عبد المطلب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری پوری امت سے میری امت پر سب زیادہ رحیم ابوبکر ہیں، دینِ الٰہی میں اُن سب سے زیادہ قوی عمر ہیں، سب سے بڑھ کر زیادہ حیادار عثمان ہیں اور اُن سب سے افضل علی ہیں، اور ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری طلحہ وزبیر ہیں، اور جس طرف سعد بن ابی وقاص رُخ کریں گے حق اُسی طرف ہوگا، اور سعید بن زید رحمان ﷻ کے محبوبوں میں سے ہے، اور عبد الرحمان بن عوف زُہری رحمان ﷻ کے تاجروں میں سے ہے، اور ابوعبیدہ بن جراح اللہ اور اُس کے رسول کا امین ہے، اور ہر نبی کا ایک بھیدی ہوتا ہے اور میرا بھیدی معاویہ بن سفیان ہے، سو جس شخص نے ان سب سے محبت کی تو وہ نجات پا گیا اور جس نے ان سے بُغض رکھا تو وہ ہلاک ہو گیا''۔

(شرف المصطفى ج٦ ص٨٩ حديث ٢٥٩٨؛ الرياض النضرة ج١ ص٣٦ [علمية] وط: دار الغرب ج١ ص٢١٨، وط: دار المعرفة ج١ ص٣١)

یہ روایت متعدد وجوہ سے موضوع و باطل ہے:

۱۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ بلا سند ہے

۲۔ ثانیاً اس لیے کہ ایسی کوئی روایت سیدنا عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ﷺ کی سند سے ثابت نہیں ہے۔ ''فیضانِ امیر معاویہ'' کے مؤلفین حضرات کو عاجز کا چیلنج ہے کہ وہ اپنی پوری توانائی اور وسائل کو جمع کر کے کسی بھی مسند ابن عباس ﷺ سے مکمل سند کے ساتھ یہ روایت دکھادیں!

۳۔ ثالثاً اس لیے کہ جس بد بخت نے اِس روایت کو وضع کیا ہے، اغلب یہ ہے کہ اُس نے اُس حدیث کے متن کو سامنے رکھتے ہوئے اسے وضع کیا ہے جو کتبِ صحاح و مسانید میں ''أَرْحَمُ أُمَّتِي'' اور ''أَرْأَفُ أُمَّتِي'' کے الفاظ میں آئی ہے اور فقط سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابن عمر اور سیدنا جابر بن عبداللہ ﷺ سے آئی ہے۔ جامع ترمذی سے اس حدیث کا مکمل متن مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَإِنَّ أَمِينَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

''سیدنا انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں، احکام الٰہی میں سب سے زیادہ سخت عمر، شرم وحیاء میں سب سے زیادہ سچے عثمان، حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل، علم فرائض کے سب سے زیادہ عالم زید بن ثابت اور سب سے اچھے قاری ابی بن کعب ہیں (ﷺ)۔ سنو! ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

(سنن الترمذي ج٦ ص ١٢٧، حديث ٣٧٩٠، ٣٧٩١)

امام ترمذی کے علاوہ اِس حدیث کو امام احمد، امام ابن ماجہ، امام نسائی، امام ابوداود طیالسی، امام طحاوی، امام ابن حبان، امام ابویعلیٰ، امام حاکم، امام بیہقی، امام بغوی اور خطیب تبریزی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(مسند أحمد ج٣ ص ١٨٤، وص ١٢٨، وط: شاكر ج١١ ص ٣٥، ٣٢٤ حديث ١٢٨٣٩،

١٣٩٢٥؛سنن ابن ماجه ص٤٣ حديث١٥٤؛فضائل الصحابة للنسائي ص٤١ حديث ١٣٨ و ص٥٥ حديث١٨٢؛ مسندأبي داود للطيالسي ج٣ص٥٦٧ حديث ٢٢١٠؛شرح مشكل الآثار ج٢ص٢٧٩ حديث٨٠٨؛صحيح ابن حبان ج ١٦ص ٧٤ حديث٧١٣١، وص٨٦ حديث ٧١٣٧،وص٢٣٨ حديث٧٢٥٢؛مسند أبي يعلىٰ ج١٠ص١٤١ حديث٥٧٦٣؛المستدرك للحاكم ج٣ص٤٢٢،وط: ج٣ص٤٧٧ حديث ٥٧٨٤؛السنن الكبرى للبيهقي ج٦ص٣٤٥ حديث١٢١٨٦؛شرح السنة للبغوي ج١٤ص١٣١ حديث٢٩٣٠؛ معالم التنزيل ج٧ص٣٢٦؛ مصابيح السنة ج٤ص١٧٩، ١٨٠ حديث٤٧٨٧؛مشكوة ج٣ص١٧٢٧ حديث٦١١١)

اِن میں سے اکثر امہات الکتب ہیں اوران میں سے کسی بھی کتاب میں وہ جملہ نہیں ہے جوموصوف کی نقل کردہ روایت میں معاویہ کی شان میں بایں الفاظ "وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ" درج ہے۔

حدیث "أَرْحَمُ أُمَّتِيْ" کے طرق

امیر اہل سنت کی نقل کردہ حدیث "أَرْحَمُ أُمَّتِيْ" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے،لیکن مکمل سند کے ساتھ کسی بھی محدث نے اِس کوسیدنا ابن عباس سے روایت کیا ہےاورنہ ہی کسی نے "وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ" کے الفاظ ذکر کیے ہیں،حتیٰ کہ مشہور محدث خطیب بغدادی نے اس حدیث کو[۱۵]طرق سے روایت کیا ہےاورکوئی طریق ابن عباس سے مروی ہےاورنہ ہی کسی میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

(الفصلُ للوصل في المدرج للنقل ص٦٧٦،تا٦٨٧)

معاویہ اور یزید کے بہت بڑے وکیل مشہور ناصبی قاضی ابن العربي مالکی نے بھی اس حدیث کونقل کیا ہے مگر وہ بھی ایسے الفاظ لانے سے قاصر رہے۔دیکھیے!

(العواصم من القواصم ص٢٥٢)

آقا علیہ السلام کے حواری کتنے تھے؟

اس حدیث کووضع کرنے والاشخص بھی شاید موصوف کی طرح تھا،اُس جاہل کوعلم ہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حواری فقط ایک ہی تھے اوروہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے،جبکہ حدیث گھڑنے والے جاہل نے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کوبھی حواری بنادیا ہے۔اُس کے الفاظ میں غور فرمایئے!"وَلِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ

طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ " (اور ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری طلحہ و زبیر ہیں) جبکہ صحابہ کرام ﷺ ایک سے زائد حواری سے آگاہ ہی نہیں تھے۔ چنانچہ متعدد محدثین کرام لکھتے ہیں:

عَنْ نَافِعٍ قَالَ : سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ رَجُلًا يَقُوْلُ: أَنَا ابْنُ حَوَارِيٍّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنْ كُنْتَ مِنْ آلِ الزُّبَيْرِ وَإِلَّا فَلَا.

"حضرت نافع بیان کرتے ہیں: سیدنا ابن عمر ﷺ نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا: میں رسول اللہ ﷺ کے حواری کا بیٹا ہوں۔ اس پر سیدنا ابن عمر ﷺ نے فرمایا: اگر تو آلِ زبیر سے ہے تو فبہا، ورنہ نہیں"۔

(المصنف لابن أبي شيبة [محمد عوّامة] ج ١٧ ص ١٥٥ حديث ٣٢٨٣٣؛ فضائل الصحابة ج ٢ ص ٩٢١ حديث ١٢٧٥؛ المعجم الكبير ج ١ ص ١١٩ حديث ٢٢٥؛ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد [علمية] ج ٣ ص ٧٨، وط: ج ٣ ص ٩٩؛ معرفة الصحابة لأبي نعيم ج ١ ص ١١١ حديث ٤٣٧؛ تاريخ دمشق ج ١٨ ص ٣٧٥؛ كشف الأستار ج ٣ ص ٢١١ حديث ٢٥٩٤؛ إتحاف الخيرة المهرة ج ٩ ص ٢٩١ حديث ٩٠٠١؛ الإصابة ج ٢ ص ٤٦٠؛ المطالب العالية ج ١٦ ص ٢٣٥ حديث ٣٩٨٠)

امام ابن عساکر کے ہاں الفاظ ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس شخص کو فرمایا:

إِنْ كُنْتَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَإِلَّا فَقَدْ كَذَبْتَ.

"اگر تو زبیر کا بیٹا ہے تو ٹھیک ورنہ تو نے جھوٹ بولا ہے"۔

(تاريخ دمشق ج ١٨ ص ٣٧٥)

بعض لوگوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا:

هَلْ كَانَ أَحَدٌ يُقَالُ لَهُ حَوَارِيٌّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَيْرُ الزُّبَيْرِ ؟ قَالَ : لَا أَعْلَمُهُ.

"کیا سیدنا زبیر ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں جس کو رسول اللہ ﷺ کا حواری کہا جائے؟ فرمایا: میں نہیں جانتا"۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج ٣ ص ٩٩، وط: ج ٣ ص ٧٨؛ تاريخ دمشق ج ١٨ ص ٣٧٦؛ الأحاديث الواردة في فضائل الصحابة ج ٧ ص ١٣٢، ١٣٣)

یہی سوال خود سیدنا زبیر بن العوام ﷺ سے کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور کو بھی حواری فرمایا تھا؟ اُنہوں نے جواباً فرمایا:

لَا ، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ قَالَهَا لِأَحَدٍ غَيْرِيْ.

''نہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے میرے سوا کسی کو یہ فرمایا ہو''۔

(تاريخ دمشق ج١٨ ص٣٦٩، ٣٧٠)

علامہ نبہانی نے ''**جامع كرامات الأولياء**'' میں جہاں اولیاء کرام کی اقسام اور اُن کے نام لکھے ہیں وہیں اُنہوں نے وضاحت سے لکھا ہے کہ حواری ہر زمانے میں فقط ایک ہوتا ہے، بیک وقت ایک سے زائد نہیں ہوتے اور حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیات میں اس درجہ پر سیدنا زبیر بن العوام ﷺ فائز تھے۔

(جامع كرامات الأولياء ج١ ص٧٠، ومترجم اردو ج١ ص١٣٠)

اِس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ جھوٹی حدیث بنانے والا شخص پڑھا لکھا جاہل تھا اور جو غرض مند شخص فقط ''وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ'' کے جملہ کی وجہ سے اِس حدیث کو آگے چلاتا رہا یا چلاتا ہے اُس کی بصیرت بھی بوجہ مذہبی تعصب جواب دے چکی ہے۔

حدیث کو آدھا ماننا ہے یا پورا؟

امیر اہل سنت نے بحوالہ کتاب ''**شرف المصطفى**'' ''**صَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ**'' کا جملہ جس باطل روایت سے اُچک لیا ہے اُس میں ایک جملہ یہ بھی ہے: ''**وَأَفْضَلُهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ**'' (اور اُن سب سے افضل علی بن ابی طالب ہیں ﷺ) ملحوظ رہے کہ اِس روایت کی ابتدا میں ''**أَرْحَمُ أُمَّتِيْ**'' کے الفاظ ہیں پھر خلفاء ثلاثہ ﷺ کے اسماء ہیں اور پھر ''**وَأَفْضَلُهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ**'' ہے، اس لیے اِس جملہ میں ''**هُمْ**'' ضمیر کا مرجع فقط لفظ ''**أُمَّتِيْ**'' نہیں بلکہ خلفاء ثلاثہ ﷺ کے اسماء بھی ہیں، لہٰذا موصوف سے پوچھا جائے کہ جب اُن کے نزدیک یہ حدیث قابل قبول ہے تو کیا وہ اس حدیث کی تصریح کے مطابق سیدنا علی علیہ السلام کو خلفاء ثلاثہ ﷺ سے افضل مانتے ہیں، یا پھر اُن کا ایمان فقط ''**وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ**'' کے جملہ پر ہی ہے؟

دو میں سے ایک

اگر امیر اہلِ سنت زیرِ بحث حدیث کو مکمل مانتے ہیں تو پھر اُنہیں ''**وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ**'' کے جملے

کے ساتھ ساتھ "وَأَفْضَلُهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ" کے جملے کو بھی ماننا ہوگا، لیکن اس صورت میں اُنہیں ایمان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، کیونکہ اُن کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور کسی مسلمان کا اِس میں اختلاف نہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے ایک خطاب کے دوران کہا:

> "سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ یقیناً سیدوں کے بھی آقا ہیں، سیدوں کے بھی سردار ہیں یہ۔ سیدوں سے افضل ہیں یہ، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمام انسانوں میں نبیوں کے بعد سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے، مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے"۔

(ٹی وی چینل پر خطاب سے ماخوذ)

آخری الفاظ "مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے" میں غور فرما کر بتائیے کہ وہ اِس حدیث کے جملہ "وَأَفْضَلُهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ" کے مطابق سیدنا علی ؑ کو کیسے افضل مان سکتے ہیں؟ اب نہ معلوم کہ وہ افضلیت مرتضوی سے جان چھڑانے کے لیے "وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ" کے جملہ سے بھی دست برداری کا اظہار کرتے ہیں یا اپنی کتاب میں درج کردہ مکمل موضوع حدیث کو ہی خیر باد کہتے ہیں۔ اُنہیں دو میں سے ایک تو کرنا ہوگا۔

امیر اہلِ سنت سے التماس

یہ عاجز امیر اہلِ سنت سے التماس کرتا ہے کہ مسئلہ تفضیل اُن مسائل میں سے نہیں ہے جن کا تعلق کفر و اسلام سے ہے۔ ممکن ہے کہ جب اُنہوں نے کہا "مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے" تو اُس وقت اُن کے ذہن میں شاید شیعہ طبقہ ہوگا، لیکن اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سے صحابہ کرام و تابعین عظام سیدنا علی ؑ کی افضلیت کے قائل تھے۔ میرے مطالعہ کے مطابق سیدنا ابن مسعود، سیدنا عباس بن عبد المطلب، اُن کی کل اولاد، امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین، تمام بنو ہاشم، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، خباب بن الأرت، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری، زید بن ارقم، ابی بن کعب، عثمان بن حنیف، سہل بن حنیف، بریدہ بن حُصَیب، ابوایوب انصاری، ابوالہیثم بن التیہان انصاری، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، سیدنا زید بن علی ﷬ اور دوسرے بہت سے حضرات سیدنا علی ﷛ کی افضلیت کے قائل تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ اُنہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص اصولِ دین کا منکر نہ ہو تو اُسے غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔ مسلمانوں کے جس طبقہ کو ہمارے ہاں کے بعض متشددین غیر مسلم اور کافر سمجھتے ہیں، اُس طبقہ کے لوگ حرمین شریفین میں بھی دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ حرمین شریفین کی مساجد میں تو کیا حدودِ حرم بھی غیر مسلم کا داخلہ منع ہے۔

صَاحِبُ الْحَاجَةِ أَعْمٰی

بوجہ ضرورت یا تعصب انسان افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے، اُس کی بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور وہ غیر متوازن اور غیر معتدل ہو جاتا ہے۔ سو چونکہ ملک معاویہ کی شان میں کوئی بھی حدیث نبوی نہیں ہے اس لیے جس کسی نے بھی اُن کا دفاع کرنا چاہا تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور محدث تھا اُس سے دامنِ اعتدال چھوٹ گیا اور اُسے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اُن چیزوں کا محتاج ہونا پڑا جو پہلے اُس کے مقام ومرتبہ سے پست تھیں۔ اسی صورتِ حال کا شکار علامہ ابن حجر مکی جیسی قد آور شخصیت بھی ہوگئی تھی۔ ہوا یہ کہ اُنہیں اُن کے دور کے ایک ہندی بادشاہ سلطان ہمایوں اکبر نے امیر شام کی شان میں کتاب لکھنے کی فرمائش کی تو اُنہوں نے شاہی فرمائش کی تعمیل میں "**تطهير الجنان واللسان عن ثلب معاوية بن أبي سفيان**" کتاب لکھنا شروع فرمائی۔ اب شانِ معاویہ یا دفاعِ معاویہ میں کوئی صحیح مواد تو تھا نہیں اس لیے اُنہیں اپنے مقام ومرتبہ سے نیچے آنا اور اُن ناپسندیدہ چیزوں پر گذارا کرنا پڑا جو اُن کے سابقہ مقام کے شایانِ شان نہیں تھیں۔

اُنہوں نے اپنی مشہور ترین کتاب "**الصواعق المحرقة**" میں اس حدیث کو پانچ طریقوں سے نقل کیا تھا لیکن اُن میں سے کسی ایک میں بھی "**وَصَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ**" کے الفاظ نہیں ہیں۔ دیکھیے!

(الصواعق المحرقة، مكتبة فياض، منصورة، مصر، ص ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، وط: دار الوطن، ص ۲۲۶، ۲۲۷)

لیکن مرتا کیا نہ کرتا "**تطهير الجنان**" (یعنی دفاعِ معاویہ) میں اُنہیں اپنی ہی نظر انداز کردہ جھوٹی روایت کو لینا پڑا۔

(تطهير الجنان ص ۵۵، ۵۶)

شاہی فرمائش پر لکھی گئی اس کتاب میں اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ باطل روایات کو درج کر کے اپنے مقام ومرتبہ کو گرادیا بلکہ بعض احادیث سے استدلال کرنے میں بھی وہ پست ہمتی کا شکار ہو گئے۔ اس کتاب میں دفاع

معاویہ کرتے کرتے اُن سے بالکل اُسی طرح بڑی بڑی شخصیات کی تنقیص ہوگئی جس طرح ابن تیمیہ سے "منهاج السنة" میں ہوگئی تھی۔ "تطهير الجنان" تو کجا بعض محدثین کرام نے تو اُن کی کتاب "الصواعق المحرقة" کے بارے میں بھی تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وشیخ ابن حجر مکی در صواعق محرقه که در ردّ شیعه باو کد وجوه واشد طریق کرده داد، تشدد وتعصب داده است۔

"ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں جنہوں نے شیعوں کا رد محکم وجوہات اور مضبوط طرق سے کیا ہے، اس میں اُنہوں نے تشدد وتعصب اختیار کیا ہے"۔

(تكميل الإيمان فارسي ص ١٥٤؛ ومترجم اردو، از مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ١١١)

مجبوریوں میں وکلاءِ معاویہ کی یکسانیت

اگر برا نہ منائیں تو میں عرض کروں: دراصل علامہ ابن حجر ہیتمی کی مجبوریوں کا معاملہ "تطهير الجنان" میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ماضی قریب میں ہمارے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی کا معاملہ رہا ہے۔ اُنہوں نے اپنی دو کتابوں میں لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے کسی سالے کو خال المومنین کہنا جائز نہیں لیکن جب وہ بعض طلقاء کے دفاع میں کتاب لکھنے بیٹھے تو اُس میں اپنے اُسی قلم سے اُنہیں خال المومنین لکھ دیا۔ گویا اُن کے نزدیک جو بات پہلی دو کتابوں میں ناجائز تھی، وہی بات بعض طلقاء کے دفاع پر مبنی کتاب میں جائز ہوگئی۔ بہت سے مقامات پر علامہ ابن حجر مکی سے بھی ایسے ہی ہوگیا، اُنہوں نے پانچ طریقوں سے اِس حدیث کو "الصواعق المحرقة" میں درج کیا مگر اُن میں یہ جملہ نہیں لائے لیکن جب معاویہ کے دفاع میں کتاب لکھنے بیٹھے تو تمام تر محدثانہ صلاحیتوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اُس موضوع حدیث پر جا لپکے جس میں اُن کے ممدوح کی شان میں "صَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ" کا باطل جملہ موجود ہے۔

قارئین کرام! جس طرح یہ موضوع وباطل روایات عامۃ الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر اور بغرض دفاع درج کی گئی ہیں بعینہٖ خال المؤمنین، کاتبِ وحی، فقیہ اور فاتح عرب وعجم وغیرہ الفاظ بھی محض دفاعی نکتۂ نظر سے لکھے اور بولے جاتے ہیں، ورنہ اُن سے قبل اُن سے بڑھ کر خال المؤمنین، کاتب وحی، فقیہ اور فاتحین گزر چکے ہیں، اُن کے لیے یہ الفاظ اِس کثرت سے کیوں نہیں بولے جاتے؟

موضوع احادیث کا عوام پر اثر

موصوف نے معاویہ کے حلم میں جو موضوع حدیث نبوی پیش کی اُس میں آٹھواں نمبر حاکمِ شام کو دیا گیا ہے اور جس موضوع حدیث میں "صَاحِبُ سِرِّيْ مُعَاوِيَةُ" کا جملہ آیا ہے اُس میں عشرہ مبشرہ کے بعد گیارھواں نمبر اُن کا ہے۔ میں پوچھتا ہوں: کیا عشرہ مبشرہ کے فوراً بعد اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ نے طلقاء کا درجہ بنایا ہے یا یہ سلطنت کی کرامت ہے؟ آخر کیا وجہ ہوئی کہ ایک طلیق انسان اصحابِ بدر، اصحابِ اُحد اور بیعت رضوان والوں سے بھی افضل ہو گیا؟

العوام کالانعام، لوگوں کی اکثریت بھیڑ چال کا شکار ہوتی ہے، اُنہیں بادشاہ اور سرکاری علماء جس طرف چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کی اوّلین بادشاہی اور اُس کے مابعد کے دور میں جو احادیث موضوعہ اور روایاتِ باطلہ وجود میں آتی رہیں اُن کا اُس دور کے عوام الناس پر اِس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ حاکم شام کو فضیلت میں گیارھویں اور آٹھویں نمبر سے اُٹھا کر پانچویں درجے پر لے آئے اور خلفاء اربعہ ؓ کے فوراً بعد اپنے ماموں کو درجہ دے دیا اور اپنے اِس عقیدہ کو مساجد پر کندہ کرا دیا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی ناصبی اِس بات کو معاویہ کی مقبولیت کی دلیل کے طور پر لکھتا ہے:

مَكْتُوْبٌ عَلىٰ أَبْوَابِ مَسَاجِدِهَا : خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَبُوْبَكْرٍ ، ثُمَّ عُمَرُ ، ثُمَّ عُثْمَانُ ، ثُمَّ عَلِيٌّ ، ثُمَّ مُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

''بغداد کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی ؓ اور پھر مومنوں کا ماموں معاویہ ہے''۔

(العواصم من القواصم ص ۳۲٦)

ہمارے دور میں شانِ معاویہ میں موصوف کی کتاب میں درج کردہ اور TV پر بیان کردہ موضوع و باطل روایات کا اس قدر برا اثر ہوا ہے کہ خود اُن کے تربیت یافتہ، اُن ہی کے مرکز میں بیٹھ کر اُن ہی سے پوچھتے ہوئے دکھائے گئے ''کہ سیدنا امیر معاویہ ؓ افضل ہیں یا سیدنا علی ؓ'' خود سوچئے کہ دعوتِ اسلامی یا دوسرے نوجوانوں کے ذہنوں میں ایسے سوالات کیوں جنم لے رہے ہیں؟ پھر موصوف نے اِس سوال کا جواب بھی شاطرانہ طریقہ سے لیپا پوچی کے انداز میں دیا۔ نوجوان کو بتایا جاتا کہ بیٹا! سیدنا علی ؓ کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ حضرات

ہیں، پھر اصحاب بدر، پھر اصحابِ احد، پھر بیعت رضوان والے، پھر برضا اور رغبت اور طوعاً اسلام قبول کرنے والے اور پھر فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لانے والے اُن لوگوں کا رتبہ ہے جنہوں نے اسلام قبول کر کے اچھے عمل کیے اور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی اتباع کی۔

معاویہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے

موصوف کی جانب سے ایک اور موضوع حدیث ملاحظہ فرمائیے! وہ لکھتے ہیں:

''حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں: ایک روز نبی کریم رءوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی تمہارے درمیان ایک شخص آئے گا وہ جنتی ہے تو حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے۔ پیارے آقا، مدینے والے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاویہ میں تم سے اور تم مجھ سے ہو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو انگلیاں (درمیانی اور اس کے ساتھ والی) ملا کر فرمایا: تم جنت کے دروازہ پر میرے ساتھ اس طرح ہو گے''۔

(فیضان امیر معاویة رضی اللہ عنہ ص ۱۷۱)

اس روایت پر انہوں نے پانچ کتابوں کے حوالے دیے ہیں، ان میں سے کوئی کتاب بھی ایسی نہیں جس میں اس روایت پر جرح نہ کی گئی ہو۔ پہلا حوالہ محدث آجری کی کتاب ''الشریعة'' کا ہے، اُس کی تعلیق میں امام ذہبی کے حوالے سے دو مرتبہ لکھا ہوا ہے کہ یہ روایت باطل ہے۔

(الشريعة للآجري ج ٥ ص ٢٤٤٣، ٢٤٤٤ حديث ١٩٢٤، ١٩٢٥)

دوسرا حوالہ ''مسند الفردوس'' کا ہے، مسند الفردوس کے محقق نے نیچے تعلیق میں اس حدیث کی مکمل سند ''زهر الفردوس'' سے نقل کی ہے، جس میں ایک راوی عبدالعزیز بن یحییٰ ہے۔ لالکائی نے بھی اس موضوع روایت کو نقل کیا ہے اور اُس کی سند میں بھی اسی راوی کا نام موجود ہے اور وہاں اس کی نسبت ''المروزي'' بھی لکھی ہوئی ہے۔ لالکائی کی کتاب ''شرح أصول اعتقاد أهل السنة'' کے محقق (دکتور احمد بن سعد بن حمدان الغامدی) نے لکھا ہے کہ اگر یہ وہ یحییٰ ہے جس کو نزیلِ نیشاپور کہا جاتا ہے تو یہ ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس محقق کا تساہل ہے، کیونکہ امام مزی، امام ذہبی اور حافظ وغیرہ نے لکھا ہے:

''امام بخاری نے اس کو حدیث وضع کرنے (گھڑنے) والا کہا ہے، ابراہیم بن منذر نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے، مصعب زبیری نے اس کو کذاب کہا ہے اور محدث عقیلی نے کہا ہے: یہ ثقہ راویوں سے باطل روایات لاتا ہے''۔

(ملخصًا: تهذيب الكمال ج١٨ ص٢١٩؛ ميزان الاعتدال ج٢ ص٦٣٦، دار المعرفة؛ تهذيب التهذيب ج٤ ص٢١٣؛ تحرير تقريب التهذيب ج٢ ص٣٧٤)

تیسرا حوالہ ''لسان المیزان'' کا ہے، چند سطور بعد اس پر تبصرہ آرہا ہے۔

چوتھا حوالہ خلاّل کی ''السنة'' کا ہے اور اس کی سند یہ ہے:

أَخْبَرَنِيْ حَرْبٌ قَالَ : ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُصَفَّى ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ : حَدَّثَنِيْ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ ، عَنْ أَبِيْهِ ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ.

(كتاب السنة للخلال ج١ ص٤٥٤ حديث ٧٠٤)

۱۔ اس سند میں پہلے راوی کا نام ''حرب'' ہے اور اس کے باپ کا نام مذکور نہیں ہے، لہٰذا جس کا باپ ہی معلوم نہ ہو اُس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟

۲۔ دوسرا راوی محمد بن مصفّٰی ہے، اس کے بارے میں جرح وتعدیل کے دونوں اقوال ملتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تمام اقوال کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے:

صَدُوْقٌ ، لَهُ أَوْهَامٌ وَكَانَ يُدَلِّسُ.

''سچا ہے، اُس کے کئی وہم ہے اور وہ تدلیس (فریب کاری) کرتا تھا''۔

(تقريب التهذيب ص٨٩٧)

۳۔ اس میں تیسرا راوی عبدالعزیز بن عمر ہے۔ ''السنة للخلال'' کے محقق نے کہا ہے کہ یہ خطا کرتا تھا۔

۴۔ چوتھا راوی اسماعیل بن عیاش ہے، اس کے بارے میں مذکور ہے:

صَدُوْقٌ فِيْ رِوَايَتِهِ عَنْ أَهْلِ بَلَدِهِ ، مُخَلِّطٌ فِيْ غَيْرِهِمْ.

یہ اپنے شہر کے لوگوں سے روایت میں سچا تھا، دوسروں کے ساتھ خلط ملط کرنے والا تھا''۔

(تقريب التهذيب ص١٤٢)

۵۔ پانچواں راوی عبدالرحمان بن عبداللہ بن دینار ہے۔ حافظ صاحب اس کے بارے میں مختصراً لکھتے ہیں:

صَدُوْقٌ يُخطِئُ.

''سچا ہے، خطا کرتا ہے''۔

(تقریب التهذيب ص ۵۸۵)

امام ابن حبان اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَنفَرِدُ عَنْ أَبِيْهِ بِمَا لا يُتَابَعُ عَلَيْهِ مَعَ فُحشِ الْخَطَأِ فِيْ رِوَايَتِهِ ،لا يَجُوْزُ الِاحْتِجَاجُ بِخَبَرِهِ إِذَا انْفَرَدَ.

''یہ اپنے باپ [عبداللہ بن دینار] سے روایت میں فحش غلطی کے ساتھ ساتھ ایسی منفرد روایات لاتا تھا جس میں اس کی متابعت نہیں کی جاتی تھی، جب یہ روایت میں منفرد ہو تو اس سے دلیل لینا جائز نہیں ہے''۔

(كتاب المجروحين لابن حبان ج۲ ص ۱٦)

اِس روایت میں یہی صورتِ حال ہے، کہ یہ اپنے باپ سے روایت کر رہا ہے۔

اس روایت میں پانچواں حوالہ تاریخ ابن عساکر کا ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالعزیز بن بحر ہے اور اُس کے بارے میں حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے:

قَالَ الْخَطِيْبُ: عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ بَحْرٍ ضَعِيْفٌ ، وَمَنْ دُوْنَهُ مَجْهُوْلُوْنَ.

''خطیب نے کہا ہے: عبدالعزیز بن بحر ضعیف ہے اور اُس کے سوا باقی لوگ مجہول ہیں''۔

(تاريخ ابن عساكر ج۵۹ ص ۹۸، ۹۹)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں تو عبدالعزیز بن بحر کی میں جرح وتعدیل میں کچھ بھی نہیں کہا فقط اُس کا تعارف کرایا ہے، ممکن ہے کہ اُن کی کسی اور کتاب میں یہ الفاظ موجود ہوں۔ بہر حال حافظ ابن عساکر کے نزدیک بھی یہ روایت موضوع ہے، کیونکہ یہ اُن تین روایات کے علاوہ ہے جو ابن عساکر کے خیال میں کسی حد تک قابل قبول ہیں۔ نیز جب اِس سند میں بقول ابن عساکر ایک راوی ضعیف اور باقی سب مجہول ہیں تو پھر اس خاص باب یعنی (فضائل معاویہ) میں مجہول ہونے کے شبہ کا فائدہ وہ لوگ نہیں اٹھا سکتے جو فضائل معاویہ کو ثابت کرنے کے درپے ہیں، کیونکہ ایسے تمام مجہولین امام اسحاق بن راھویہ اور دوسرے تمام اہل تحقیق محدثین کے نزدیک جھوٹے

ہیں، اسی لیے وہ صراحتاً فرما چکے ہیں کہ فضائل معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نبوی نہیں آئی۔

امیر اہل سنت وغیرہ کی دیدہ دلیری اور جرأت کا کیا کہنا!

موصوف اور اُن کے حواریوں کی دیدہ دلیری اور جرأت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے اِس باطل حدیث پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب "لسان المیزان" کا حوالہ بھی ٹھوک دیا ہے، حالانکہ حافظ رحمہ اللہ نے واضح طور پر اِس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ آیئے! حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مکمل الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ بَحْرٍ الْمَرْوَزِيُّ ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَيَّاشٍ بِخَبَرٍ بَاطِلٍ ، وَقَدْ طَعَنَ فِيْهِ عَبَّاسٌ الدَّوْرِيُّ ، وَاللَّفْظُ لَهُ ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ ، وَغَيْرُهُمَا ، فَقَالُوْا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ بَحْرٍ ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ ، عَنْ أَبِيْهِ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:الآنَ يَطْلُعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، فَطَلَعَ مُعَاوِيَةُ ، فَقَالَ: أَنْتَ مِنِّيْ يَامُعَاوِيَةُ وَأَنَا مِنْكَ ، لَتَزَاحَمُنِيْ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ ، وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ.

''عبدالعزیز بن بحر المروزی اسماعیل بن عیاش سے باطل روایت لایا ہے، اور اس میں عباس الدوری نے طعن کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں، اور عبداللہ بن احمد اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے: ہمیں عبدالعزیز بن بحر نے بیان کیا، اس نے کہا ہمیں اسماعیل بن عیاش نے از عبدالرحمان بن عبداللہ بن دینار، از والدِ خود، از ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا، انہوں نے کہا: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہارے ہاں ایک جنتی شخص آئے گا تو معاویہ ظاہر ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اے معاویہ! مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، یقیناً تم دروازۂ جنت پر میرے ساتھ یوں مل جاؤ گے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا''۔

(لسان المیزان ج٤ ص ٣٧٩، وط: ج٥ ص١٩٤)

دراصل یہ الفاظ امام ذہبی کے ہیں جو حافظ رحمۃ اللہ علیہما نے بلا تردید نقل کیے ہیں۔

(میزان الاعتدال ج٤ ص٣٥٨، ٣٥٩)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر اس شخص کے بارے میں لکھتے ہیں:

عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ بَحْرٍ الْمَرْوَزِيُّ ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ ابْنِ عَيَّاشٍ ، بِخَبَرٍ كَذِبٍ ، يُنْظَرُ مَنْ ذَا؟

''عبدالعزیز بن بحرالمروزی نے اسماعیل بن عیاش سے ایک جھوٹی حدیث روایت کی ہے، دیکھا جائے کہ وہ کون ہے؟''۔

(المغني في الضعفاء ج١ ص ٥٦٠ ترجمة:٣٧٢٣)

تنبیہ

یہاں ایک بات یاد رکھیے کہ جس جس کتاب میں بھی یہ باطل حدیث آئی ہے اُن سب میں عبدالعزیز نام تو برابر آیا ہے مگر اُس کی ولدیت بدلتی رہی ہے۔ کہیں عبدالعزیز بن بحر اور کہیں عبدالعزیز بن یحییٰ وغیرہ۔ گویا حدیث گھڑنے والا شاطر شخص اپنی ولدیت بدلتا رہا ہے، اس لیے جہابذہ محدثین کرام اس شخص کی کامل شناخت میں تو مشکل سے دوچار ہوئے مگر روایت کے بطلان میں اُنہیں کوئی شک نہیں ہوا۔ گویا محدثین کرام کو واردات کے ہو جانے پر شک نہیں ہے لیکن جس شخص نے یہ واردات کی ہے چونکہ وہ اپنے باپ بدلتا رہا ہے اس لیے وہ محدثین کے نزدیک چھلاوے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن کے نزدیک یہ باطل روایت قابل قبول ہوگئی۔ اِس تصور کو امام برھان الدین حلبی نے اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ بَحْرٍ : عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَيَّاشٍ بِخَبْرٍ بَاطِلٍ وَقَدْ طُعِنَ فِيْهِ. ثُمَّ ذَكَرَ الذَّهَبِيُّ الْحَدِيْثَ ، وَفِيْ قُوَّةِ كَلَامِهِ : بِخَبْرٍ بَاطِلٍ ، مَعَ قَوْلِهِ : وَقَدْ طُعِنَ فِيْهِ ، أَنْ يَكُوْنَ أُتُّهِمَ بِوَضْعِهِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''عبدالعزیز بن بحر: اسماعیل بن عیاش سے باطل حدیث لایا ہے اور اُس میں طعن کیا گیا ہے، پھر ذہبی نے وہ حدیث ذکر کی ہے۔ اُن کے کلام میں حدیث کو باطل کہنے میں قوت کا ہونا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ اُس میں طعن کیا گیا ہے، اس بات کا غماز ہے کہ وہی اس حدیث کے گھڑنے میں ملوث ہے، واللہ اعلم۔

(الكشف الحثيث ص١٦٨ رقم الترجمة٤٤٣)

اس سے معلوم ہوا کہ اِس روایت کے موضوع و باطل ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں، ہاں اِس بات

میں شک ہے کہ اِس ناپاک جسارت کا مرتکب کون ہے؟ وہی بات ہوگئی کہ واردات کا ہونا تو مسلّم ہے مگر وارداتی کنفرم نہیں۔ امام برھان الدین حلبی نے اِس حدیث کو موضوع کہنے میں امام ذہبی کے جس کلام کی قوت کا ذکر کیا ہے، وہ قوت امام ذہبی کی ایک اور کتاب سے بھی جھلک رہی ہے۔ اُنہوں نے "سیر أعلام النبلاء" میں کسی قسم کے تذبذب کے بغیر دوٹوک انداز میں اِس حدیث کو موضوع اور مُختَلَق (بنائی ہوئی) کہا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے پہلے فضائل معاویہ میں چند موضوع و باطل روایات پر یوں عنوان قائم کیا ہے:

فَمِنَ الْأَبَاطِيْلِ الْمُخْتَلَقَةِ.

''گھڑی ہوئی باطل روایات کا نمونہ''۔

(سير أعلام النبلاء، ج۳ ص۱۲۸)

پھر متعدد باطل روایات کے ساتھ اِس روایت کو بھی نقل کیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے:

فَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ ظَاهِرَةُ الْوَضْعِ.

''پس یہ احادیث بداہۃً موضوع ہیں''۔

(سير أعلام النبلاء، ج۳ ص۱۳۱)

امام ابوالحسن علی بن محمد الکنانی نے بھی اِس حدیث کو باطل تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اِس روایت کو درج کرنے کے بعد عبدالعزیز کے تعیّن میں تو مختلف اقوال نقل کیے ہیں لیکن اِس حدیث کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔

(تنزيه الشريعة المرفوعة للكناني ج۲ ص ۲۰)

بتلایئے! جن مقامات پر اس حدیث کو موضوع و باطل کہا گیا ہے، موصوف کا اُن ہی مقامات سے اس روایت کو آنکھیں بند کر کے نقل کر دینا کتنی بڑی جسارت اور علمی خیانت ہے؟

قارئین کرام! اس مرحلہ پر پہنچ کر آپ کو امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کو داد دینا پڑے گی کہ جس بات کی تہہ تک بعد والے محدثین بسیار قیل وقال کے بعد پہنچتے ہیں اُنہوں نے دوٹوک انداز میں اس بات کا فیصلہ صدیوں پہلے ہی کر دیا تھا کہ فضائل معاویہ میں کوئی حدیث بھی ثابت نہیں۔ جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنَّا وَعَنِ الْعِلْمِ وَالْعُلَمَاءِ وَالدِّيْنِ خَيْرًا.

کان پر قلم

فتح مکہ سے قبل تقریباً اکیس برس تک قرآن مجید مسلسل نازل ہوتا رہا اور اُس مکمل عرصہ میں متعدد حضرات یقیناً کتابتِ وحی کرتے رہے، ممکن ہے کہ حسبِ عادت وہ بھی قلم کو اپنے کان پر رکھتے ہوں گے، لیکن اُن میں سے کسی کو بھی ایسی دعا اور خوشنودیٔ مصطفیٰ ﷺ نصیب نہیں ہوئی جیسی کہ معاویہ کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ امیر اہل سنت لکھتے ہیں:

> ''اُمُّ المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جلوہ فرما تھے، کسی نے دروازے پر دستک دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ عرض کی: معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں بلالو، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کان پر قلم رکھا ہوا تھا جس سے آپ کتابت فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاویہ! تمہارے کان پر قلم کیسا ہے؟ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میں اس قلم کو اللہ عزَّ وَجَلَّ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار رکھتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزَّ وَجَلَّ تمہارے نبی کی طرف سے تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، میری خواہش ہے کہ تم صرف وحی کی کتابت کیا کرو اور میں ہر چھوٹا بڑا کام اللہ عزَّ وَجَلَّ کی وحی سے ہی کرتا ہوں، تم کیسا محسوس کرو گے جب اللہ عزَّ وَجَلَّ تمہیں پوشاک پہنائے گا؟ یعنی خلافت عطا فرمائے گا۔ (یہ بات سن کر) حضرت سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو بیٹھ کر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا اللہ عزَّ وَجَلَّ میرے بھائی کو خلافت عطا فرمائے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! لیکن اس میں آزمائش ہے، آزمائش ہے، آزمائش ہے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت سیدتنا اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان کے لیے دعا فرما دیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ اھْدِہٖ

بِالْهُدٰى ، وَجَنِّبْهُ الرَّدٰى ، واغْفِرْلَهُ فِي الْآخِرَةِ وَالْأُوْلٰى'' یعنی اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ہدایت پر ثابت قدمی عطا فرما، انہیں ہلاکت سے محفوظ فرما اور دنیا و آخرت میں ان کی مغفرت فرما''۔

(فیضانِ امیر معاویہ ص۱٦۷تا۱٦۹)

یہ حدیث موضوع ہے، امام طبرانی نے اس کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے:

لَمْ يَرْوِ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ هِشَامٍ إِلَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيٰى ، تَفَرَّدَ بِهِ السَّرِيُّ.

''اس حدیث کو ہشام سے عبداللہ بن یحییٰ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، سری اس کی روایت میں تنہا ہے''۔

(المعجم الأوسط ج٢ص٢٣٣حديث١٨٣٨)

یہ سَرِی کون ہے؟ یہ سَرِی بن عاصم بن سہل ہے۔ علماء اسماء الرجال نے اس کو سارق الحدیث، کاذب، وضاع (حدیث گھڑنے والا) اور موقوف حدیث (جس کی سند حضور ﷺ تک نہ پہنچتی ہو) کو مرفوع (جس کا سلسلۂ سند حضور ﷺ تک پہنچتا ہو) بنانے والا تھا۔ چنانچہ امام ابن عدی لکھتے ہیں:

السَّرِيُّ بْنُ عَاصِمٍ يُكْنٰى أَبَا سَهْلٍ ، يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ.

''سری بن عاصم کی کنیت ابو سہل تھی، یہ حدیث چراتا تھا''۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج٤ص٥٤٠)

سارق الحدیث کا مطلب

حدیث چرانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ لفظ جرح کے شدید الفاظ سے ہے۔ امام سخاوی لکھتے ہیں:

سَرِقَةُ الْحَدِيْثِ أَنْ يَكُوْنَ مُحَدِّثٌ يَنْفَرِدُ بِحَدِيْثٍ فَيَجِيْءُ السَّارِقُ وَيَدَّعِيْ أَنَّهُ سَمِعَهُ أَيْضًا مِنْ شَيْخِ ذَاكَ الْمُحَدِّثِ.

''حدیث کی چوری یہ ہے کہ کوئی محدث کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہو، پھر سارق آ کر دعویٰ کرے کہ اُس نے بھی اُس محدث سے یہ حدیث سنی ہے''۔

(فتح المغيث ج٢ص٢٩٠)

یعنی ملاں چور بانگا گواہ۔امام ذہبی حدیثِ مقلوب (جس کا متن دوسری سند پر یا سند دوسرے متن پر لگ جائے، یا راویوں کے ناموں میں ردوبدل ہوجائے: مثلاً مرہ بن کعب،کعب بن مرہ ہوجائے) کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِکَ وَرَکَّبَ مَتْنًا عَلیٰ إِسْنَادٍ لَیْسَ لَهُ ، فَهُوَ سَارِقُ الْحَدِیْثِ وَهُوَ الَّذِيْ یُقَالُ فِيْ حَقِّهِ : فُلَانٌ یَسْرِقُ الْحَدِیْثَ ، وَمِنْ ذٰلِکَ أَنْ یَسْرِقَ حَدِیْثًا مَا سَمِعَهُ فَیَدَّعِيْ سِمَاعَهُ مِنْ رَجُلٍ.

''اگر کوئی شخص قصداً ایسا کرے اور کسی متن کو ایسی سند پر چڑھا دے جو سند اُس متن کی نہ ہو تو وہ ''سارق الحدیث'' ہے، اور یہی ہے وہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''فلان یسرق الحدیث'' (فلاں حدیث چراتا ہے) وراسی سرقہ سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی سے ایسی حدیث کی سماعت کا دعویٰ کرے جو اُس نے اُس سے سنی نہ ہو''۔

(الموقظة في علم مصطلح الحديث ص ٦٠)

یعنی جھوٹ سے جھوٹ چلائے، اور یہ شخص (سرّی بن عاصم) جھوٹا ہی تھا۔ چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

کَذَّبَهُ ابْنُ خَرَّاشٍ.

''محدث ابن خراش نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے''۔

(میزان الاعتدال ج۳ص ۱۷٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن خراش کے قول کو مقرر رکھتے ہوئے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ سرّی بن عاصم حدیث بھی گھڑتا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کی کئی موضوع روایات درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَقَالَ النَّقَّاشُ فِيْ ''مَوْضُوْعَاتِهٖ'' فِي الْحَدِیْثِ الْأَخِیْرِ : وَضَعَهُ السَّرِّيُّ.

''محدث نقاش نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں آخری حدیث کے بارے میں کہا: اس کو سرّی نے گھڑا ہے''۔

(لسان المیزان ج٤ ص۲۳)

اِن دونوں محدثین نے اس کی گھڑی ہوئی حدیثوں میں درج ذیل جعلی حدیث کو بھی ذکر کیا ہے:

وَمِنْ مَصَائِبِهٖ أَنَّهُ أَتیٰ بِحَدِیْثٍ مَتْنُهُ: ''رَأَیْتُ حَوْلَ الْعَرْشِ وَرْدَةً فِیْهَا مَکْتُوْبٌ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِيْقُ.

''اس کی مصیبتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک حدیث لایا جس کا متن ہے:''میں نے عرش کے اردگرد ایک پھول دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا: محمد اللہ کے رسول ہیں، ابوبکر صدیق ہیں''۔

(میزان الاعتدال ج۳ص ١٧٤؛لسان المیزان ج٤ ص ٢٢)

ثابت ہوا کہ یہ شخص کذاب تھا، سارق تھا، متن اور سند میں عمداً ردوبدل کرتا تھا اور حدیث گھڑتا تھا۔ اسی لیے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

كَانَ بِبَغْدَادَ يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ ، وَيَرْفَعُ الْمَوْقُوْفَاتِ ، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ.

''یہ بغداد کا باشندہ تھا، حدیث چراتا تھا اور موقوفات کو مرفوع بناتا تھا، اس سے دلیل حاصل کرنا جائز نہیں ہے''۔

(کتاب المجروحین لابن حبان ج١ ص ٣٥٥، وط: ج١ ص ٤٥١)

کتاب ''فیضانِ امیر معاویہ'' کا مؤلف کوئی عام شخص نہیں بلکہ چشم بددور، امیر اہل سنت ہے، اگر امیر اہل سنت کی جگہ کوئی عالم ہوتا یا خود مختار عالم ہوتا تو وہ غور کرتا کہ جب امام طبرانی نے حدیث کے آخر میں اشارہ کردیا تھا کہ ''تَفَرَّدَ بِهِ السَّرِيُ'' (اس کی روایت میں سَرَی اکیلا ہے) تو وہ اس حدیث کی تحقیق کرتا کہ آیا اِس حدیث سے دلیل حاصل کرنا حلال بھی ہے یا نہیں، لیکن چونکہ یہ زحمت گوارا نہیں کی گئی اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تالیف بعض امراء ہی کی ہے، کیونکہ تحقیق سے اُمراء ہی جی چراتے ہیں۔

جنتی ہونے پر شیر کی گواہی

امیر اہل سنت نے موضوع و باطل روایات کے ساتھ ساتھ اپنے ممدوح کے جنتی ہونے پر ایک عجیب وغریب مگر جھوٹا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں اَریحا کے ایک ایسے گرجا میں قیلولہ کررہا تھا جو اب مسجد میں تبدیل ہوچکا ہے۔ میں اچانک گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے دیکھا وہاں ایک شیر موجود تھا جو میری جانب بڑھ رہا تھا، میں نے ہتھیار اٹھانے کا ارادہ کیا تو شیر نے کہا: ''رُک جایئے میں تو آپ کو ایک پیغام دینے آیا ہوں۔'' میں نے پوچھا: تجھے

کس نے بھیجا ہے؟ شیر نے کہا: اللہ عزوجل نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کو خبر دوں کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی ہیں۔'' میں نے پوچھا: کون معاویہ؟ تو شیر نے کہا: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔

(فیضان امیر معاویة ﷺ ص ۱۸٦)

ہر چند کہ ہمارا موضوع اُن جعلی و باطل روایات کے بطلان پر گفتگو کرنا ہے جن کو کچھ لوگ اپنی طرف سے گھڑ کر حدیث نبوی ظاہر کرتے تھے، اِس لحاظ سے یہ قصہ ہمارے موضوع کا حصہ نہیں ہے تاہم اِس کے بارے میں بھی اتنا عرض ہے کہ یہ بھی من گھڑت واقعہ ہے۔ چنانچہ حافظ ہیثمی نے اِس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس میں ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم ہے ''وَقَدْ اِخْتَلَطَ'' (اور وہ اختلاط کا شکار تھا)''۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص ۳۵۷)

لغت میں اختلاط کا معنیٰ ہے:

''عقل کا فاسد ہونا اور چیزوں کا خلط ملط ہونا، اور اصطلاح محدثین میں بڑھاپے کی وجہ سے عقل کا خراب ہو جانا، یا اندھا ہو جانے اور کتابوں کے جل جانے کی وجہ سے روایات کو خلط ملط کر دینا''۔

(موسوعة علوم الحديث للغوري ج ۱ ص ۱۷۳)

یہ حالت تو تھی ابوبکر بن ابی مریم کی جبکہ اِس سے جس شخص نے یہ واقعہ روایت کیا ہے امام ذہبی نے اُس کو اسی واقعہ کی وجہ سے موردِ الزام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ حَبِيْبٍ الْخَوْلَانِيُّ ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ الْغَسَّانِيِّ ، لَهُ حَدِيْثٌ ، وَهُوَ مُنْكَرٌ .

''محمد بن حبیب الخولانی نے ابوبکر بن ابی مریم الغسانی سے ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ مُنْكَرٌ (بری) ہے''۔

(المغني في الضعفاء ج۲ ص۱۷٦؛ ميزان الاعتدال ج٦ ص ۱۰۰؛ لسان الميزان ج۷ ص ۵۱)

اِس روایت میں ایک اور بھی بڑی خرابی ہے، وہ یہ کہ اِس میں ایک راوی محمد بن زیاد الالہانی حمصی ہے۔ ہر چند کہ اِس شخص کو مشہور بدبخت ناصبی حریز بن عثمان کی طرح ثقہ کہا گیا ہے اور امام مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کے

باقی محدثین نے اس سے حدیث بھی لی ہے مگر یہ ناصبی (اہل بیت کا دشمن) تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْحَاكِمُ : اشْتَهَرَ عَنْهُ النَّصَبُ كَحَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ.

''امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: حریز بن عثمان کی مانند اِس کی ناصبیت مشہور ہے''۔

(تهذيب التهذيب ج٥ ص٥٨٦)

ابن زیاد الہانی کے بارے میں عدم تدبر

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن زیاد الہانی حمصی کی ناصبیت کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے:

''میں اس کی کوئی برائی نہیں جانتا ماسوا قولِ حاکم شیعی کے۔ اُنہوں نے کہا: امام بخاری نے اپنی صحیح میں محمد بن زیاد اور حریز بن عثمان سے روایت لی ہے، اور وہ دونوں اُن لوگوں سے ہیں جن کی ناصبیت (اہل بیت سے عداوت) مشہور ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: میں محمد بن زیاد کی اس خرابی کو نہیں جانتا''۔

(ميزان الاعتدال ج٦ ص١٥٣)

میں (فیضی) کہتا ہوں: اس معاملہ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی بنسبت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ وزنی ہے، کیونکہ یہ محمد بن زیاد حمص کا باشندہ تھا اور اہل حمص سیدنا علی ﷛ کے بغض میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ مشہور ماہر جغرافیات علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں:

أَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَلٰى عَلِيٍّ﷛ بِصِفِّيْنَ مَعَ مُعَاوِيَةَ كَانَ أَهْلُ حِمُصٍ وَأَكْثَرَ هُمْ تَحْرِيْضًا عَلَيْهِ وَجِدًّا فِيْ حَرْبِهِ.

''سیدنا علی ﷛ کے خلاف لشکرِ معاویہ میں سب سے زیادہ سخت حمصی تھے۔ معاویہ نے اُنہیں سیدنا علی ﷛ کے خلاف بہت زیادہ اُبھارا تھا اور اپنی جنگ میں خوب استعمال کیا تھا''۔

(معجم البلدان ج٢ ص٣٤٩)

خود امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَكَانَ أَهْلُ حِمْصٍ يَتَنَقَّصُوْنَ عَلِيًّا حَتّٰى نَشَأَ فِيْهِمْ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ، فَحَدَّثَهُمْ بِفَضَائِلِ عَلِيٍّ فَكَفُّوْا عَنْ ذٰلِكَ.

''اہل حمص سیدنا علی ﷺ کی تنقیص کرتے تھے، حتیٰ کہ اُن میں اسماعیل بن عیاش پیدا ہوئے، اُنہوں نے اُن کو فضائل علی علیہ السلام سے آگاہ فرمایا تو وہ اس سے باز آ گئے''۔

(سير أعلام النبلاء للذهبي ج٨ ص١٤٨؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج١٢ ص٧٢؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج١ ص٣٧٧)

امام جمال الدین مزی اور ابن خلکان وغیرہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(تهذيب الكمال ج٣ ص١٧٠؛ وفيات الأعيان ج٤ ص١٣٠؛ بغية الطلب ج ٤ ص ١٧٣١)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی موت کے بارے میں لکھا ہے:

تُوُفِّيَ فِيْ نَحْوِ الْأَرْبَعِيْنَ.

''یہ ۴۰ھ کے قریب مرا تھا''۔

(سير أعلام النبلاء ج٦ ص١٨٨)

جنگِ صفین ۳۷ھ میں ہوئی اور آپ ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں کہ اِس جنگ میں جو لوگ سب سے بڑھ کر سیدنا علی ﷺ کے خلاف تھے وہ اہل حمص تھے، لہٰذا چالیس ہجری میں مرنے والا یہ شخص محمد بن زیاد الہانی اُس جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، کم از کم اس تفصیل سے اِس حد تک امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کہ اوائل دور میں شام کے شہر حمص میں رہ کر اُس کا ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید ہے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح امیر اہل سنت کے زیر سایہ رہ کر فیضانِ امیر معاویہ سے محروم رہنا بعید ہے اسی طرح شام کے شہر حمص میں رہ کر ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید تھا۔ جنگِ صفین میں جو لوگ حمایتِ معاویہ میں شریکِ جنگ ہوئے تھے اُنہیں نواصب کہا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی خوارج اور نواصب کے فرق میں امام رافعی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا هُوَ وَصْفُ النَّوَاصِبِ أَتْبَاعُ مُعَاوِيَةَ بِصِفِّيْنَ.

''نواصب اُن لوگوں کا وصف ہے جنہوں نے صفین میں معاویہ کی پیروی کی''۔

(فتح الباري ج١٧ ص٦٢٦)

۳۷،اور۴۰ھ،اُموی پراپیگنڈا کی وجہ سے ناصبیت کے آغاز کا دور تھا اور اُس دور کے شامی لوگ سیدنا علی ﷜ سے بغض رکھتے تھے،حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ تک نے بھی اِس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔چنانچہ وہ روافض کی تردید میں لکھتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ مِنْ جَهْلِهِمْ وَتَعَصُّبِهِمْ أَنَّهُمْ يُبْغِضُوْنَ أَهْلَ الشَّامِ ، لِكَوْنِهِمْ كَانَ فِيْهِمْ أَوَّلًا مَنْ يُّبْغِضُ عَلِيًّا.

''اور اسی طرح یہ اُن کی جہالت اور تعصب ہے کہ وہ اہل شام سے بغض رکھتے ہیں اس لیے کہ اُس میں اول دور میں لوگ سیدنا علی ﷜ سے بغض رکھتے تھے''۔

(منهاج السنة ج٤ ص١٤٦)

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ نے ایک اور مقام میں اعتراف کیا ہے کہ اکثر شامی سیدنا علی ﷜ سے بغض رکھتے تھے۔چنانچہ وہ شامیوں کی اطاعت پذیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ فِيْهِمْ شِيْعَةٌ ، بَلْ كَثِيْرٌ مِنْهُمْ يُبْغِضُ عَلِيًّا وَيَسُبُّهُ.

''اُن میں شیعہ نہیں تھے بلکہ اُن میں سے کثیر سیدنا علی ﷜ سے بغض رکھتے اور اُن پر سبّ کرتے تھے''۔

(منهاج السنة ج٦ ص٤٣١)

شام و حمص کی یہ ناگفتہ بہ حالت مسلسل جاری رہی حتیٰ کہ حضرت اسماعیل بن عیاش متوفّٰی ۱۸۱ھ وہاں پیدا ہوئے تو اُن کی مساعیٔ جمیلہ سے اِس برائی میں کمی آئی،جیسا کہ اِس سے قبل لکھا جا چکا ہے۔فی الجملہ یہ کہ محمد بن زیاد الہانی کے بارے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول عدم تدبر پر مبنی ہے اور اُن کے مقابلہ میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول وزنی ہے۔سو چونکہ محمد بن زیاد الہانی ناصبی (دشمنِ اہل بیت) تھا اس لیے اُس نے شیر کی زبانی جنتی بشارت کے واقعہ کی روایت میں شریک ہو کر اپنے امیر سے دوستی کا ثبوت پیش کیا۔اب یہاں ذرا امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اُس قول میں ایک مرتبہ پھر غور فرما لیجئے جس میں اُنہوں نے فرمایا کہ دشمنانِ مرتضیٰ ؑ کو جب اُن کی ذات مطہرہ میں کوئی عیب نہ ملا تو اُنہوں نے اُس شخص کو چڑھانا شروع کر دیا جو اُن کے ساتھ لڑتا رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیر کی اِس کہانی میں تین سقم ہیں:

۱۔ اِس میں ابوبکر بن ابی مریم غسانی مُختَلِط ہے

۲۔ محمد بن حبیب خولانی منکر الحدیث ہے اور اُس کی یہ راویت بھی مُنکَر ہے

۳۔ اور محمد بن زیاد الہانی حمصی ناصبی ہے۔

واضح رہے کہ معتبر محدثین کرام کا کام ایسے ناصبی یا شیعی راویوں سے چھان پھٹک کر حدیث لینا تھا، لہٰذا اگر کسی ایسے شخص سے بخاری و مسلم وغیرہا میں کوئی حدیث آ جائے تو یہ اُس شخص کے ہر لحاظ سے صاف ستھرے ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہی بخاری و مسلم کا راوی ہونا عصمت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو وہ احمقوں کی دنیا میں رہتا ہے۔

امیر اہل سنت کی کاریگری

امیر اہل سنت نے نہ صرف یہ کہ بعض طلقاء کی شان میں جعلی اور باطل روایات کی بھرمار کی ہے بلکہ اُن کے مثالب و معایب کو بھی فضائل بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ مشہور ترین حدیث "مَا مَنَعَکَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا تُرَابٍ" (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہنے سے تمہیں کس بات نے روک رکھا ہے؟) کو 'اہل بیت اطہار سے محبت' کے باب میں ذکر کر دیا ہے۔ یہ باب اُنہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر قائم کیا ہے اور پھر صفحہ ۷۴ پر یہ مکمل حدیث ذکر کر دی ہے۔

(فیضان امیر معاویه ص ۷۲،۷٤)

حالانکہ اِس حدیث میں حاکم شام سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے وجہ معلوم کر رہے ہیں کہ وہ کیوں نہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب کرتے؟ کیا کسی کے فضائل سننے کی خاطر ایسا سوال کیا جاتا ہے؟ دراصل امیر شام نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ وہ اور اُن کے تمام گورنرز، اِلا ماشاء اللہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعنت کرتے تھے اور چونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اِس دھندے سے پاک تھے اس لیے اُن سے یہ سوال کیا گیا تھا۔ اس موضوع کی مکمل تحقیق کے لیے ہماری کتاب "لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ" (میرے صحابہ کو برا نہ کہو) کا مطالعہ فرمائیے!

منبرِ نبوی کو شام منتقل کرنے کا ارادہ

اسی طرح امیر اہل سنت نے امیرِ شام کے ناجائز ارادے کو بھی عشق نبوی بنانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن دروغ گورا حافظہ نباشد کے مطابق دوسرے مقام پر اپنی ہی تحریر کے خلاف لکھ گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے

منسوب ہر چیز سے محبت فرماتے تھے چنانچہ ۵۰ ہجری میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج فرمایا پھر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد نبوی شریف میں موجود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا منبر شریف اور عصا مبارک اپنے ساتھ شام لے جانے کا ارادہ فرمایا، جب اِس ارادہ کی خبر حضرت سیدنا ابوہریرہ اور حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہوئی تو آپ دونوں نے فرمایا: یہ درست نہیں ہے کہ آپ منبر کو اُس جگہ سے ہٹا دیں جس جگہ اسے نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عصا مبارک کو بھی مدینہ سے جدا کرنا ٹھیک نہیں۔ اس التجا پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ارادہ ترک فرما دیا''۔(البداية والنهاية ج ٥ ص ٥٣٤)

(فیضانِ امیر معاویہ ص ٦٦، ٦٧)

اگر کسی شخص کے سر میں دماغ شریف موجود ہو تو وہ انصاف سے بتلائے کہ یہ کیسا عشق ہے کہ مدینہ معظمہ پر شام کو اور مسجد نبوی ﷺ پر مسجد دمشق کو ترجیح دی جائے؟ اگر امیر اہل سنت اور اُن کے مریدین بھی اس جرأت کو عشق سمجھتے ہیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ مدنی دیوانو! یہ عشق نہیں بلکہ ایسی ناپاک جسارت تھی کہ اُس کی نحوست کی وجہ سے روشن دن تاریک شب میں بدل گیا تھا۔ چنانچہ امیر اہل سنت خود ہی پہلے لکھ چکے ہیں کہ:

''نبی اکرم رحمتِ دو عالم ﷺ مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ پھر ے سنِ ہجری میں خطبے کے لیے مسجد نبوی میں لکڑی کا منبر رکھا گیا (تاکہ پیارے آقا ﷺ اس پر تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرمائیں)۔ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اس منبر کو تبرکاً ملک شام لے جائیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس منبر کو اس کی جگہ سے ہٹایا تو اچانک سارے شہر میں ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ ترک فرما دیا''۔[مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۶]

(فیضانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ٦٣)

ذرا سوچ کر بتایئے کہ دن کا ایسا تاریک ہو جانا کہ تارے نظر آنے لگ گئے تھے، اس تاریکی کا سبب ظلم وفسق تھا یا محبت وعشق؟

تاریخ کیوں پیاری لگنے لگی؟

واضح رہے کہ یہ واقعہ امیر اہل سنت نے ''البداية والنهاية'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہ حدیث نہیں بلکہ تاریخ ہے، اور منقول بھی واقدی سے ہے۔ موصوف اگرچہ اس نقل میں اپنے مطلوب میں کامیاب نہیں ہو سکے تاہم ان کی کارروائی سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اگر انہیں ضرورت پڑے تو تاریخ کی کتابیں ان کے نزدیک قابل قبول ہو جاتی ہیں، ورنہ اُن کے نزدیک تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اسی کتاب ''فیضان امیر معاویہ'' کے صفحہ نمبر ۲۰۲ پر تاریخ کے خلاف خوب بھڑاس نکالی ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ جب تاریخ کی کسی کتاب سے اپنے ممدوح کی کوئی شان نکلتی ہو، اگرچہ جھوٹی ہی سہی تو پھر وہ تاریخ کی کتاب معتبر ہو جائے اور جب اُسی ممدوح کی مذمت کا ذکر آ جائے تو پھر تاریخ غیر معتبر ہو جاتی ہے؟

آقا علیہ السلام کے لگے ہوئے پرنالہ کی تعظیم

امیر اہل سنت کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ سے منسوب یا آپ کی بنائی اور لگائی ہوئی کسی چیز کو بلا عذر اُس کے مقام سے ہٹانا عشق نہیں بلکہ حتی الامکان اُسے جوں کا توں اُس کے مقام پر اور اُسی حالت پر قائم رکھنا عشق ہے۔ موصوف کے نزدیک طلقاء کا عشق یہ ہے کہ وہ مسجد نبوی شریف میں نصب شدہ منبرِ نبوی ﷺ کو اکھاڑ کر شام لے جائیں، جبکہ سابقون اولون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق یہ تھا کہ وہ عذر کے باوجود بھی حضور ﷺ کی نصب شدہ کسی چیز کو ہٹانا منافی تعظیم سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام احمد اور دوسرے محدثین کرام سیدنا عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیان فرمایا:

> ''سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا پرنالہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گذرگاہ پر تھا۔ ایک مرتبہ وہ جمعہ کے دن لباس زیب تن فرما کر تشریف لے جا رہے تھے کہ اُن پر پرنالہ سے پانی گرا۔ اُس پانی میں خون کی آمیزش تھی، کیونکہ اُس دن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے لیے چھت پر دو پرندے ذبح کیے گئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُس پرنالے کو ہٹانے کا حکم دے دیا تو اُسے ہٹا دیا گیا۔ پھر وہ اپنے گھر واپس گئے اور دوسرے کپڑے زیب تن کر کے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اُن کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: خدا کی قسم اُس مقام پر رسول اللہ ﷺ نے خود پرنالہ نصب کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ سے پرزور التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھ

پر سوار ہو کر وہ پرنالہ دوبارہ لگائیں تو سیدنا عباس ﷛ نے ایسے ہی کیا''۔

(مسند أحمد بتحقیق أحمد شاکر ج۲ ص۳۹۷ حدیث ۱۷۹۰؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج٤ ص۱۸، ۱۹؛ المستدرك قدیم ج۳ ص۳۳۱، ۳۳۲؛ سیر أعلام النبلاء ج۲ ص ۹٦؛ محض الصواب في مناقب عمر بن الخطاب، لابن المبرد حنبلي ص۵۹۲)

خود ہی موازنہ کر لیجئے کہ عشق، تعظیم اور محبت یہ ہے یا وہ تھی؟

امیر اہل سنت کی بددیانتی

بعض طلقاء کے عشق میں امیر اہل سنت نے جو حکایت نقل کی ہے اس میں اُنہوں نے بدترین خیانت کی ہے۔ میں نے بدترین اس لیے کہا ہے کہ موصوف نے اپنے مطلوب کے مطابق اِس حکایت میں ایک ایسے لفظ کا اضافہ کیا ہے جس نے مضمون کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، اور وہ ''تبرُّکًا'' کا لفظ ہے۔ انہوں نے یہ حکایت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدارج النبوۃ فارسی سے نقل کی ہے، اور اُس میں لفظ '' تبرُّکًا '' یا اُس کا ہم معنیٰ ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے اس حکایت کو وہ رنگ دیا جاسکے جو موصوف نے دینے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے منبر کو منتقل کرنے کی وجہ عشق و محبت اور حصولِ تبرک بیان کی ہے لیکن امیر شام کی نیت میں یہ بات نہیں تھی۔ وہ منبر کو کیوں اکھیڑ رہے تھے؟ آیئے! خود اُن سے ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پس معاویہ ازیں خیال محال بر گشت و پشیمان شد، واعتذار آنرا باصحاب گفت که مقصد من تفحص وتفقد آن بود تا او را زمین نخورده باشد۔

''پس معاویہ اِس محال خیال سے باز آگئے اور شرمندہ ہوئے، اور صحابہ کو اس کا عذر یہ بیان کیا کہ اس کو اُکھیڑنے اور ٹٹولنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کو زمین نے نہ کھالیا ہو''۔

(مدارج النبوة فارسي ج۲ ص۳۲۷)

خدا جانے کہ یہ بھی بیانِ حقیقت تھا یا ''النُّكْتَةُ بَعْدَ الْوُقُوْعِ'' تھا، بہرحال بقولِ امیرِ شام منبر شریف کو اُکھاڑنے کا سبب وہ تھا جو خود اُنہوں نے بیان کیا، لہٰذا امیر اہل سنت کو چاہیئے کہ وہ اُن کے قول پر اعتماد کریں، اُنہیں جھٹلانے سے باز رہیں اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش نہ کریں۔

امیر اہل سنت کی اطلاع کے لیے عرض

امیر اہل سنت سے مجھ غریب اہل سنت کی گزارش ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے مواد کی توقع نہ کریں جس سے اُن کا رانجھا راضی ہو سکے، کیونکہ وہ امام بخاری کے شیخ امام اسحاق بن راھویہ کے اِس مشہور قول پر اعتماد فرماتے تھے کہ ''معاویہ کی شان میں کوئی حدیث نبوی نہیں ہے''۔ چنانچہ اُنہوں نے اس قول کو اپنی چار کتابوں میں بلانکیر درج کیا ہے، جیسا کہ ہم اس سے قبل اُن کی چاروں کتابوں کا حوالہ دے چکے ہیں۔ نیز اُنہوں نے اپنی کتاب "ما ثبت بالسنة في أيام السنة" جس کا ترجمہ علماء دیوبند نے ''مومن کے ماہ وسال'' کے نام سے کیا ہے، میں امیر شام کی بلانکیر کذب بیانی نقل کی ہے اور کسی تاویل کا سہارا نہیں لیا۔ اِس حقیقت کا ذکر آئندہ صفحات میں ''یزید کی بیعت اتنا آسان؟'' عنوان کے تحت آرہا ہے۔

علامہ جلالی اور موضوع احادیث

قارئین کرام امیر اہل سنت کی کتاب "فیضان امیر معاویہ" میں ابھی کافی ایسا مواد موجود ہے جس کی تحقیق کی جائے تو ساری ملمع کاری واضح ہو جائے گی، لیکن ہم اس تحقیق کو کسی اور وقت کے لیے مؤخر کرتے ہوئے علامہ جلالی صاحب کی بیان کردہ موضوع وباطل روایات کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔

وَمُعَاوِيَةُ حَلْقَتُهَا

علامہ جلالی صاحب نے 2013ء میں ''شان امیر معاویہ سیمینار'' میں دیگر موضوع روایات کے ساتھ ساتھ حسبِ ذیل روایت بھی بیان کی ہے:

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا وَمُعَاوِيَةُ حَلْقَتُهَا.

''میں علم کا شہر ہوں، علی اُس کا دروازہ ہیں اور معاویہ اُس دروازے کی کنڈی ہیں''۔

(فردوس الأخبار ج١ ص٧٧، حديث١١١؛ الفردوس بماثور الخطاب ج١ ص٤٤ حديث١٠٦)

واہ! واہ! بابِ علم پر عجیب کنڈی لگانے کی کوشش کی گئی۔ حدیث گھڑنے والے بدبخت نے اس موقع پر یہ بیان نہیں کیا کہ اِس کنڈی پر تالا بھی لگتا تھا یا نہیں اور یہ کہ دروازہ جب مفتوح ہوتا تو کنڈی کھول کر ہوتا یا توڑ کر؟ کنز العلماء صاحب! ذرا اس روایت کی کوئی سند ہی تلاش کی ہوتی! ہر چند کہ "فردوس الأخبار" میں صحیح یا

موضوع کسی بھی حدیث کے ساتھ سند مذکور نہیں ہے، لیکن عالم کہلانے والے لوگ بھی اگر ایسی کتابوں کی حیثیت سے بے خبر ہوں تو پھر اُن میں اور حاطب اللیل قسم کے واعظین وخطباء میں کیا فرق ہوا؟ بڑے بڑے القاب والے لوگ اگر ایسی کتابوں کی حیثیت سے بے خبر ہیں تو مقام افسوس ہے، اور اگر باخبر ہیں اور پھر بھی متابع اور شواہد کے بغیر یہ بے سند اور موضوع روایت ٹھوک ماری ہے تو دین وایمان کا خدا ہی حافظ ہے۔

فردوس الأخبار للدیلمي کی حیثیت

ہر چند کہ امام دیلمی حافظ الحدیث اور صالح آدمی تھے لیکن اُنہوں نے اپنی اِس کتاب میں ایسا حدیثی مواد یکجا جمع کیا جس کا اکثر حصہ فقط اُن ہی کے پاس تھا، اور اکثر محدثین ایسا اس لیے کرتے تھے کہ اُن کے پاس جو اور جیسا مواد موجود ہے وہ جوں کا توں محفوظ ہو جائے۔ آگے ذمہ داری علماء کی ہوتی کہ وہ کتب اصول حدیث اور اسماء الرجال کی مدد سے کسی بھی حدیث کو تحقیق کے بعد قبول کریں یا مسترد کر دیں، اس سے مصنف بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ساری ذمہ داری کتاب کے قاری پر آ جاتی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص مفید وغیر مفید اشیاء کا ڈھیر لگا کر اذنِ عام دے دے کہ اس ڈھیر سے جس کو جو مفید شے ملے وہ لے جائے۔ اب اگر اُس ڈھیر سے کوئی شخص غیر مفید چیز اٹھا کر چلتا بنے تو یہ اُس کی نگاہ وعقل کا قصور سمجھا جائے گا، ڈھیر لگانے والے کا نہیں۔ امام دیلمی نے بھی اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دستیاب مواد کو یکجا جمع کر دیا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ناقدین نے اُن کے بارے میں اور اُن کے جمع کردہ مواد کے بارے میں کیا کہا ہے؟ امام ذہبی لکھتے ہیں:

قُلْتُ: هُوَ مُتَوَسِّطُ الْحِفْظِ ، وَغَيْرُهُ أَتْقَنُ مِنْهُ.

''وہ درمیانہ حفظ والے تھے اور دوسرے محدثین اُن سے زیادہ ماہر تھے''۔

(سیر أعلام النبلاء ج۱۹ ص ۲۹۵)

اِن الفاظ میں ایک لحاظ سے اُن کے اتقان کی کمزوری بلکہ نفی کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ امام ذہبی اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

هُوَ مُتَوَسِّطُ الْمَعْرِفَةِ وَلَيْسَ هُوَ بِالْمُتْقِنِ.

''وہ درمیانی معرفت والے تھے اور ماہر نہیں تھے''۔

(تاریخ الإسلام للذهبي ج۳۵ ص ۲۲۰)

اہل لغت نے لفظ ''اِتقان'' کا معنیٰ کیا ہے ''الإِحکَامُ لِلْأشیَاءِ'' (تمام چیزوں کو حکمت سے کرنا) اور ''مُتقِن'' کا معنیٰ ''حَاذِق'' (ماہر) کیا گیا ہے، جبکہ لفظ ''حاذق'' کا مصدر ''حِذَاقَۃٌ'' ہے۔ امام ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

اَلْحَذَاقَۃُ: اَلْمَهَارَۃُ فِيْ کُلِّ عَمَلٍ.

''ہر کام میں مہارت کا ہونا حذاقت ہے''۔

(لسان العرب ج۳ ص۹۴)

یعنی کوئی شخص کسی کام کو خوبی اور مہارت سے کرے تو وہ اُس کام میں ''مُتقِن'' اور ''حَاذِق'' (ماہر) مانا جاتا ہے۔ امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر محدث ہونے کے حوالے سے کیا گیا ہے اور چونکہ وہ علم حدیث میں ''مُتقِن'' (ماہر) نہیں تھے اس لیے اُن کے اس کام میں خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ محدث ابن الصلاح اُن کے اس کام (مجموعہ حدیث) کے متعلق کہتے ہیں:

فَإِنَّ صَاحِبَ کِتَابِ الْفِرْدَوْسِ جَمَعَ فِیْهِ بَیْنَ الصَّحِیْحِ وَالسَّقِیْمِ، وَبَلَغَ بِهِ الانْحِلَالَ إِلیٰ أَنْ أَخْرَجَ أَشْیَاءَ مِنَ الْمَوْضُوْعِ.

''کتاب الفردوس کے مصنف نے اپنی کتاب میں صحیح وسقیم کو جمع کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بہت سی موضوع احادیث بھی درج کر دیں''۔

(فتاوی ومسائل ابن الصلاح، ص۱۷۲)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حافظ یحییٰ بن مندہ درحق او گفتہ کہ جوانے زیرک وحسن خلق در مذہب سنت متصلب ست. واز اعتزال دور، مرد کم گو ودلیر اما در اتقان معرفت وعلم او قصور است. در صحیح وسقیم تمیز نمی کند. ولهذا دریں کتاب او موضوعات وواہیات تودہ تودہ مندرج۔

''حافظ یحییٰ بن مندہ ان کے یہ اوصاف بیان کرتے ہیں کہ وہ نہایت شکیل جوان، خلیق اور مذہب سنت میں متصلب (سخت)، اعتزال سے دور، کم گو اور دل کے دلیر تھے، مگر اُن کے

اتقان، معرفت اور علم میں کچھ قصور تھا، وہ سقیم اور صحیح حدیث میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے، اسی لیے ان کی اس کتاب میں کثرت سے موضوعات اور واہیات (کمزور روایات) درج ہیں"۔

(بستان المحدثین، مع ترجمہ ص۱٦۲)

سوچ کر بتلایئے کہ جن حضرات نے امام دیلمی اور اُن کی کتاب کے بارے میں یہ تبصرہ کیا ہے، اُن کا مقصد کیا ہے، کیا اُن کا مقصود محض اُن کی غیبت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ اُن کی کتاب سے استفادہ کرنے والے شخص پر احتیاط لازم ہے، لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں کنز العلماء کہلانے والے لوگوں نے جب اِس کتاب سے استفادہ کیا تو بصر و بصیرت دونوں کو خیر باد کہہ دیا۔ "حُبُّکَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ"

بلا سند حدیث کی حیثیت؟

جب امام دیلمی کی کتاب "فردوس الأخبار" کی یہ حیثیت ہے تو پھر سوچئے کہ اُس سے حدیث لینے میں کس قدر احتیاط لازم ہے، مزید برآں یہ کہ جب اُس میں صحیح اور غیر صحیح تمام روایات ہیں ہی بلا سند تو پھر معمولی احتیاط کی نہیں بلکہ شدید احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ غیر معتبر کتب سے سند کے بغیر بیان کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں مانی گئی۔ چنانچہ امام سمعانی لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْأَخْبَارَ إِذَا تَعَرَّتْ عَنْ وُجُوْدِ الْإِسْنَادِ فِيْهَا كَانَتْ بَتْرًا.

"جب احادیث سند سے خالی ہوں تو وہ دُم بریدہ ہیں"۔

(أدب الإملاء والاستملاء ص۱۲)

امیر المومنین فی الحدیث حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُلُّ حَدِيْثٍ لَيْسَ فِيْهِ حَدَّثَنَا أَوْ أَخْبَرَنَا فَهُوَ خَلٌّ وَبَقْلٌ.

"ہر ایسی حدیث جس میں "حَدَّثَنَا" یا "أَخْبَرَنَا" نہ ہو تو وہ کُترے ہوئے گھاس کی طرح بیکار ہے"۔

(أدب الإملاء والاستملاء ص۱۳؛ المدخل في أصول الحديث للحاكم ص۱۷؛ الكامل في ضعفاء الرجال ج۱ ص۱۰۷؛ الإسناد من الدين لأبي غدة ص۲۰)

کنز العلماء نے جو روایت بیان کی ہے، اوّلاً تو وہ دیلمی ایسے غیر ماہر محدث کی غیر معتبر کتاب سے ہے اور ثانیاً بے سند بھی ہے، لہٰذا خود فیصلہ فرمایئے کہ اس روایت کو دم بریدہ کہا جائے، کُترے ہوئے گھاس کی طرح بیکار

کہا جائے یا کوئی اور نام دیا جائے؟

بے سند حدیث بیان کرنے کا ضابطہ

علماءِ اصولِ حدیث نے ضابطہ طے کیا ہے کہ جب کوئی ایسی روایت بیان کرنی پڑ جائے جو ضعیف اور بے سند ہو تو براہ راست اُس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ امام ابن الصلاح لکھتے ہیں:

إذَا أَرَدْتَ رِوَايَةَ الْحَدِيْثِ الضَّعِيفِ بِغَيْرِ إِسْنَادٍ فَلا تَقُلْ فِيْهِ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَذَا وَكَذَا ، وَمَا أَشْبَهَ مِنَ الأَلْفَاظِ الْجَازِمَةِ بِأَنَّهُ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ ، وَإِنَّمَا تَقُوْلُ فِيْهِ : رُوِيَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَذَا وَكَذَا ، أَوْبَلَغَنَا عَنْهُ كَذَا كَذَا ، أَوْوَرَدَ عَنْهُ ، أَوْ جَاءَ عَنْهُ ، أَوْرَوىٰ بَعْضُهُمْ ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ.

''جب تم بلا سند ضعیف حدیث روایت کرنا چاہو تو یوں نہ کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا اور نہ ہی اس جیسے دوسرے یقینی الفاظ استعمال کیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے ہی یہ فرمایا ہے۔ ایسی حدیث کے بارے میں تم یوں کہا کرو کہ رسول اللہ ﷺ سے اِس اِس طرح روایت کیا گیا، یا ہمیں اس اس طرح روایت پہنچی، یا آپ سے اس طرح منقول ہوا یا بعض نے اس طرح روایت کیا اور اس جیسے دوسرے الفاظ استعمال کیا کرو''۔

(معرفة أنواع علم الحديث، بتحقيق الفحل، ص ۲۱۱)

لیکن فاضل بغداد کنز العلماء نے تمام ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فقط ضعیف اور بے سند ہی نہیں بلکہ موضوع اور جعلی روایت کو واضح اور صریح الفاظ میں فرمانِ مصطفیٰ ﷺ بنا ڈالا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اکلوتی کتاب سے حدیث

اس روایت کے موضوع و مردود ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام دیلمی اس کو لانے میں تنہا ہیں، اُن کی کتاب کے علاوہ امہات الکتب میں سے کسی بھی معتبر کتاب میں اس حدیث کا کوئی سراغ نہیں ملتا، اور علماء اصول حدیث نے واضح کیا ہے کہ جو کوئی شخص ایسی حدیث لائے جو اُس کے علاوہ دوسروں کے پاس نہ ہو تو وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ امام ابن الصلاح لکھتے ہیں:

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: فَمَنْ جَاءَ الْيَوْمَ بِحَدِيْثٍ لا يُوْجَدُ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ.

''امام بیہقی فرماتے ہیں: پس آج کوئی شخص کوئی ایسی حدیث لائے جو دوسرے تمام محدثین کے پاس نہ پائی جائے تو وہ اُس سے قبول نہیں کی جائے گی''۔

(علوم الحديث ،بتحقيق نور الدين عتر ص ۱۲۱ ،وط: ص ۲٤۱؛التقييد والإيضاح للعراقي ج۱ ص ۱۳۳؛الشذ الفياح للأبناسي ص ۲٦٦؛الوضع في الحديث ج۱ ص ۳۰٦)

ذرا شمار کیجئے کہ جلالی صاحب کی بیان کردہ اس روایت میں کتنے سقم جمع ہو گئے:

۱۔ "**فردوس الأخبار**'' کے مصنف کا غیر ماہر ہونا

۲۔ کتاب ''**فردوس الأخبار**'' کا غیر معتبر ہونا

۳۔ اس میں سقیم و موضوع روایات کا بکثرت ہونا

۴۔ اس کی احادیث کا بے سند ہونا

۵۔ اور خصوصاً زیر بحث روایت میں امام دیلمی کا منفرد ہونا

یہ پانچ سقم ہیں، اِن میں سے کوئی ایک سقم بھی ہو تو تحقیق لازم ہوتی ہے، لیکن افسوس کہ پانچ سقم ہونے کے باوجود جلالی صاحب نے آنکھیں بند کر کے یہ موضوع روایت بڑے فاتحانہ انداز میں اور انتہائی طمطراق کے ساتھ بیان کر ڈالی۔ فیاللأسف!

''أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ'' پر مردود اضافہ

سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کی شان میں وارد ہونے والی مشہور حدیث ''**أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا**'' پر ماضی بعید میں بھی بعض واعظین نے کچھ ہستیوں کے اسماء مبارکہ کا اضافہ کیا تھا تو اُس دور کے سامعین نے اُن سے اُسی وقت سند کا مطالبہ کیا تھا تو اُس کذاب خطیب کو جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ اُس خطیب کا نام اسماعیل بن علی بن مثنی استراباذی الواعظ ہے، وہ ۴۴۸ھ میں مرا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

''غیث بن علی الصوری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں سہل بن بشر نے اپنے الفاظ میں کئی بار بیان کیا کہ اسماعیل دمشق میں وعظ کرتا تھا: ایک مرتبہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس سے حدیث ''**أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا**'' کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگا:

هٰذَا مُخْتَصَرٌ ، وَ إِنَّمَا هُوَ : "أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ أَبُوْبَكْرٍ أَسَاسُهَا ، وَعُمَرُ حِيْطَانُهَا ، وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا. قَالَ :فَسَأَلُوهُ أَنْ يُخْرِجَ لَهُمْ إِسْنَادَهُ فَوَعَدَهُمْ بِهِ.

''یہ مختصر ہے اور پوری یوں ہے: میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر اس کی بنیاد ہے، اور عمر اس کی دیواریں ہے، اور عثمان اس کی چھت ہے اور علی اس کا دروازہ ہے۔ سہل کہتے ہیں: لوگوں نے اس سے سند کا مطالبہ کیا تو اس نے ان سے وعدہ کیا''۔

(لسان المیزان ج۱ ص ۶۵۲ ،رقم الترجمۃ ۱۳۳۲ ،وط: ج۲ ص ۱۵۲ ،رقم الترجمۃ ۳۱۲۰۶)

حافظ ابن عساکر نے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(تاریخ دمشق ج۹ ص ۲۰)

جھوٹے شخص کا کیا وعدہ؟ پھر وہ فقط جھوٹا ہی نہیں تھا بلکہ کذاب ابن الکذاب تھا۔ چنانچہ امام ابن السمعانی لکھتے ہیں:

كَانَ يُقَالُ لَهُ كَذَّابُ ابْنُ كَذَّابٍ.

''اس کو جھوٹا جھوٹے کا بیٹا کہا جاتا تھا''۔

حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عبدالعزیز نخشی ،شافع بن ابوعوانہ ،ابوسعد بن ابوبکر الاسماعیلی ،امام حاکم ،امام سلمی اور ابوالفضل الخزاعی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں: یہ قصے بیان کرتا تھا اور جھوٹ بولتا تھا، اور اس کے چہرے پر متقین والی علامت نہیں تھی۔ نخشی فرماتے ہیں: میں ابونصر عبید اللہ بن سعد سجزی کے پاس مکۃ المکرمۃ میں حاضر ہوا تو اس کے متعلق پوچھا: انہوں نے فرمایا: وہ جھوٹا جھوٹے کا بیٹا ہے، نہ اس سے حدیث لی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی عزت ہے۔ میں نے اس کی اور اس کے باپ کی احادیث کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ من گھڑت متنوں کو صحیح سندوں پر چڑھا دیتا ہے''۔

(لسان المیزان ج۱ ص ۶۵۲ ،وط: ج۲ ص ۱۵۲)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ طَاهِرٍ : مَزَّقُوْا حَدِيْثَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ.

''ابن طاہر نے بیان کیا: لوگوں نے اس کے روبرو بیت المقدس کے اندراس کی (جھوٹی) حدیثیں پھاڑ ڈالی تھیں''۔

(میزان الاعتدال ج۱ص۳۹۸رقم۱۳۳۱؛لسان المیزان ج۱ص۶۵۱،وط: ج۲ص ۱۵۱)

امام ابن عساکر نے بھی اِس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ بیت المقدس کے امام سعد الرھاوی سے نقل کیا ہے۔وہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا ظَهَرَ لِأَصْحَابِنَا كِذْبُ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ الْمُثَنّٰى ،أُحْضَرُوْا جَمِيْعَ مَا كَتَبُوْا عَنْهُ وَشَقَّقُوْا وَرَمَوْا بِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ.

''جب ہمارے ساتھیوں پر اسماعیل بن مثنیٰ کا جھوٹ عیاں ہوا تو اُنہوں نے جو کچھ اُس سے لکھا تھا سارے کا سارے لے آئے اور اُس کو پھاڑ کر اُس کے آگے پھینک دیا''۔

(تاریخ دمشق ج۹ص۲۰)

مذکورہ اضافہ کی وضعیت پر دلائل

''أَبُوْبَكْرٍ أَسَاسُهَا الخ'' کے اضافہ کے مردود، موضوع اور باطل ہونے کے مزید دلائل یہ ہیں

۱۔ سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ اِس کی کوئی سند نہیں ہے، اور آپ پر اس سے قبل ''وَمُعَاوِيَةُ حَلْقَتُهَا'' کی تردید میں بلا سند حدیث کا حکم اور اُس کی قباحت واضح ہو چکی ہے۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ محدثین کرام نے فرمایا ہے: اِس کے الفاظ میں رکاکت ہے۔ چنانچہ امام سخاوی نے حدیث ''أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا'' کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کے بعد متعدد اور احادیث بھی ذکر فرمائی ہیں اور اُن میں یہی حدیث ''أَبُوْبَكْرٍ أَسَاسُهَا'' اور پھر ''وَمُعَاوِيَةُ حَلْقَتُهَا'' کو بھی ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

وَبِالْجُمْلَةِ فَكُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ ، وَأَلْفَاظُ أَكْثَرِهَا رَكِيْكَةٌ ، وَأَحْسَنُهَا حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ ، بَلْ هُوَ حَسَنٌ.

''خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام کی تمام ضعیف ہے اور ان کے اکثر کے رکیک ہیں، اور اِن

سب سے حسین حدیثِ ابن عباس ہے بلکہ وہ حسن ہی ہے''۔

(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة ص ١٧٠)

شیخ عجلونی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(كشف الخفاء ومزيل الإلباس ج١ ص١٨٥)

واضح رہے کہ اِمام سخاوی کی عبارت میں "فَكُلُّهَا ضَعِيفَةٌ" سے ضعفِ اصطلاحی مراد نہیں بلکہ یہ الفاظ اِن احادیثِ موضوعہ کو مسترد کرنے کے معنیٰ میں ہیں، ورنہ بے سند حدیث پر کوئی حکم کیسا؟ بہرحال یہ حدیث وموضوع وباطل ہی ہے، جیسا کہ امام ذہبی اور حافظ عسقلانی نے تصریح فرمائی ہے۔ امام سخاوی نے بھی اپنے شیخ کی تائید فرمائی ہے، اُنہوں نے اِس حدیث کے الفاظ میں "رَكَاكَة" سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، چونکہ الفاظ کی "رَكَاكَة" کو محدثین کرام نے موضوع حدیث کی علامات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ بشمول امام سخاوی متعدد علماء کرام نے لکھا ہے واللفظ للنووي:

فَقَدْ وُضِعَتْ أَحَادِيثُ يَشْهَدُ بِوَضْعِهَا رِكَاكَةُ لَفْظِهَا وَمَعَانِيهَا.

''پس بہت سی احادیث وضع کی گئیں جن کے موضوع ہونے پر اُن کے الفاظ اور معانی کا رکیک ہونا گواہی دیتا ہے''۔

(التقريب والتيسير للنووي ص٤٦؛ معرفة أنواع علوم الحديث لابن الصلاح ص٢٠٣؛ فتح المغيث للسخاوي ج٢ ص١٢٧؛ تدريب الراوي ج١ ص٣٢٤، ٣٢٥)

اس حدیث "أَبُوبَكْرٍ أَسَاسُهَا" میں لفظی اور معنوی رکاکت یہ ہے کہ حدیث گھڑنے والے خبیث کو محسوس ہی نہیں ہوسکا کہ اُس کی کھوپڑی سے نکل کیا رہا ہے۔ دروغ گورا حافظہ نباشد، اُس احمق نے مدینۃ العلم (شہرِ علم) ﷺ کی اساس (بنیاد) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنادیا ہے، حالانکہ کوئی اُمتی اپنے نبی کی اساس نہیں ہوسکتا۔ ذرا غور کیجئے کہ عنادِ مرتضوی کی وجہ سے وہ شخص کتنی بڑی گمراہی میں مبتلا ہوگیا؟ نہ معلوم اعداءِ علی المرتضیٰ علیہ السلام کو گمراہی کی مزید کتنی وادیوں میں بھٹکنا ہوگا؟

۳۔ اِس حدیث کے موضوع ہونے کے مزید دلائل میں تیسری دلیل یہ ہے کہ اس کو بیان کرنے والا شخص واعظ تھا اور واعظین اپنے وعظ میں نئی باتیں بیان کرنے کے شوق اور سامعین سے داد لینے کے ذوق میں ہر طرح کا رطب ویابس جمع کردیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء اسماء الرجال جب حدیث میں کسی شخص کا غیر معتبر ہونا بیان

کرتے ہیں تو اُس کے نام ساتھ جس طرح "الصوفي" اور "القاص" کے لفظ کو نمایاں کرتے ہیں اسی طرح اگر وہ مقرر و مبلغ ہو تو لفظ "الواعظ" کی بھی صراحت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے والے شخص "إسماعيل بن علي بن حسين بن بندار بن المثنى أبو سعد الأستراباذي الواعظ" کے نام کے ساتھ بھی لفظ واعظ کو آخر میں واضح کرنے میں یہی حکمت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اس حدیث پر وہ اضافہ مردود و موضوع قرار دے دیا گیا جو خلفاء ثلاثہ ﷺ کی شان میں گھڑا گیا تھا تو پھر بعض طلقاء کے بارے میں ایسا اضافہ کیونکر قبول ہو سکتا ہے؟

افسوس کہ جلالی صاحب کے منعقدہ سیمینار کے شرکاء میں یہ ہمت نہیں تھی کہ اُن سے اُسی وقت سند کا مطالبہ کرتے اور اس روایت کی حیثیت دریافت کرنے کی کوشش کرتے۔ اگرچہ ویڈیو ریکارڈ میں اِس روایت کو سنتے ہی بعض حضرات کا ہاتھ قلم کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے مگر زبان کو وہ بھی حرکت میں نہیں لا سکے، شاید اس لیے کہ ایسے مواقع پر بعض لوگوں کو لٹھ کا خوف ہوتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ مجلس میں موجود علماء بھی ایسی باطل روایات پر خاموش رہے۔ یقین فرمایئے! ایسی جھوٹی احادیث پر سیمینار میں شریک علماء یوں دم بخود تھے جیسا کہ کوئی کرپٹ حاکم اُدھار کھا کر امریکہ کے سامنے دم بخود ہوتا ہے۔

دیلمی کی روایات اور علامہ اقبالؒ

قارئین کرام! ہر دور میں ایسے نام نہاد کنز العلماء خطیب رہے ہیں، آپ حیران ہوں گے کہ مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی ایسے خطباء تھے لیکن مفکر اسلام اُن سے بہت مایوس تھے۔ چنانچہ وہ سراپا شکوہ کناں ہو کر فرماتے ہیں ؎

واعظ دستاں زنِ افسانہ بند　　معنی او پست و حرفِ او بلند

(واعظ کا یہ حال ہے کہ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر کہانیاں بیان کرتا ہے، اس کی تقریر میں معنویت پست اور لفاظی بلند ہوتی ہے)

از خطیب و دیلمی گفتارِ او　　با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

(وہ اپنے وعظ میں خطیب اور دیلمی کے حوالے دیتا ہے، شاذ، ضعیف اور مرسل احادیث سے کام چلاتا ہے)

(اسرار و رموز ۱۲۳)

ذرا تصور فرمایئے کہ جب ایوانِ اقبال میں ہی دیلمی سے یہ موضوع روایت بیان کی جارہی ہوگی تو اُس وقت روحِ اقبال پر کیا گزر رہی ہوگی؟

کنز العلماء سے دوسری موضوع حدیث

کنز العلماء نے ایوانِ اقبال میں ایک اور ایسا علمی خزانہ بھی پیش کیا جس کو ہمارے تمام کے تمام ماہرین علمِ حدیث سختی سے مسترد کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے جس کتاب سے اس روایت کو نقل کیا ہے محدثین کرام نے اُس کے مصنف کے بارے میں کہا ہے کہ اُس نے عمداً یہ موضوع حدیث ذکر کی ہے۔ اُس کا نام ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم الجورقانی (بعض کے نزدیک: الجوزقانی) ہے، وہ لکھتا ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرٍ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ ثَابِتٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُوْ سَعِيْدِ الْمَالِيْنِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَفْصٍ الْوَكِيْلُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ يُوْنُسَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا هُشَيْمُ ابْنُ بِشْرٍ ، عَنْ يَسَارٍ ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا أَفْتَقِدُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِيْ غَيْرَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ ، لَا أَرَاهُ ثَمَانِيْنَ عَامًا أَوْ سَبْعِيْنَ عَامًا ، فَإِذَا كَانَ بَعْدَ ثَمَانِيْنَ عَامًا أَوْ سَبْعِيْنَ عَامًا ، يَقْبَلُ إِلَيَّ عَلٰى نَاقَةٍ مِنَ الْمِسْكِ الْأَذْخَرِ حَشْوُهَا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ، قَوَائِمُهَا مِنَ الزَّبَرْجَدِ ، فَأَقُوْلُ: مُعَاوِيَةُ ! فَيَقُوْلُ : لَبَّيْكَ يَا مُحَمَّدُ ! فَأَقُوْلُ: أَيْنَ كُنْتَ مِنْ ثَمَانِيْنَ عَامًا ؟ فَيَقُوْلُ: فِيْ رَوْضَةٍ تَحْتَ عَرْشِ رَبِّيْ ، أُنَاجِيْهِ وَيُنَاجِيْنِيْ ، وَأُحَيِّيْهِ وَيُحَيِّيْنِيْ ، وَيَقُوْلُ : هٰذَا عِوَضُ مَا كُنْتَ تُشْتَمُ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا.

هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ حَسَنٌ.

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں (قیامت کے دن) معاویہ بن ابوسفیان کے علاوہ اپنے کسی صحابی کو غیر حاضر نہیں پاؤں گا، میں اُسے ۸۰ یا ۷۰ سال تک نہیں دیکھوں گا، پھر وہ ۸۰ یا ۷۰ برس بعد مشک اذخر کی اونٹنی پر بیٹھ کر میری طرف آئے گا جو رحمت الٰہی سے ڈھکی ہوئی ہوگی، اُس کے پاؤں زبرجد کے ہوں گے، تو میں کہوں گا:

معاویہ! وہ عرض کرے گا: لبیک یا محمد! میں کہوں گا: تم ۸۰ برس سے کہاں تھے؟ وہ عرض کرے گا: اپنے رب کے عرش کے نیچے ایک باغ میں تھا، سو وہ مجھ سے سرگوشی کرتا تھا اور میں اُس سے، میں اُس کی تعظیم کرتا تھا اور وہ مجھے عظمت دیتا تھا، اور اُس نے فرمایا: یہ اُس کے عوض ہے جو تمہیں دنیا میں برا کہا جاتا تھا''۔

(الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر ج۱ ص ۲۶۰، ۲۶۱، وط: ص ۱۲۵ حدیث ۲۴۲)

اس سے قبل کہ اس حدیث کی سند پر کلام کیا جائے، یہ جاننا چاہیے کہ اگر معاویہ کو یہ اعزاز فقط اس لیے ملا کہ اُنہیں دنیا میں برا کہا جاتا تھا تو ایسا اعزاز خلفاء اربعہ ﷺ کو کیوں نہ ملا؟ کیا اُنہیں برا نہیں کہا گیا اور اب تک نہیں کہا جاتا؟

جورقانی کی موضوع روایت پر کلام

ہم نے اس روایت کی سند کا ترجمہ نہیں کیا، وہ فقط نام ہیں لہٰذا اُن میں آپ خود غور فرما لیجیے۔ سند میں دوسرا نام احمد بن علی بن ثابت (خطیب بغدادی) کا ہے۔ جس سند سے جورقانی نے اس روایت کو نقل کیا ہے، بعینہٖ یہی سند خطیب بغدادی کی کتاب میں مذکور ہے۔ خطیب بغدادی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ إِسْنَادًا وَّمَتْنًا، وَنَرَاهُ مِمَّا وَضَعَهُ الْوَكِيلُ، وَأَنَّ إِسْنَادَهُ رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ سِوَاهُ.

''یہ حدیث سند اور متن دونوں کے لحاظ سے باطل ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو وکیل نے گھڑا ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں ماسوا اس (وکیل) کے''۔

(تاریخ بغداد ج۹ ص ۴۴۹، وط: ج۹ ص ۴۵۵، ۴۵۶، وط: ج۱۱ ص ۱۱۵)

خطیب کی عبارت میں وکیل سے مراد اس سند کا پانچواں راوی عبداللہ بن حفص ہے۔ خطیب بغدادی نے اسی کو حدیث گھڑنے والا قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ باقی راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے متن گھڑ کر اس سند پر چڑھا دیا ہے۔ ذرا غور فرما کر بتلایئے کہ جورقانی نے اس حدیث کے بارے میں خطیب بغدادی کا حکم پڑھا اور جانا نہیں ہوگا؟ یقیناً پڑھا اور جانا ہوگا لیکن کیا کیجیے دفاعِ معاویہ کرنے والے بیچاروں کے پاس جھوٹی روایات اور باطل تاویلات کے علاوہ ہے ہی کیا؟

اس سند میں چوتھے راوی عبداللہ بن عدی الحافظ یعنی امام ابن عدی ہیں۔ اُنہوں نے براہ راست عبداللہ بن حفص الوکیل سے سنا ہے اور اُنہوں نے اس کے حالات میں اس روایت سے قبل یوں لکھا ہے:

شَيْخٌ ضَرِيْرٌ كَتَبْتُ عَنْهُ ، كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ وَ أَمْلىٰ عَلَيَّ مِنْ حِفْظِهٖ أَحَادِيْثَ مَوْضُوْعَةً ، وَلَا أَشُكُّ أَنَّهٗ هُوَ الَّذِيْ وَضَعَهَا.

''یہ اندھا شیخ تھا، میں نے اس سے حدیثیں لکھی ہیں، یہ حدیثیں چراتا تھا اور مجھے زبانی طور پر موضوع احادیث لکھواتا تھا اور مجھے کوئی شک نہیں کہ اُس نے ہی اُن احادیث کو گھڑا ہے''۔

پھر یہی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

هٰذَا حَدِيْثٌ مَوْضُوْعٌ ، وَضَعَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَفْصٍ هٰذَا.

''یہ موضوع حدیث ہے، اس کو اسی عبداللہ بن حفص نے گھڑا ہے''۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج٥ ص٤٣٣، ٤٣٤)

امام ابن جوزی نے بھی ابن عدی اور خطیب بغدادی کا حکم نقل کر کے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزي ج٢ ص٢٣، وط: ج٢ ص٢٦٣)

امام سیوطی نے امام ابن الجوزی کی جرح کو نہ صرف یہ کہ مقرر رکھا ہے بلکہ ابن عساکر کے حوالے سے اس کو مزید مؤکد بھی کر دیا ہے۔

(اللآلي المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة ج١ ص٤٢٤)

ہمارے سامنے امام ابن عساکر کی جو مطبوع تاریخ دمشق موجود ہے اس میں دو سندوں سے یہ روایت مذکور ہے، پہلی سند پر امام ابن عدی اور خطیب بغدادی کی جرح کو مقرر رکھتے ہوئے اس روایت کو سنداً اور متناً باطل تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری سند کے بعد کوئی تبصرہ موجود نہیں۔ امام سیوطی نے جو یہ الفاظ لکھے:

قَالَ ابْنُ عَسَاكِرَ: هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ ، وَفِيْهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمَجَاهِيْلِ.

''ابن عساکر نے کہا: یہ حدیث منکر ہے اور اس میں متعدد گمنام راوی ہیں''۔

(اللآلي المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة ج١ ص٤٢٤)

یہ الفاظ ہمارے سامنے ''تاريخ مدينة دمشق'' کے مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں ہیں، تاہم امام سیوطی کے نسخہ میں ان الفاظ کا ہونا بعید نہیں۔ امام ابن منظور افریقی نے ''تاريخ مدينة دمشق'' کی جو تلخیص فرمائی ہے اُس

میں اُنہوں نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ ، بَاطِلٌ إِسْنَادًا وَمَتْنًا.

''یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے، سند اور متن دونوں کے لحاظ سے باطل ہے''۔

(مختصر تاریخ دمشق ج۲۵ ص۱۳)

عاشقانِ طلقاء کا ہم نوا ہونا

بتایئے! امام ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ اور خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے جو اس حدیث کے موضوع ہونے اور اس کے راوی کے واضع ہونے کی تصریح کی ہے، کیا اس تصریح کو جورقانی متوفی ۵۴۳ھ نے نہیں پڑھا ہوگا؟ جب ان دونوں محدثین نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس کو وضع کرنے (بنانے اور گھڑنے) والا عبداللہ بن حفص الوکیل ہے تو ثابت ہوا کہ جورقانی نے عمداً اس موضوع روایت کو بیان کیا ہے۔
چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اِس حدیث کو ''حسن'' کہنے کی وجہ سے جورقانی پر اظہار تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُلْتُ : وَالْعَجَبُ أَنَّ الْجَوْزَقَانِيَّ أَخْرَجَهُ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ عَدِيٍّ ، وَقَدْ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ بَعْدَ تَخْرِيجِهِ : كَتَبْتُ عَنْهُ ، كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ وَ أَمْلَىٰ عَلَيَّ مِنْ حِفْظِهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً ، وَلَا أَشُكُّ أَنَّهُ هُوَ الَّذِي وَضَعَهَا.

''میں کہتا ہوں: تعجب ہے کہ جوزقانی نے اس حدیث کو امام ابن عدی کی سند سے بھی روایت کر دیا ہے، حالانکہ ابن عدی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث موضوع ہے، اور اس کو اسی عبداللہ بن حفص نے وضع کیا (گھڑا) ہے، اُس نے اپنے حافظہ سے مجھے موضوع احادیث لکھوائیں، میں شک نہیں کرتا کہ اِس حدیث کو اُس نے ہی گھڑا ہے''۔

(لسان المیزان ج٤ ص٤٦٢)

جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جوزقانی کی کارروائی پر حیرت زدہ ہیں کہ وہ جس کتاب سے اِس حدیث کو نقل کر رہا ہے، اُس میں اِس حدیث کو غیر مبہم اور کھلے الفاظ میں موضوع کہا گیا ہے مگر اُس نے پھر بھی اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے معاویہ کی شان میں یہ موضوع و باطل روایت ٹھوک دی ہے، اسی طرح راقم الحروف بھی حیران ہے کہ ہمارے دور میں بھی لوگ دانستہ ایسی موضوع احادیث کو چلا رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شروع سے

اب تک عاشقانِ معاویہ ہم مزاج وہم نوا ہیں، کیوں نہ ہوں جبکہ حدیث پاک میں ہے: "الْأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ".

کنز العلماء اور عمداً جھوٹی حدیث

جلالی صاحب نے بھی اس جعلی اور موضوع حدیث کو عمداً بیان کیا ہے، کیونکہ اُن کے ہاتھ میں "الأباطیل والمناکیر" کا جو نسخہ موجود تھا، اُس کے حاشیہ میں ان تمام کتب کا حوالہ موجود ہے جن سے ہم نے اس حدیث کا موضوع ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں جلالی صاحب کی میز پر تاریخ دمشق اور سیر أعلام النبلاء بھی موجود تھیں اور ان دونوں کتابوں میں اِس روایت کو موضوع و باطل قرار دیا گیا ہے لیکن اُنہوں نے ان دونوں کتابوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کم عقل جورقانی کی کتاب کا رُخ کیا اور عمداً یہ موضوع روایت بیان کرڈالی۔ عمداً کسی موضوع حدیث کو بیان کرنے والے کے لیے جو وعید آئی ہے اُس سے علماءِ حق بے خبر نہیں ہوتے۔ بعض احادیث میں ہے کہ عمداً تو کجا کسی حدیث کے جھوٹ ہونے کا محض گمان ہو تو بھی شدید وبال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ.

"جس شخص نے مجھ سے کوئی حدیث نقل کی درآنحالیکہ اُس نے سمجھا کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے"۔

(سنن الترمذي ج٤ ص٣٩٧ حديث٢٦٦٢؛(سنن ابن ماجه ص١٩ حديث٣٨؛مسند أبي داود للطيالسي ج٢ ص٦٩ حديث٧٢٥؛صحيح مسلم [مقدمة]ص٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہما ایسے شخص کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَفٰى بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ وَعِيْدًا شَدِيْدًا فِيْ حَقِّ مَنْ رَوَى الْحَدِيْثَ فَيَظُنُّ أَنَّهُ كِذْبٌ ، فَضْلاً عَنْ أَنْ يَتَحَقَّقَ ذٰلِكَ وَلَا يُبَيِّنُهُ، لِأَنَّهُ ﷺ جَعَلَ الْمُحَدِّثَ بِذٰلِكَ مُشَارِكًا لِكَاذِبِهِ فِيْ وَضْعِهِ.

"اس جملے میں اُس شخص کے بارے میں کافی شدید وعید ہے جس نے کسی حدیث کو جھوٹ گمان کرنے کے باوجود بیان کردیا، چہ جائیکہ وہ شخص جس پر اُس کا جھوٹ ہونا عیاں ہو اور وہ اُس کا جھوٹ ہونا واضح نہ کرے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حدیث بیان کرنے والے

کو کذب میں حدیث گھڑنے والے کے ساتھ شریک کیا ہے''۔

(النكت على كتاب ابن الصلاح للعسقلاني ص۸۳۹؛فتح المغيث للسخاوي ج۲ص۱۰۰)

کنز العلماء کے امام کی کم عقلی

اس حدیث کو''جورقانی'' نے''حسن'' کہا ہے اور جلالی صاحب نے اُن کے اِس قول کو سراہتے ہوئے کہا ہے کہ امام جورقانی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے، لیکن افسوس کہ یہ جلالی صاحب اور اُن کے امام کی محض خوش فہمی ہے، وہ کیسے؟ سنئے! امام ذہبی فرماتے ہیں:

قُلْتُ : هٰذَا مِنْ أَسْمَجِ الْوَضْعِ ، فَقَبَّحَ اللّٰهُ الْوَكِيْلَ ، فَإِنَّهُ اِخْتَلَقَهُ ، وَقَالَ الْجَوْرقَانِيُّ بِقِلَّةِ عَقْلٍ : هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

''میں کہتا ہوں: یہ بدترین موضوع حدیث ہے، اللہ تعالیٰ وکیل کو رسوا کرے اُس نے ہی اس کو گھڑا ہے، اور جورقانی نے کم عقلی کے ساتھ کہہ دیا: یہ حدیثِ حسن ہے''۔

(أحاديث مختارة من موضوعات الجورقاني وابن الجوزي،للذهبي ص۱۲۱)

محدث ابن عراق الکنانی نے امام ذہبی کے قول کو برقرار رکھا ہے۔

(تنزيه الشريعة المرفوعة ج۲ص۷)

علامہ ذہبی نے''سیر أعلام النبلاء'' میں ایک عنوان قائم کیا: ''**فَمِنَ الْأَبَاطِيْلِ الْمُخْتَلَقَةِ**'' (گھڑی ہوئی باطل حدیثیں) پھر اُس عنوان کے تحت اس روایت کو بھی لاکر اس کے جعلی ہونے پر مہر لگادی ہے۔

(سير أعلام النبلاء ج۳ص۱۳۰)

چونکہ کنز العلماء صاحب اس کم عقل شخص کے قول پر خوش ہوئے، لہٰذا اب آپ ہی فرمایئے کہ جوزقانی کو تو علامہ ذہبی نے کم عقل کہا، اُس شخص کو کیا سمجھا جائے جس نے اُس کم عقل کی روایت کو عمداً آگے بیان کردیا؟

موضوع احادیث کے پیچھے عصبیت

احادیث گھڑنے والوں کے مختلف مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنے قائدین کی شان میں احادیث بناتے تھے تاکہ جو شخص اُن کے قائد کے مدمقابل ہے اُس کو پست دِکھلایا جائے۔ سو کچھ لوگوں نے تو عصبیت کی وجہ سے اپنی طرف سے احادیث بنائیں اور کچھ لوگوں نے عصبیت کا شکار ہوکر اُن احادیث کو قبول کیا اور آگے چلایا۔

ہر چند کہ جورقانی نے خود اس حدیث کو نہیں بنایا لیکن اُس نے بوجہ تعصب نہ صرف یہ کہ اِس جعلی حدیث کو قبول کیا بلکہ اس کو حدیثِ حسن بنا کر آگے بھی چلایا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَسَاقَ الْجَوْزَقَانِيُّ حَدِيْثَهُ الْمَذْكُوْرَ ، عَنْ سُرَيْجٍ ، عَنْ هُشَيْمٍ بِسَنَدِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ . وَتَعَقَّبَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْمَا قَرَأْتُ بِخَطِّهٖ : نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ ، فَإِنَّ مُصَنِّفَ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يَخْفىٰ عَلَيْهِ أَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مَوْضُوْعٌ.

''جوزقانی نے مذکورہ حدیث کو اپنی سند سے از سریج، از ہشیم چلایا، پھر کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام ابن جوزی نے اُس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا، جیسا کہ میں نے اُن کی ذاتی تحریر میں پڑھا ہے: ہم عصبیت سے اللہ ﷻ کی پناہ میں آتے ہیں، اِس کتاب **(الأباطيل والمناكير)** کے مصنف پر اس حدیث کا موضوع ہونا مخفی نہیں تھا''۔

(لسان الميزان ج٤ ص٤٦٢)

یعنی جوزقانی پر اس حدیث کا موضوع ہونا مخفی نہیں تھا پھر بھی اُس نے اس حدیث کو حسن کہہ ڈالا۔ میں پوچھتا ہوں: جوزقانی کو تو عصبیت نے اس خسیس و گھٹیا حرکت پر اُبھارا، لیکن جلالی صاحب کو کس چیز نے اس ذلیل حرکت پر اُبھارا؟ جوزقانی کے سامنے تو فقط ابن عدی کی وہ کتاب تھی جس میں اس حدیث کو جعلی اور موضوع کہا گیا ہے، لیکن جلالی صاحب کے سامنے تو امام ابن عدی، امام ابن جوزی، امام ابن عساکر، امام ابن منظور افریقی، امام ذہبی، حافظ عسقلانی، امام سیوطی، امام کنانی اور قاضی شوکانی کی عبارات موجود تھیں اور تعجب ہے کہ خود اُسی کتاب کے حاشیہ پر ان سب کتابوں کا نام مرقوم تھا جس سے اُنہوں نے یہ حدیث پڑھ کر سنائی اور سیمینار کے ناظرین کو اُس کا ٹائٹل بھی دکھایا۔

راقم الحروف اس سلسلے میں کچھ کہنے سے قاصر ہے، قارئین ہی خود فیصلہ فرمائیں کہ جلالی صاحب کو کس چیز نے اُبھارا کہ وہ مذکورہ بالا اہل تحقیق کے برعکس، کم عقل اور متعصب جورقانی کے پیچھے چلنے پر مجبور ہوئے؟

حدیث بنانے والا بصر و بصیرت سے اندھا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس حدیث کا واضع (بنانے والا) عبداللہ بن حفص الوکیل ہے۔ علم حدیث کے ماہرین نے اس بدبخت کو عقل اور آنکھ دونوں سے اندھا قرار دیا ہے۔ وہ ظاہری بینائی سے تو پہلے ہی محروم تھا، جیسا

کہ اُس کے حالات میں اُس کا"ضَـــرِیْـــر" (اندھا) ہونا مرقوم ہے لیکن اُس کی باطل حرکتوں کی وجہ سے اُسے "بـصیرۃ" (عقل) کا اندھا بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ امام ذہبی اسی موضوع (جعلی) حدیث کو درج کرنے کے بعد اس کے واضع (گھڑنے والے) عبداللہ بن حفص الوکیل پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُلْتُ : مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ عَدِيٍّ أَنْ يَتَشَاغَلَ بِالْأَخْذِ عَنْ هٰذَا الدَّجَّالِ الْأَعْمٰى الْبَصَرِ وَالْبَصِيْرَةِ ، الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِ: ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهِ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلاً﴾ [الإسراء: ٧٢]

"میں کہتا ہوں: امام ابن عدی کے شایانِ شان نہیں تھا کہ وہ اِس دجال سے حدیث لینے میں مشغول ہوتے جو آنکھ اور عقل دونوں سے اندھا ہے اور جس کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اور جو شخص بنا رہا اِس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا﴾"۔

(میزان الاعتدال ج٢ ص ٤١٠، وط: ج٤ ص ٨٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس تبصرہ کو قائم رکھا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔

(لسان المیزان ج٤ ص ٤٦١، ٤٦٢)

سیمینار والوں کے بارے میں کیا حکم؟

آپ نے جان لیا کہ جس نے اس حدیث کو خود ہی بنایا اور گھڑا اُسے ناقدینِ حدیث نے دنیا و آخرت دونوں میں اندھا، دجال اور گمراہ قرار دیا اور پھر جس نے اس حدیث کو "حسن" کہا اُسے کم عقل اور متعصب قرار دیا۔ اب یہ ذی شعور قارئین ہی بتائیں کہ جن صاحبانِ علم نے 2013ء میں ایوانِ اقبال، لاہور میں "شانِ امیر معاویہ سیمینار" میں ایک عقل کے اندھے کی بنائی ہوئی اور دوسرے کم عقل متعصب کی لکھی ہوئی اِس جعلی حدیث کو مزے لے لے کر بیان کیا اور سنا، اُنہیں کیا کہا جائے اور کیا سمجھا جائے؟

عصبیت اندھا کر دیتی ہے

امام ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما نے صراحتاً کہا ہے کہ جورقانی پر اس حدیث کا موضوع ہونا مخفی نہ تھا لیکن وہ پھر بھی بیان کرنے سے باز نہ آیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ عصبیت اور تعصب نے اُس کے لیے ایسا کرنا آسان کر دیا تھا۔ عصبیت اور تعصب کیا ہے؟ مختصراً ملاحظہ فرمائیے: مولانا عبدالحفیظ بلیاوی لکھتے ہیں:

''التعصُّبُ: دلیل ظاہر ہو جانے کے بعد بھی حق کو نہ قبول کرنا، جمع تعصّبات، العَصَبِي، قوم کی عصبیت کی بنا پر ظلم میں مدد کرنے والا۔ العَصَبِيَّةُ: دھڑا بندی''۔

(مصباح اللغات ص ٥٥٥)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن حفص الوکیل اور جورقانی وغیرہ کو کونسی عصبیت نے ایسی گھناؤنی حرکت کرنے پر ابھارا؟ محدثین کرام نے اسی جعلی روایت کے تحت اس عصبیت سے بھی پردہ اٹھادیا ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی نے پہلے امام اسحاق بن راھویہ کا وہ قول نقل کیا جس میں ہے کہ معاویہ کی شان میں کوئی صحیح حدیث نہیں، پھر امام احمد بن حنبل کا وہ قول نقل کیا جس سے اس عصبیت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں ہبۃ اللہ بن احمد جریری نے بیان کیا، اُنہیں محمد بن علی الفتح نے بیان کیا، اُنہیں امام دارقطنی نے بیان کیا، اُنہیں ابوالحسین عبداللہ بن ابراہیم بن جعفر بن نیارالبز از نے بیان کیا، اُنہیں ابوسعید بن الحرفی نے بیان کیا، اُنہیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے ایک سوال میں عرض کیا: آپ سیدنا علی المرتضٰی ﷺ اور معاویہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ اس پر انہوں نے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اُٹھا کر فرمایا: میں اُن دونوں کے بارے میں کیا کہوں؟ سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء (بہت دشمنوں والے) تھے، ان کے دشمنوں نے اُن کے عیب تلاش کیے تو نہ پائے۔ پھر وہ اُس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس نے اُن سے جنگ اور لڑائی کی تو سازش کے تحت اُسے بڑھانا شروع کر دیا''۔

(الموضوعات لابن الجوزي ج٢ ص ٢٣، وط: ج٢ ص ٢٦٣؛ تنزيه الشريعة المرفوعة للكناني ج٢ ص ٨٠٧)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس سے اُنہوں نے اُن بے اصل روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جو لوگوں نے معاویہ کے فضائل میں گھڑی تھیں۔ فضائلِ معاویہ میں بکثرت روایات وارد ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے جس کی سند صحیح ہو، یہی امام اسحاق بن راھویہ، امام نسائی اور دوسرے علماءِ حدیث ﷺ کا قطعی قول ہے، واللہ اعلم''۔

(فتح الباري ج٧ ص ٤٧٦، وط: ج٧ ص ١٢١)

یہ مکمل کلام متعدد حوالہ جات کے ساتھ مع عربی عبارت پہلے بھی نقل کیا جا چکا ہے۔

امام احمد اور دوسرے ائمہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے سیدنا علی ؓ کی دشمنی میں معاویہ کی شان میں احادیث وضع کیں اور بنائیں، عبداللہ بن حفص الوکیل کو اسی دشمنی میں دجال اور دنیا وآخرت میں بصر وبصیرت سے اندھا کہا گیا اور جورقانی کو اسی دشمنی کی وجہ سے کم عقل اور متعصب کہا گیا۔ اب ہم یہ سمجھنے اور سمجھانے سے قاصر ہیں کہ جلالی صاحب نے ایک ہی مجلس میں جناب معاویہ کی شان میں ایک نہیں بلکہ متعدد جعلی اور جھوٹی احادیث بیان کر ڈالیں، انہیں کس چیز نے اُبھارا ہوگا؟ کہیں اُن سے یہ گھٹیا حرکت اُس شخص کے تعصب میں تو نہیں ہوئی جس کا اُنہوں نے اپنی تقریر کے دوران بڑی اسکرین پر [Clip] کلپ چلایا؟

تنبیہ

جب اکابر محدثین کرام نے بغیر کسی تعصب وعناد کے صراحتاً فرمادیا ہے کہ شانِ معاویہ میں زبانِ نبوی ﷺ سے کوئی بھی صحیح حدیث منقول نہیں ہوئی تو تمام اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ اُن کی شان بیان کرنے سے قبل اُن کے متعلق ہر ہر روایت کی تحقیق کر لیا کریں، تاکہ متعصبین کی گھڑی ہوئی روایات بیان کرنے کی وجہ سے اُن کا شمار دشمنانِ علی المرتضٰی میں نہ ہو جائے۔

کنز العلماء کا ناصبی امام

افسوس، صد افسوس کہ کنز العلماء کا طائرِ فکر جہاں قرار پذیر ہوا وہ مقام جائے قرار نہیں ہے۔ اُنہوں نے متعدد محدثین کی تحقیق کو پس پشت ڈال کر جس شخص (جورقانی) کے قول پر اعتماد کیا وہ ناصبی (دشمنِ اہل بیت) تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے بعض طلقاء کا فقط دفاع نہیں کیا بلکہ اُن کے دفاع میں مبالغہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنی اُسی کتاب میں جو جلالی صاحب کے سامنے تھی، جناب معاویہ کے فضائل بیان کرتے کرتے ایک جھوٹا جملہ یہ بھی لکھا ہے کہ جناب معاویہ نے سیدنا علی ؓ کی اطاعت کی تھی اور بات مانی تھی "فَسَمِعَ مُعَاوِيَةُ ؓ وَأَطَاعَ" لیکن جب سیدنا علی ؓ نے قاتلین کے بارے میں معاویہ کی بات نہ مانی تو پھر وہ قتال کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

فَخَرَجَ يُقَاتِلُ عَلَى التَّأْوِيْلِ ، وَبَايَعَ لَهُ جَمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ وَمَنْ لَايُحْصٰى مِنَ التَّابِعِيْنَ إِلَى أَنْ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى التَّحْكِيْمِ بَعْدَ الْحُرُوْبِ الْعَظِيْمَةِ ، فَحَكَمَ لَهُ

بِالْخِلَافَةِ وَبُوْيِعَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ بِإِجْمَاعٍ.

''پس وہ (معاویہ) تاویل کے ساتھ قتال کے لیے نکلے اور جمہور صحابہ اور ان گنت تابعین نے اُن کی بیعت کر لی، یہاں تک کہ عظیم جنگوں کے بعد معاملہ تحکیم پر آٹھہرا تو اُن کے حق میں خلافت کا فیصلہ کیا گیا اور اُسی دن اُن کی خلافت پر اجماع ہو گیا''۔

(الأباطيل والمناكير ج١ ص٢٠٧، وط: ١٠١)

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ . اس عبارت میں جورقانی کم عقل اور بد بخت نے چار جھوٹ بولے ہیں:

۱۔ اس نے کہا: معاویہ نے تاویل پر جنگ کی، اس کا یہ کہنا اُس حدیثِ متواتر کے خلاف ہے جس میں ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اگر اُن کا جنگ کرنا تاویل پر ہوتا تو وہ باغی نہ ہوتے۔

اس کی یہ بات اُس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ میں نے جس طرح تنزیلِ قرآن پر جنگیں کی ہیں، علی ﷺ اسی طرح تاویل قرآن پر جنگیں کریں گے۔

اس کی یہ بات سیدنا عمار بن یاسر ﷺ کی اُن تصریحات کے بھی خلاف ہے جن میں اُنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کا ''إِمَامُنَا قُتِلَ مَظْلُوْمًا'' کا نعرہ محض بہانہ ہے در حقیقت یہ لوگ جن لذتوں اور شہوتوں کے دلدادہ ہو چکے ہیں اُنہیں چھوڑنا نہیں چاہتے۔

(البداية والنهاية[قطر] ج٧ص٤٥٥ وط: بتحقيق عبدالمحسن التركي ج١٠ ص٥٢٧)

نیز اس کی یہ بات اُس اثر کے بھی خلاف ہے جس میں سیدنا عمار بن یاسر ﷺ نے گروہِ معاویہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''أَنَّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ'' (وہ لوگ ضلالت پر ہیں)۔

(مسند أحمد ج٤ ص٣١٩ وط: ج٦ ص٤٠٥، حديث ١٩٠٩٠ وبتحقيق أحمد شاكر ج١٤ ص ٢٩٣؛ صحيح ابن حبان ج١٥ ص٥٥٥، ٥٥٦، حديث ٧٠٨٠)

۲۔ جورقانی کا دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ اس نے لکھا ہے کہ لڑائی سے قبل جمہور صحابہ ﷺ نے معاویہ کی بیعت کر لی تھی، اور یہ بالکل باطل ہے، اُس وقت معاویہ کے ساتھ جمہور صحابہ نہیں بلکہ فقط فریب خوردہ شامی لوگ تھے۔

۳۔ پھر اس نے تحکیم کو باقاعدہ فیصلہ قرار دیا ہے، حالانکہ وہ خدیعت، کید اور مکر پر مبنی ایک چال تھی۔

۴۔ پھر اس نے اُسی تحکیم کے دن معاویہ کی خلافت اور بیعت پر اجماع لکھ دیا، جو سراسر باطل ہے۔ کیا وہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اُس وقت سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کی خلافت کالعدم ہو گئی تھی؟

اس بات کوتو اِس کتاب "الأباطیل والمناکیر" کے معلق نے بھی مسترد کردیا ہے، جبکہ اس کتاب کے مقدمہ نگار نے اس پورے بیان کو مبالغہ قرار دیا ہے۔

(مقدمة: الأباطيل والمناكير ص ٥٢)

آگے چل کر اُس نے سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷺ کی خلافت سے دستبرداری کا ذکر کیا ہے اور امام پاک نے جو تحفظ اہل اسلام کی خاطر بادلِ نخواستہ معاملات معاویہ کے سپرد کیے، اس مجبوری کو جورقانی نے بلا تاویل ومقال اجماع قرار دیا ہے، حالانکہ کتاب وسنت کی روشنی میں وہ ایک ناگوار صلح تھی، جس میں معاویہ کی لیاقت وصلاحیت قطعاً پیش نظر نہیں تھی، ہزاروں ہستیاں معاویہ سے بہتر موجود تھیں مگر دولشکروں کے ٹکراؤ کے خطرے کے پیش نظر سیدنا امام حسن ﷺ دست بردار ہوگئے تھے۔ اگر امام پاک دست بردار نہ ہوتے تو امیر شام تو لڑائی کے لیے تیار تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن پر اجماع نہیں ہوا بلکہ دفع فساد کے لیے جو چیز اُنہیں مطلوب تھی وہ اُن کے سپرد کردی گئی، رضا ورغبت سے کسی کو امیر بنانا اور ہے اور شر سے بچنے کے لیے کسی کو کچھ دینا اور معنیٰ رکھتا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل واقعہ میں غور فرمایئے! امام ذہبی لکھتے ہیں:

''عمرو بن الحکم عوانہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷺ معاویہ کے پاس گئے تو اُنہیں امیر المومنین کے الفاظ سے سلام نہ کیا۔ معاویہ نے اس کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے فرمایا: ہم مومن ہیں اور ہم نے آپ کو اپنا امیر نہیں بنایا، پھر سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷺ نے فرمایا: تم تو اس حال میں بہت خوش ہو، اور اللہ کی قسم! میں اگر اس مقام پر ہوتا جہاں اب تم ہو تو مجھے اس میں خوشی نہ ہوتی کہ میں ذرہ برابر خون بہا کر یہ مقام حاصل کرتا''۔

(سير أعلام النبلاء ج ١ ص ١٢٢؛ مسالك الأبصار لابن فضل الله العمري ج ٢٤ ص ٢٧٢؛ الأنساب للبلاذري ج ٥ ص ٣١)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص ﷺ کے نزدیک قصاصِ عثمانِ غنی ﷺ محض بہانہ تھا، اصل مقصود حصولِ مملکت اور دنیا طلبی تھی۔ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ (جنہیں شیطان کی شرانگیزی سے محفوظ فرمایا گیا ہے) بھی فرماتے تھے کہ قصاص محض بہانہ ہے، اصل جذبہ حصولِ اقتدار ہے۔ خود امیرِ شام کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا۔ چنانچہ امام فسوی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''سعید بن سوید نے بیان کیا کہ معاویہ نے ہمیں کوفہ سے باہر نخیلہ کے مقام پر نماز جمعہ پڑھائی تو

خطبہ میں کہا:

مَا قَاتَلْتُكُمْ لِتَصُومُوا وَلَا لِتُصَلُّوا وَلَا لِتَحُجُّوا وَلَا لِتُزَكُّوا، قَدْ عَرَفْتُ أَنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذٰلِكَ، وَلٰكِنْ إِنَّمَا قَاتَلْتُكُمْ لِأَتَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ ، فَقَدْ أَعْطَانِي اللّٰهُ ذٰلِكَ وَأَنْتُمْ كَارِهُونَ.

''میں نے تمہارے ساتھ اس لیے نہیں جنگ کی کہ تم روزے رکھو، نہ اس لیے کہ نماز پڑھو، حج کرو اور نہ ہی اس لیے کہ زکوۃ ادا کرو، میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب کچھ کرتے ہو، لیکن میں نے تو فقط اس لیے تمہارے ساتھ جنگ کی ہے کہ تم پر حکومت کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دی حالانکہ تم ناپسند کرتے ہو''۔

(المعرفة والتاريخ للفسوي ص٦٦٤؛ تاريخ دمشق ج٥٩ ص١٥٠؛ سير أعلام النبلاء ج٣ ص١٤٧؛ البداية والنهاية ج٨ ص١٩٠، وط: ج١١ ص٤٢٩، ٤٣٠)

امام حسن مجتبیٰ ؓ نے دستبرداری کے وقت جو کڑوا گھونٹ پیا تھا اُس پر اُن کے خیر خواہ حضرات کی اکثریت ناراض تھی لیکن اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں تھا، خود سیدنا علی المرتضیٰ ؓ فرما گئے تھے:

''اگر تم نے معاویہ کی امارت کو ناپسند کیا تو تم دیکھو گے کہ گردنیں کندھوں سے کٹ کٹ کر گریں گی''۔

(سير أعلام النبلاء ج٣ ص١٤٤)

یعنی ہمارا اقتدار نہ رہا تو ملک انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ سو مستقبل کے ایسے بھیانک مناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے امارتِ معاویہ کو برداشت کیا گیا، ورنہ وہ دین پسند اشخاص کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں تھے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی امارت کے بارے میں جو [Remarks] دیے تھے اگر اُن میں غور کیا جائے تو اصل حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ اُنہوں نے اُن کی مملکت کو دنیوی سلطنت قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ کیا فرعون کو ملک نہیں ملا تھا؟ اُن کے اصل الفاظ میں غور فرمائیں۔ امام ابن عساکر، امام ذہبی اور ابن کثیر حالاتِ معاویہ میں سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ : أَلَا تَعْجَبِينَ لِرَجُلٍ مِنَ الطُّلَقَاءِ يُنَازِعُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فِي الْخِلَافَةِ ؟ قَالَتْ : وَمَا تَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ ؟ هُوَ سُلْطَانُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ الْبَرَّ وَالْفَاجِرَ ، وَقَدْ مَلَكَ فِرْعَوْنُ مِصْرَ أَرْبَعَ مِئَةِ سَنَةٍ.

’’حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: کیا آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ خلافت کے معاملہ میں حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا شخص تنازع کر رہا ہے جو طلقاء میں سے ہے؟ اُنہوں نے فرمایا: تم اس معاملہ میں حیرت زدہ کیوں ہو؟ یہ خدا کا ملک ہے وہ نیک و فاجر ہر ایک کو دے دیتا ہے، فرعون نے بھی تو مصر پر چار سو سال حکومت کی تھی‘‘۔

(تاریخ دمشق ج۵۹ ص۱٤٥؛ مختصر تاریخ دمشق ج۲٥ ص٤۲؛ سیر أعلام النبلاء ج۳ ص۱٤۳؛ البداية والنهاية ج۱۱ ص٤۳۰، وط: ج۸ ص۱۹۰؛ الدر المنثور ج۱۳ ص۲۱٥، ۲۱٦، سورة الزخرف، آية: ٥۱)

’’اہل تحقیق نے تصریح کی ہے کہ جناب معاویہ کی حکومت تسلط سے وجود میں آئی تھی‘‘۔

(إزالة الخفاء، ج۱ ص۲٤، ۲٥)

یہی حقیقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کی اور اسی کا اعتراف خود معاویہ نے بھی کیا کہ اُنہوں نے قتال کے ذریعے قصاصِ عثمان نہیں لیا بلکہ اقتدار حاصل کیا، جیسا کہ چند سطور قبل لکھا جا چکا ہے۔ نیز امام غزالی لکھتے ہیں:

قَالَ مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ : هَمُّوْا بِمَعَالِي الْأُمُوْرِ لِتَنَالُوْهَا ! فَإِنِّيْ لَمْ أَكُنْ لِلْخِلَافَةِ أَهْلًا فَهَمَمْتُ بِهَا فَنِلْتُهَا.

’’معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بلند امور کے لیے ہمت پیدا کرو تا کہ اُنہیں حاصل کر لو! بلا شبہ میں خلافت کے لیے اہل نہیں تھا، سو میں نے اُس کے لیے ہمت کی تو اُسے پا لیا‘‘۔

(سر العالمين للغزالي ص٥)

قولِ معاویہ ’’فَهَمَمْتُ بِهَا‘‘ میں غور کر کے بتلایئے کہ جب اُن کی ہمت ہی خلافت کا حصول تھا تو پھر قصاص کے نعرہ کو کیا کہا جائے گا؟

بہر حال جلالی صاحب کا کم عقل امام جورقانی کا تحکیم کو اجماع قرار دینا یا کچھ لوگوں کا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی دست برداری کو اجماع اور اُن کی رضا و رغبت قرار دینا حماقت ہے۔ اکابرین کے ناگوار فیصلہ کے سامنے عوام کا اُس پر کرہاً خاموش رہنا الگ بات ہے اور طوعاً کسی بات پر اجماع ہونا الگ بات ہے، ان دونوں باتوں میں فرق نہ کرنا

بڑی خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔

طلقاء کو منصب سونپنے پر ندامت

خیال رہے کہ طلقاء کسی بھی منصب کے لائق نہیں تھے، جن بعض حضرات ﷺ نے بعض طلقاء کو گورنر وغیرہ بنایا تھا وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اس فیصلہ پر نادم ہوئے تھے۔اس بات کی مکمل تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "الصَّحَابَةُ وَ الطُّلَقَاءُ" کا مطالعہ فرمایئے!

یزید کی امامت اور جورقانی

جورقانی: جس کو جلالی صاحب اپنا امام مانتے ہیں، وہ یزید خبیث کا حامی تھا، چنانچہ اس نے امیر شام کی حکومت کے بعد مثبت انداز سے یزید پلید کی خلافت کا تذکرہ کیا ہے اور اُس کی صحت کو ثابت کرنے کی کوشش میں کئی جھوٹی روایات چلائی ہیں۔مثلاً:

۱۔ اولاً یہ روایت ذکر کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِحْفَظُوْنِيْ فِيْ أَصْحَابِيْ وَأَبْنَائِهِمْ . هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

"میرے صحابہ اور اُن کے بیٹوں کے بارے میں میرا خیال رکھنا۔یہ حدیث غریب ہے"۔

۲۔ دوسری یہ کہ معاویہ مدینہ منورہ آئے تو کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت کر لی ہے، لہٰذا تم بھی اس کی بیعت کرو۔

۳۔ پھر اس کو پختہ کرنے کی خاطر یہ روایت چلائی کہ جب کسی شخص کی خلافت پر بیعت ہو جائے تو اُس کے خلاف کھڑا ہونا غداری ہے۔

(كتاب الأباطيل والمناكير ملخصاً ج١ ص ٢٦١ ،وط: ص ١٢٥)

اس سلسلے میں ہماری گزارش یہ ہے کہ جورقانی کی پیش کردہ پہلی روایت موضوع و باطل ہے، اس میں "وَأَبْنَائِهِمْ" کے الفاظ میں وہ منفرد ہے، اُس کی کتاب کے علاوہ دوسری کتب میں یہ الفاظ نہیں ملتے اور ہم اس سے قبل علم حدیث کے ائمہ سے نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی بات لائے جو دوسروں کے ہاں نہ پائی جائے تو اُسے قبول نہیں کیا جائے گا۔نیز اس نے جس حدیث کو حسن کہا تھا، آپ نے دیکھا کہ اُس کی وجہ سے ائمہ نے اس کو کم عقل اور متعصب کہا ہے اور جس نے اُس حدیث کو گھڑا ہے اُسے دجال اور دنیا و آخرت میں اندھا قرار دیا ہے، پھر خود اندازہ کیجئے کہ جس حدیث کو وہ خود غریب تسلیم کر رہا ہے تو اُس کی حیثیت کیا ہوگی؟

میں پوچھتا ہوں: جورقانی چاہتا کیا ہے؟ کیا یہی کہ معاویہ کی وجہ سے اُن کے لختِ جگر یزید پلید کا خیال رکھا جائے؟ یہ جورقانی کی غباوت، غوایت، سفاہت اور حماقت ہے کہ اُسے حدیث گھڑنے میں خیال ہی نہیں رہا کہ اُس کی کھوپڑی سے نکل کیا رہا ہے؟ وہ کہاں تک اس حدیث کو قابل عمل قرار دے سکتا ہے؟ اگر یہاں وہ اس موضوع حدیث کو بعض طلقاء کے لختِ جگر یعنی یزید خبیث کی خلافت کی حمایت میں لایا ہے تو آگے چل کر عمر بن سعد کی حمایت میں پیش کرے گا، کیونکہ عمر بن سعد میدان کربلاء میں قاتلینِ امام حسین کا سپہ سالار تھا، اگرچہ وہ عظیم صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا؟ ذرا سوچئے کہ پھر اس موضوع حدیث اور اس سے استدلال کا نتیجہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا نکلے گا؟

جورقانی بدبخت ایسی موضوع احادیث پر تو عمل کرنے کرانے کا خواہاں ہے لیکن اُس سے پوچھا جائے کہ جن امراءِ شام کی وہ وکالت کر رہا ہے اُنہوں نے "أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي" (میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ یاد کراتا ہوں) پر کتنا عمل کیا؟

"أَصْحَابِيْ" کے اصلی مصداق کون؟

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر وہ حدیث جس میں امر یا نہی میں لفظ "أَصْحَابِيْ" سے خطاب کیا گیا ہے، اُس کے اولین مخاطب وہ لوگ ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ مثلاً "اِحْفَظُوْنِيْ فِيْ أَصْحَابِيْ" کے الفاظ سے بعض ضعیف احادیث آئی ہیں یا "لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ" کے الفاظ سے جو بعض صحیح احادیث منقول ہیں، اُن میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خیال رکھنے کا حکم ہے وہ السابقون الأولون اور مہاجرین وانصار ہیں رضی اللہ عنہم اور یہ وہ حضرات ہیں جو حدیبیہ کی صلح سے قبل مشکل وقت میں مشرف باسلام ہوئے، اور جو لوگ ان کے بعد مسلمان ہوئے وہ ایسی تمام احادیث پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور پوری امت کی طرح وہ قدیم صحابہ کی تعظیم وتوقیر اور اُن کی اتباع کے مکلف ہیں۔ ایسی احادیث ہماری کتاب "الصَّحَابَةُ وَالطُّلَقَاءُ" میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

کنز العلماء کے ناصبی امام کی حالت

کنز العلماء نے جورقانی کو امام کہا ہے اور جورقانی یزید کو اپنا امام مانتا ہے، جبکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے بارے میں لکھا ہے:

كَانَ نَاصِبِيًّا.

''وہ ناصبی (دشمن اہل بیت) تھا''۔

(سیر أعلام النبلاء ج ٤ ص ٣٧)

اس کا نتیجہ کیا ہے؟ خود غور کیجئے!

یزید کی بیعت اتنا آسان؟

جورقانی نے یزید کی بیعت کو آسان بنا کر پیش کیا ہے کہ بس معاویہ مدینہ منورہ آئے اور کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت کر لی ہے تو تم بھی اس کی بیعت کرو۔ یہ جورقانی کی دھوکہ دہی ہے، کیونکہ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا۔ یزید کی بیعت کے لیے رشوتیں دی گئیں، جھوٹ بولا گیا، دھمکیاں دی گئیں، دھوکہ دہی کی گئی حتیٰ کہ قتل کیے گئے۔ ان میں سے ایک ایک جملے پر دلائل کا انبار ہے، لیکن یہاں فقط ایک حوالہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں، اور یہ اقتباس اُس شخصیت کی کتاب سے ہے جن کے نام کے بغیر پاک و ہند کے کسی عالم کی علمی سند کامل نہیں ہوسکتی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

> ''۵۱ھ میں امیر معاویہ نے حج کیا اور اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے کہا: اے ابنِ عمر! آپ ہم سے کہا کرتے تھے: ''مجھے اُس شب تار میں بھی سونا پسند نہیں جبکہ ہم پر کوئی امیر نہ ہو''۔ اب مسلمانوں میں فساد انگیزی اور ان کی لاٹھی کے دو ٹکڑے کرنے سے تم کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد و صلاۃ کے بعد کہا: تم سے پہلے بھی خلفاء ہوئے ہیں اور ان کے بھی فرزند تھے اور تمہارا بیٹا ان کے فرزندوں سے بہتر نہیں۔ ان خلفاء راشدین نے اپنے بیٹوں کے لیے وہ امر ناپسند کیا جو تم اپنے بیٹے کے لیے کرنا چاہتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اُنہوں نے خلیفہ کا انتخاب عام لوگوں پر چھوڑا اور ہر دور کے مسلمانوں نے اپنے حق خود اختیاری کے پیش نظر اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کیا۔ اب بحالت موجودہ آپ مجھے ڈرا رہے ہیں کہ میں مسلمانوں کی متحدہ قوت کے دو ٹکڑے نہ کروں۔ بخدا میں مسلمانوں میں انتشار کرنے والا نہیں ہوں، میں اُمت مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔ جب پوری اُمت کسی پر اجماع کر لے گی تو میں بھی ان کو مان لوں گا۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کہا۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔ (یہ کہہ کر) حضرت

عبداللہ ابنِ عمرؓ واپس چلے گئے۔

پھر امیر معاویہ نے عبدالرحمٰن ابنِ ابوبکر صدیقؓ کو بلوا کر پہلے کی طرح اُن سے بھی کہا: دورانِ حکم میں حضرت عبدالرحمٰن نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: آپ کو گمان ہوگیا ہے کہ آپ کے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے متعلق ہم لوگوں نے آپ کو اپنا وکیل ومختار عام بنالیا ہے۔ بخدا آپ کا یہ گمان بالکل باطل ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان مجلسِ شوریٰ میں کسی بات پر متفق ہو جائیں۔ ورنہ میں بتائے دیتا ہوں کہ تفرقہ اندازی کا بار آپ کے کندھوں پر رہے گا۔ اتنا کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن جانے کے لیے بیٹھ گئے تو امیر معاویہ نے کہا: اے اللہ میری مدد کر اور یزید کی ولی عہدی وخلافت کے نتائج سے میری ذات کو محفوظ رکھ۔ پھر عبدالرحمٰن سے کہا: اے جانے والے! یہاں سے شامیوں کے پاس اپنا تخیل نہ جانے دیجئے۔ مجھے خوف ہے کہ میرے اس معاملہ میں آپ سبقت کر بیٹھیں گے۔ مجھے صرف اتنی مہلت دیجئے کہ میں سب کو مطلع کر دوں کہ آپ نے بیعت کر لی ہے۔ پھر حسبِ دلخواہ جو چاہے کر لیجئے گا۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے عبداللہ ابنِ زبیرؓ کو بلوا کر کہا: اے ابنِ زبیر! تم اس تیز لومڑی کی مانند ہو جو ایک بل سے نکل کر دوسری میں گھس جاتی ہے۔ میرا یقین ہے کہ ابوبکر وعمر کے فرزندوں سے تم مل چکے ہو اور ان کے کان میں تم نے کچھ پھونک دیا ہے اور ان دونوں کو ان کی ذاتی رائے کے خلاف کسی اور کے حق میں رائے دہی پر آمادہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ ابنِ زبیرؓ نے کہا: اگر آپ تخت شاہی سے بیزار ہو گئے ہیں تو بصد شوق استعفاء دیجئے اور اس کے بعد اپنے صاحبزادہ کو کھڑا کیجئے تاکہ ہم اس کی بیعت کر سکیں تو فرمائیے کہ ہم کس کی سنیں اور کس کا کہا مانیں؟ کیونکہ دو خلیفہ موجود رہیں گے اور واضح رہے کہ وقت واحد میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ یہ کہہ کر عبداللہ ابنِ زبیر چلے گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے منبر پر چڑھ کر حمد وثناء کے بعد کہا: میں نے کج رَو اشخاص کی یہ باتیں سنی ہیں کہ ابنِ ابوبکر، ابنِ عمر اور ابنِ زبیر کسی قیمت پر یزید کی خلافت کی بیعت نہیں کریں گے حالانکہ ان حضرات نے برضا ورغبت یزید کی بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر شامیوں نے کہا: ہم اس وقت ہرگز ہرگز یہ تسلیم نہیں کریں گے البتہ اُس وقت مان لیں گے جب وہ ہم سب کی موجودگی میں بیعت یزید کا علی الاعلان اقرار کریں گے، بصورت دیگر ہم

ان کے سر قلم کردیں گے۔ اس پر امیر معاویہ نے کہا: سبحان اللہ، استغفر اللہ، قریش کی شان میں اس قدر جلد بازی اور یہ شرارت۔ یاد رکھو آج کے بعد تم میں سے کسی کی زبان سے آئندہ ایسی گستاخ باتیں نہ سنوں۔ اس کے بعد منبر سے اُتر گئے۔

لوگوں نے باہم کہنا شروع کیا کہ ابنِ ابوبکر، ابن عمر اور ابنِ زبیر نے بیعت کر لی، حالانکہ یہ ہر سہ حضرات قسمیہ کہتے رہے کہ ہم میں سے کسی نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے اور کیفیت یہ کہ لوگ ہاں اور نہیں یعنی مثبت و منفی اقوال زبان پر لاتے رہے، اور امیر معاویہ مدینہ سے روانہ ہو کر مملکت شام واپس چلے گئے''۔

(مـاثبت بالسنة عن أعمال السنة، مترجم اردو: مومن کے ماہ وسال ص۳٦، ۳۷، ۳۸؛ تاریخ خلیفة بن خیاط ص۲۱۳، ۲۱٤؛ الأوائل لأبي هلال العسکري ص۲۳٥، ۲۳٦؛ تاریخ الخلفاء للسیوطي ص۳۲٦، ۳۲۷)

اس سے آپ پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ یزید کی بیعت کس طرح لی گئی، اور خود ہی انصاف فرمائیں کہ جورقانی کا بیعتِ یزید کو آسان کہنا اور تحکیم کے بعد بیعتِ معاویہ پر اجماع کا قول کرنا، کس حد تک درست ہے؟

غدار کون؟

جورقانی نے پہلے اپنے طور پر یزید کی بیعت کا منعقد ہو جانا ظاہر کیا ہے پھر تیسرے نمبر پر لکھا ہے کہ جو خلیفہ کی بیعت کے بعد اُس کے خلاف کھڑا ہو وہ غدار ہے۔ نہ معلوم وہ اس سے کس کس کو غدار قرار دے رہا ہے، آیا امام عالی مقام اور اُن کے اصحاب کو یا واقعۂ حرہ کے حضرات کو؟ یہ جلالی صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ امام کی رمز کو اُس کے پیروکار ہی سمجھ سکتے ہیں۔

امامِ کنز العلماء کی ناصبیت پر دوسری دلیل

جورقانی کی ناصبیت کا مزید ثبوت ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے اپنی کتاب میں سیدنا علی ﷛ کی شان پر مبنی ایسی چار احادیث کو مختلف، مضطرب اور منکر قرار دے دیا جن کو محدثین نے صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مشرکین مکہ سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کرانا چاہا تو ایک حج کے موقعہ پر مناسکِ حج کی ادائیگی کی قیادت اور کفار سے براءت کا اعلان، دونوں کام سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کے سپرد فرمائے۔ پھر آپ نے

صحابہ کے مشورے پر اور بعض احادیث کے مطابق جبریل علیہ السلام کے عرض کرنے پر کفار سے اعلانِ براءت کا عمل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے واپس لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، اور اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ کسی قوم سے کسی معاہدہ کے اختتام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود جانا ورنہ آپ کے قریبی رشتہ دار کا جانا ضروری ہے۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

عَلِيٌّ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ ، وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ.

''علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، میں اپنی ذمہ داری خود ادا کروں گا یا علی (رضی اللہ عنہ) ادا کرے گا''۔

(خصائص علي بتحقيق الحويني ص ۸۳ حديث ۷۱، ۷۲)

اِن احادیث کو مسترد کرنے کی خاطر جورقانی نے ''والخلاف في ذلک'' کا عنوان قائم کر کے اس کے مقابلہ میں وہ حدیث نقل کی جس میں تفصیل ہے کہ مناسکِ حج تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کرائے لیکن ہر اہم مقام پر سورۃ التوبہ کی شکل میں اعلانِ براءت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے رہے۔ اس حدیث کے متن میں ہی دوسری چار احادیث کے ساتھ مطابقت موجود ہے لیکن جورقانی کی عصبیت وناصبیت نے بیک جنبش قلم اِس حدیث سے اُن احادیث کو مسترد کر دیا۔ حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جورقانی کے اس بھونڈے طرزِ عمل پر یوں تبصرہ کیا ہے:

فَقَدْ أَخْطَأَ مَنْ حَكَمَ بِالْوَضْعِ بِمُجَرَّدِ مُخَالَفَةِ السُّنَّةِ مُطْلَقًا ، وَأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ الْجَوْزَقَانِيُّ فِيْ كِتَابِ ''الأَبَاطِيْلِ'' لَهُ.

''پس اُس شخص نے خطا کی جس نے محض ظاہری مخالفتِ سنت سے کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگا دیا، اور اکثر یہ کارروائی جوزقانی نے اپنی کتاب ''الأباطیل'' میں کی ہے''۔

(النكت على كتاب ابن الصلاح ص ۸٤٦)

امام کنز العلماء کی ناصبیت پر تیسری دلیل

جورقانی کی ناصبیت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ وہ اہل بیت کرام یعنی سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کی اولاد سے امام مہدی کے ہونے کا منکر ہے۔ اس نے ''باب المهدي'' میں پہلے دو حدیثیں درج کیں، اُن میں سے پہلی

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الْمَهْدِيُّ رَجُلٌ مِنْ وَلَدِيْ.

''مہدی میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا''۔

دوسری کے الفاظ ہیں:

الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ.

''مہدی سیدہ فاطمہ کی اولاد سے ہوگا''۔

پھر ''فی خلاف ذلک'' کے عنوان کے تحت ایک طویل حدیث درج کر کے اِن دونوں حدیثوں کو مسترد کر دیا، اُس طویل حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

وَلَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ.

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے علاوہ کوئی مہدی نہیں''۔

(کتاب الأباطیل والمناکیر ج۱ ص۳۱۷، ۳۱۹)

ان تینوں احادیث پر جورقانی نے جو کلام کیا ہے اُس سے خود اُس کی کتاب کے محققین نے بھی اتفاق نہیں کیا، محققین کے اُس کلام کو قارئین یا جو لوگ جورقانی کو اپنا امام مانتے ہیں خود ہی دیکھ لیں۔ ہمیں یہاں فقط یہ ثابت کرنا ہے کہ جورقانی بدبخت چونکہ ناصبی تھا اس لیے اُس نے امام مہدی کا انکار کیا۔ خدا جانے کہ جلالی صاحب کا میلان امام ابن عدی، خطیب بغدادی، امام ابن الجوزی، امام ذہبی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام سیوطی اور امام ابن عراق الکنانی وغیرہ کے بجائے کم عقل اور متعصب جورقانی کی طرف کیوں ہوگیا؟ ہماری اُن سے گزارش ہے کہ وہ اس پر نظرِ ثانی فرمائیں ورنہ تو کسی کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا، ع:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

خیال رہے کہ یہاں ہم نے عمداً سیدنا امام مہدی علیہ السلام کے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونے کے ثبوت پر دلائل نہیں دیے، اس لیے کہ یہ مسئلہ تواتر سے ثابت ہے اور علماء اسلام کی اس پر مستقل تصانیف موجود ہیں۔ چند تصانیف کے نام ملاحظہ ہوں:

عقد الدرر في أخبار المنتظر وهو المهدي: علامہ یوسف بن یحییٰ بن علی بن عبد العزیز المقدسی السلمی الشافعی، متوفّٰی ۶۸۵ھ، مکتبۃ المنار، الأردن الزرقاء۔

المهدي: دکتور محمد احمد اسماعیل المقدم، الدار العالمیۃ، الاسکندریۃ۔

الاحتجاج بالأثر، على من أنكر المهدي المنتظر: حمود بن عبداللہ التویجری، مطبوعۃ الریاض۔

القول المختصر في علامات المهدي المنتظر: ابن حجر مکی، مکتبۃ القرآن، القاھرۃ۔

العرف الوردي في أخبار المهدي، امام سیوطی، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ یہ کتاب "الحاوي للفتاوي" میں بھی ہے۔

البرهان في علامات مهدي آخر الزمان، علی بن حسام الدین متقی ہندی، دارالغد الجدید، المنصورۃ، مصر۔

امام ابن عساکر کے قول کا جائزہ

امام ابن عساکر نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ مدینۃ دمشق" میں فضائل معاویہ میں بکثرت احادیث درج کی ہیں لیکن اُن کے بقول اُن تمام احادیث میں سے فقط تین احادیث قابل قبول ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ أَنَّهُ كَانَ كَاتِبَ النَّبِيِّ ﷺ . فَقَدْ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهِ، يعني "لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ"

۲۔ وَبَعْدَهُ حَدِيْثُ عِرْبَاضٍ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ.

۳۔ وَبَعْدَهُ حَدِيْثُ ابْنُ أَبِيْ عُمَيْرَةَ : اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا.

امام ابن عساکر کا مذکورہ تین روایات کو فضیلتِ معاویہ میں کسی حد تک درست قرار دینا باطل ہے، کیونکہ نقاد ائمہ حدیث نے حدیثِ عرباض کو موضوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم اس سے قبل لکھ چکے ہیں، اور حدیثِ ابن ابی عمیرہ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا" کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ ان شاء اللہ اس پر مکمل تحقیق آگے آئے گی۔

رہی حدیث ابن عباس تو یہ وہ حدیث ہے جس میں ہے: "لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ" (اللہ اُس کے پیٹ کو نہ بھرے) اس سے اُن کی فضیلت کیونکر ثابت ہوئی؟ یہ تو بد دعا ہے جو کہ اُن کے بارے میں قبول ہوگئی تھی اور وہ کھاتے کھاتے تھک تو جاتے تھے مگر سیر نہیں ہوتے تھے۔ وہ دن میں سات مرتبہ کھاتے تھے، حتیٰ کہ اُن کے جسم پر چربی اتنا بڑھ گئی تھی کہ وہ خطبۂ جمعہ بھی کھڑے ہو کر نہیں دے سکتے تھے۔ سوچئے! یہ مصیبت ہے یا راحت، دعائے خیر ہے یا دعائے ضرر؟

حاکمِ شام کے حق میں یہ دعا رحمت تب قرار پاتی اگر وہ عام اور معتدل مومن کے برابر کھا کر سیر ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ نبوی دعائے ضرر اُن کے خلاف بعینہٖ قبول ہوگئی تھی اور اُن کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ چنانچہ بعض

احادیث میں صراحتاً یہ الفاظ آئے ہیں:

فَمَا شَبِعَ بَطْنُهُ أَبَدًا.

''پس اُن کا پیٹ کبھی بھی نہیں بھرا''۔

(دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص٢٤٣؛ سبل الهدى ج١٠ ص٢١٥)

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ''لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ'' کے جملہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

دُعَاءٌ عَلَيْهِ عَلَى الْمُتَبَادِرِ ، وَيَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلٌ: ''فَمَا شَبِعَ بَطْنُهُ أَبَدًا'' وَزُعِمَ أَنَّهُ دَعَا لَهُ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُهُ الْقَنَاعَةَ ، لَيْسَ بِشَيْءٍ.

''جو بات بلاتکلف ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اُن کے خلاف بددعا ہے، اس پر یہ قول دلیل ہے ''فَمَا شَبِعَ بَطْنُهُ أَبَدًا'' اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں قناعت نصیب فرمائے، یہ بیکار قول ہے''۔

(شرح الزرقاني على المواهب ج١٢ ص٤٢)

اِس مقام پر امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خیال کیا ہے کہ یہ دعا اُن کے خلاف نہیں بلکہ اُن کے حق میں قبول ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے اِس خیال کی تائید میں یہاں ''اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا وَّحِلْمًا'' کے الفاظ پر مبنی روایت درج کی ہے۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دلیل کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ دلیل درست نہیں ہے، کیونکہ یہ الگ الگ قصے ہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ بھی ٹھیک ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دوسری روایت موضوع و باطل ہے، چونکہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس طرف توجہ نہیں گئی اس لیے وہ اس سے استدلال کرنے میں معذور ہیں۔ اس سلسلے میں امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال قوی اور بلاتکلف ہے۔ ایسی ہی بلاتکلف تشریح امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

اَلْمَعْلُوْمُ مِنْ حَالِ مُعَاوِيَةَ بَيْنَ النَّاسِ أَنَّ اللّٰهَ اسْتَجَابَ فِيْهِ دُعَاءَ نَبِيِّهِ ﷺ وَلَعَلَّ سَبَبَهُ ـ واللّٰه تعالىٰ أعلم ـ أَنَّهُ تَرَكَ إِجَابَةَ دَعْوَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْفَوْرِ ، حَتّٰى عَلَى الْمُصَلِّيْ فِي الصَّلَاةِ لِقَوْلِهِ تَعَالىٰ: ﴿اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ فَصَارَ مُسْتَحِقًّا لِلدُّعَاءِ عَلَيْهِ ، وَدُعَاءُهُ عَلَى الْمُسْتَحِقِّ يُسْتَجَابُ بِعَيْنِهِ وَعَلىٰ غَيْرِ الْمُسْتَحِقِّ يَصِيْرُ رَحْمَةً.

''لوگوں میں جو معاویہ کا حال معروف ہے اس کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی دعا کو اُس کے خلاف قبول فرمالیا۔ اس کا سبب واللہ اعلم یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہوئے، حالانکہ آپ ﷺ کے بلانے پر فوراً حاضر ہونا واجب ہے، حتیٰ کہ نمازی نماز میں ہو تو تب بھی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿لبیک کہو اللہ اور رسول کو جب وہ تمہیں بلائے تاکہ تمہیں زندگی دے﴾ پس وہ اس دعائے ضرر کے مستحق ٹھہرے۔ آپ ﷺ کی دعائے ضرر مستحق کے خلاف بعینہٖ قبول ہوتی ہے اور غیر مستحق کے لیے رحمت بن جاتی ہے''۔

(حاشية السندي علی صحيح مسلم ص٦٥٨)

امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے، اُن کی تشریح سے واضح ہوا کہ جس کے خلاف دعائے ضرر کی گئی ہو تو طرح طرح کی موشگافیوں کی بجائے پہلے اُس شخص کے حال میں ہی غور کر لینا چاہیے۔ اگر جیسی دعائے ضرر تھی ویسا ہی اُس شخص کا حال ہو گیا ہو تو دعا اُس کے خلاف ہی قبول ہوئی۔

امام ذہبی نے بھی ایسا ہی بے تکلف مطلب بیان کیا ہے۔ وہ باطل تاویلات کی تردید میں لکھتے ہیں:

فَسَّرَهُ بَعْضُ الْمُحِبِّيْنَ قَالَ: لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ، حَتّٰى لَا يَكُوْنَ مِمَّنْ يَجُوْعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِأَنَّ الْخَبَرَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: أَطْوَلُ النَّاسِ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قُلْتُ: هٰذَا مَا صَحَّ، وَالتَّأْوِيْلُ رَكِيْكٌ... وَقَدْ كَانَ مُعَاوِيَةُ مَعْدُوْدًا مِنَ الْأَكَلَةِ.

''بعض محبین نے اس جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے: اللہ اُس کا پیٹ نہ بھرے تاکہ وہ قیامت کے دن اُن لوگوں میں سے نہ ہوں جو بھوکے ہوں گے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے: دنیا میں زیادہ پیٹ بھرے لوگ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں ہے اور رکیک تاویل ہے... اور بلاشبہ معاویہ کا شمار تو زیادہ کھانے والوں میں ہوتا تھا''۔

(سير أعلام النبلاء ج٣ ص١٢٣، ١٢٤)

کھینچ تان کر فضیلت بنانے کی مجبوری

قارئین کرام! ذرا امام ذہبی کی عبارت میں غور فرمائیں کہ امیر شام کے محبین اور مدافعین کس طرح ہر دور

میں اضطراب واحتیاج کا شکار رہے ہیں، وہ کسی بھی دور میں فضائل معاویہ کے ناقل نہیں رہے بلکہ جوڑ توڑ کر کے فضائل وضع کرتے اور بناتے رہے۔ اندازہ تو کیجئے کہ مسلم کی جس حدیث کو وہ فضیلتِ معاویہ میں سب احادیث سے زیادہ صحیح سمجھتے ہیں، اُس سے بھی وہ براہِ راست اُن کی فضیلت ثابت نہیں کر سکے بلکہ اس کے ساتھ وہ ایک اور حدیث کو ملانے کے محتاج ہوئے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں "لا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ" کی حدیث سے قبل ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ ام سلیم کو فرمایا: اے ام سلیم! میں نے اپنے رب کے ساتھ ایک شرط طے کی ہے اور اُس کی بارگاہ میں عرض کیا ہے:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَرْضَى كَمَا يَرْضَى الْبَشَرُ ، وَأَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ ، فَأَيُّمَا أَحَدٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ مِنْ أُمَّتِي بِدَعْوَةٍ ، لَيْسَ لَهَا بِأَهْلٍ ، أَنْ يَّجْعَلَهَا لَهُ طَهُورًا وَّزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

"میں بشر ہی ہوں، اُسی طرح خوش ہوتا ہوں جس طرح بشر خوش ہوتا ہے اور اُسی طرح غضبناک ہوتا ہوں جس طرح بشر غضبناک ہوتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے کسی کے خلاف بددعا کر دوں، جس کا وہ اہل نہ ہو تو وہ اُس بددعا کو اُس کے لیے طہارت، تزکیہ اور قربت کا ایسا ذریعہ بنا دے جس کی بدولت وہ قیامت کے دن اُس (رب) کے قریب ہو جائے"۔

(صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب من لعنه النبي ﷺ أوسبّه أو دعا عليه، وليس هو أهلاً لذلك ، كان له زكاةً وأجرًا ورحمةً ، ص ١٢٠٦ ، حديث ٢٦٠٣)

بخاری شریف میں یہ حدیث مختصراً یوں آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ ، فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

"اے اللہ! پس میں جس کسی مومن کو سبّ کروں تو اُس کو اُس کے لیے قیامت کے دن اپنی قربت کا سبب بنا دے"۔

(بخاري ص ٨٨٣ حديث ٦٣٦١)

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اگر نبوی بددعا اُن کے خلاف قبول نہ ہوئی ہوتی اور وہ نارمل مومن کی طرح ایک ہی مومن کے کھانے سے سیر ہو جاتے تو پھر کہا جا سکتا تھا کہ چونکہ اُن کا پیٹ حسبِ دستور دوسرے مومنین کی طرح ہی بھر جاتا ہے، لہٰذا نبوی بددعا اُن کے لیے قیامت کے دن باعثِ قربت ہو جائے گی، لیکن چونکہ ایسا نہیں

ہوا اور وہ سیر ہی نہیں ہوتے تھے، اس لیے اِن دونوں حدیثوں کو ملا کر مؤولین نے جو نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے وہ هَبَـاءً مَّـنْثُوْرًا ہو گیا اور جنہوں نے اس حدیث کا بلا تکلف معنیٰ بیان کیا ہے اُن کا بیان حق اور مبنی بر حقیقت ثابت ہوا۔

ایک اشکال اور اُس کے حل کا سوال

ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرط طے کرنے کی یہ حدیث صحیحین میں جگہ پا گئی ہے اور اِس میں ہے کہ:

''میں بشر ہی ہوں اور بشر کی طرح غصہ کرتا ہوں، لہٰذا اگر میں کسی مسلم کو سبّ، شتم یا لعنت کر دوں تو اُسے رحمت بنا دینا''۔

مجھے اشکال یہ لاحق ہوا ہے کہ اِس حدیث کے برعکس بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے اس حدیث کے مضمون کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں خادم رسول سیدنا انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّابًا ، وَلَا فَحَّاشًا، وَلَا لَعَّانًا.

''نبی کریم ﷺ سبّ کرنے، فحش بولنے اور لعنت کرنے والے نہیں تھے''۔

(بخاري ص ٨٤٢ حديث ٦٠٣١، وص ٨٤٤ حديث ٦٠٤٦)

خود مسلم شریف میں مذکورہ باب ''بـاب مـن لـعنه النبي ﷺ أوسبّه أو دعـا عـليه، وليس هو أهلاً لذلك ، كان له زكاةً وأجرًا ورحمةً'' سے قبل ایک حدیث اِن الفاظ میں آئی ہے:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً.

''میں لعنت کرنے والا نہیں بھیجا گیا، میں تو رحمت ہی بھیجا گیا ہوں''۔

(صحيح مسلم ص ١٢٠٤ حديث ٢٥٩٩)

حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بیان کرتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے صادر شدہ ہر ہر بات لکھ لیتا تھا تو قریش نے مجھے روکا اور کہا تم ہر بات لکھ لیتے ہو ''وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشَـرٌ يَتَكَـلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا'' (حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، غصہ اور خوشی دونوں حالتوں میں کلام فرماتے ہیں) تو میں

لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو عرض کی تو آپ نے فرمایا:

اُكْتُبْ ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ.

''لکھو! اُس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہاں سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا''۔

(سنن أبي داود ج٤ ص٤٨٠ حديث٣٦٤٦؛ المصنف لابن أبي شيبة ج١٣، ٤٦٢ حديث ٢٦٩٥٧؛مسند أحمد ج٣ص٥٣٥ حديث ٦٦٦٦، وص٦١٣ حديث ٦٩٧٧ [علمية]، وط: الأرنؤوط: ج١١ ص٥٧، ٥٨ حديث ٦٥١٠؛ سنن الدارمي ج١ ص٨٥ حديث٤٨٤؛المستدرك ج١ ص١٠٤ حديث٣٦٦ وط: ج١ ص٣٠٢ حديث٣٦٦؛فتح المنان ج٣ ص٢٦٨ حديث٥١١؛ تقييد العلم للخطيب ص٩٧ حديث١٤٢)

بعض احادیث میں الفاظ ہیں کہ اُنہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَكْتُبُ مَا أَسْمَعُ مِنْكَ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قُلْتُ فِي الرِّضَا وَالسَّخَطِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ أَقُوْلَ فِيْ ذٰلِكَ إِلَّا حَقًّا.

''یارسول اللہ! کیا میں آپ سے جو بھی سنوں تو لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: خوشی اور غصہ میں بھی؟ فرمایا: ہاں، مجھے مناسب نہیں کہ میں اِس حالت میں بھی حق کے سوا کچھ بولوں''۔

(مسند أحمد [شاكر] ج٦ ص٤٠٠، ١٠٤ حديث٦٩٣٠؛المستدرك ج١ ص١٠٥؛تقييد العلم للخطيب ص٩١، ٩٢ حديث ١٣٤ وص٩٦ حديث١٤٠)

ایک اور مقام پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَإِنِّيْ لَا أَقُوْلُ فِيْهِمَا إِلَّا حَقًّا.

''غضب اور رضا کی حالت میں بھی؟ فرمایا: ہاں، کیونکہ میں اِن دونوں حالتوں میں بھی حق ہی بولتا ہوں''۔

(مسند أحمد [شاكر] ج٦ ص٤٥١، حديث ٧٠٢٠)

اِس فقیر کو تو بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث کے مقابلہ میں یہ احادیث زیادہ قابل فہم معلوم ہو رہی ہیں، اور یہ

اِس ارشادِالٰہی کے بھی مطابق ہیں:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡيٌ يُّوۡحٰى.

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جواُنہیں کی جاتی ہے''۔

(النجم: ۳،٤)

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا

چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے دہن اقدس سے کسی بھی حال میں خلافِ حق جملہ نکل جائے؟ اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر عصمت کا کیا ٹھکانہ رہا؟ سو مجھ ناکارہ کو صحیحین کی زیرِ بحث حدیث سمجھ نہیں آرہی، میرا دل نہیں مان رہا کہ حالتِ غصہ میں لسانِ نبوی ﷺ سے کوئی بھی ناحق بات نکلی ہو، خواہ وہ کسی کے حق میں دعائے خیر ہو یا دعائے ضرر۔ اہلِ علم سے اپیل ہے کہ اگر اُنہیں سورۃ النجم کی مذکورہ بالا آیت اور اِن مختلف احادیث کے مابین کوئی تطبیق معلوم ہو تو مجھے ضرور آگاہ فرمائیں۔

البتہ اگر یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے محض رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں ایسا عرض کر دیا تھا لیکن حقیقت میں کبھی ایسا ہوا نہیں کہ آپ ﷺ کی زبان اقدس سے کسی کے خلاف ناحق بددعا یا کوئی بھی خلافِ حق لفظ نکلا ہو تو پھر ''فَأَيُّمَا أَحَدٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ مِنْ أُمَّتِيْ الخ'' وغیرہ الفاظ پر مشتمل احادیث قابلِ اعتبار اور قابلِ فہم ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡهُ هَادِيًا مَّهۡدِيًّا کا موضوع ہونا

اِس حدیث کو امیر شام کی فضیلت میں عظیم دلیل سمجھا جاتا ہے، امیر اہل سنت نے بھی اِس کو نقل کیا ہے۔

(فیضان امیر معاویہ ص ١٦٦)

کنز العلماء صاحب نے اس حدیث پر فاتحانہ اور فاخرانہ انداز میں گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ اس پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مناقب معاوية'' کا باب قائم کیا ہے۔ راقم الحروف اس حدیث کی سندی اور معنوی حیثیت پر اس سے قبل اپنی بعض کتب میں حسبِ ضرورت مختصراً گفتگو کر چکا ہے، اب میں اس پر مفصل روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصد اس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ کسی کی شان میں دعائیہ حدیث کا ہونا

واقعی اُس کی فضیلت کی دلیل ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا اُس دعا کی قبولیت کی تاثیر اُس شخص میں پائی بھی گئی یا نہیں؟

ابن ابی عمیرہ کی صحابیت کا مشکوک ہونا

امیرِ شام کی آئندہ زندگی میں اس دعا کی تاثیر پائی ہی نہیں گئی، اور پائی ہی کیسے جاتی جبکہ یہ حدیث ہے ہی موضوع۔ اس حدیث کا مرکزی راوی جس کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، اس کے بارے میں امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا هُوَ ابْنُ أَبِيْ عُمَيْرَةَ وَلَمْ يَسْمَعْهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ هٰذَا الْحَدِيْثَ.

''وہ ابن ابی عمیرہ ہے اور اس نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث نہیں سنی''۔

(كتاب العلل لابن أبي حاتم ج٦ ص٦٨٢، وط: ج٦ ص٣٧٢)

حافظ ذہبی نے بھی ابن ابی عمیرہ کی صحابیت میں اختلاف کا قول نقل کیا ہے، اگرچہ اُنہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ صحابی ہے۔

(تاريخ الإسلام للذهبي ج٢ ص٣٤٢؛ وط: ج٤ ص٣٠٩)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے:

مُخْتَلَفٌ فِيْ صُحْبَتِهٖ.

''اُس کی صحابیت میں اختلاف ہے''۔

(تقريب التهذيب ص٥٩٣)

امام ابن عبدالبر، امام ابن اثیر الجزری، حافظ ابن حجر عسقلانی اور عبدالرحمان مبارک پوری نے لکھا ہے:

''نہ اس کا صحابی ہونا صحیح ہے اور نہ ہی یہ حدیث ثابت ہے''۔

(الاستيعاب ج٢ ص٣٨٦؛ أسد الغابة ج٣ ص٤٩٤؛ تهذيب التهذيب ج٥ ص١٥٢؛ تحفة الأحوذي ج١٠ ص٣١٥)

حافظ مغلطائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے دوٹوک انداز میں لکھا ہے:

حَدِيْثُهٗ مُضْطَرِبٌ فِيْهِ، لَايَثْبُتُ صُحْبَتُهٗ.

''اس کی حدیث میں اضطراب ہے، اس کی صحابیت ثابت نہیں ہے''۔

(الإنابة إلى معرفة المختلف فيهم من الصحابة ج۲ ص۲۳)

اِن عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ عبدالرحمان بن ابی عمیرہ کی صحابیت میں اختلاف کو سب نے تسلیم کیا ہے

۲۔ کچھ حضرات نے اُس کے صحابی ہونے کا صاف انکار کیا ہے۔

جب اس کی صحابیت مشکوک ہوگئی تو جس حدیث کی سند میں اِس کا نام ہے وہ حدیث اضطراب سے منزہ ومبراء نہیں سمجھی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اِس اضطراب سے جان نہیں چھڑا سکے۔ چنانچہ امام مغلطائی نے صاف لکھا ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا ، وَلَايَصِحُّ إِسْنَادُ حَدِيْثِهِ هٰذَا عِنْدَهُمْ.

''**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا**'' محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند درست نہیں ہے''۔

(الإنابة إلى معرفة المختلف فيهم من الصحابة ج۲ ص۲۳)

سو جب اتنے علماء ومحدثین نے عبدالرحمان ابن ابی عمیرہ کی صحابیت کا انکار کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ اُس نے یہ حدیث سنی ہی نہیں تو پھر سنداً اس حدیث کے موضوع و باطل ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ کیا سنن الترمذی میں آجانے کی وجہ سے اس حدیث کو ماننا لازم ہوگیا اور اس کی سند پر کلام ممنوع ہوگیا؟

ابن ابی عمیرہ کہاں کا باشندہ تھا؟

اس حدیث کے وضعی ہونے کے شواہد میں سے ایک اہم شاہد یہ بھی ہے کہ جس عبدالرحمان ابن ابی عمیرہ کو صحابی بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ شامی تھا بلکہ حمصی تھا، اور ہم اہل حمص کے بارے میں باحوالہ لکھ چکے ہیں کہ وہ سیدنا علی ؓ سے عداوت میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ پہلے آپ اس بات کی پوری تفصیل ''محمد بن زیاد الہانی کے متعلق عدم تدبر'' کے عنوان کے تحت ایک مرتبہ دوبارہ پڑھ کر پھر خود ہی سوچئے کہ آخر فضائل معاویہ کی احادیث فقط ایسے ہی لوگوں سے کیوں مروی ہیں؟ اگر آپ مختلف کڑیاں ملائیں اور پھر امام احمد بن حنبل کا وہ قول بھی شامل فرمائیں جس میں اُنہوں نے فرمایا کہ ''سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء تھے، اُن کے دشمنوں کو جب اُن کے

عیبوں کی ٹوہ میں ناکامی ہوئی تو اُنہوں نے اُس شخص کو چڑھانا شروع کر دیا جو اُن کے ساتھ لڑتا رہا" تو آپ پر اِس حدیث کی حقانیت کے دعووں کی قلعی کھل جائے گی، اور آپ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو اپنی سنن میں درج کر کے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر وہ اپنے استاذ امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں غور و خوض فرماتے تو اِس دھوکہ سے محفوظ رہتے۔

شارحین کا اِس حدیث سے اغماض

صحاح ستہ میں سے یہ حدیث فقط سنن الترمذی میں ہے، پھر سنن الترمذی سے اس کو امام بغوی نے مصابیح السنۃ میں درج کیا ہے اور ظاہر ہے کہ مشکاۃ المصابیح میں بھی یہ موجود ہے چونکہ وہ مصابیح السنۃ پر اضافہ ہے۔ سنن الترمذی اور مصابیح السنۃ اور مشکاۃ المصابیح کے شارحین میں سے بعض نے اس حدیث کی شرح کی ہے، بعض نے اس کو اپنی شرح کے متن سے ہی اڑا دیا ہے اور یوں اُنہوں نے عملاً اس پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا ہے، اور بعض نے اس کو باقی تو رکھا ہے لیکن اس کے معا بعد ہی امام اسحاق بن راھویہ اور دوسرے محدثین کرام کا قول نقل کر کے قولاً اس حدیث پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا ہے۔ چنانچہ امام سیوطی نے اس کو اپنی کتاب "**قوت المغتذي على جامع الترمذي**" سے اڑا دیا ہے، امام بیضاوی نے اس کو مصابیح السنۃ کی شرح میں جگہ نہیں دی، امام مظہر الدین زیدانی متوفی ۷۲۷ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی شرح میں نہیں لیا۔

(قوت المغتذي على جامع الترمذي للسيوطي ج٢ ص١٠٣٢؛ تحفة الأبرار شرح مشكاة المصابيح ج٣ ص٥٧٦؛ المفاتيح شرح المصابيح ج٦ ص٣٥٣)

جبکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مختصر سی شرح کے بعد لکھا ہے:

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُحَدِّثِيْنَ قَالُوْا : لَمْ يَصِحَّ فِيْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيْثٌ ، كَذَا فِيْ [سفر السعادة] وَكَذَا قَالَ السَّيُوْطِيُّ.

"جان لیجئے کہ محدثین کرام نے فرمایا ہے: فضائل معاویہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، اسی طرح [سفر السعادۃ] میں ہے اور ایسا ہی امام سیوطی نے کہا ہے"۔

(لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح ج٩ ص٧٧٥)

سلفی عالم علامہ عبدالرحمان بن عبدالرحیم مبارکپوری نے اس حدیث کی کچھ تشریح کے بعد حافظ ابن حجر

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکمل کلام نقل کیا ہے جو ہم آغازِ کتاب میں لکھ چکے ہیں۔

(تحفة الأحوذي ج ۱۰ ص ۳۴۱،۳۴۲)

ذرا غور فرمائیے کہ شانِ معاویہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی درج کردہ حدیث کے بعد امام ابن راھویہ اور دوسرے محدثین کرام کے قول کو نقل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا اس کے سوا کوئی اور مقصد ہوسکتا ہے کہ اُن کے نزدیک امام ترمذی کے مقابلہ میں امام ابن راھویہ کی تحقیق زیادہ قابل اعتماد ہے؟

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا" کے مؤیدین سے سوال

جن لوگوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اُن سے سوال ہے کہ اگر یہ حدیث نبوی ﷺ ہے تو لامحالہ حیاتِ نبوی ﷺ میں زبانِ اقدس سے صادر ہوئی ہوگی، اُس وقت سے لے کر معاویہ کی موت تک تقریباً ۵۲ سال بنتے ہیں۔ کیا اِن باون [52] سالوں میں اِس حدیث کی اطلاع خود اُس شخص کو بھی ہوئی جس کی شان میں یہ صادر ہوئی؟ اگر وہ اِس حدیث سے باخبر تھے تو اس پر دلیل چاہیئے اور اگر اُنہیں خبر نہیں ہوسکی تو پھر اس عدم اطلاع کی وجہ کیا ہے؟ نیز عموماً زبانِ نبوی ﷺ سے کسی کی برائی یا بھلائی میں جو الفاظ صادر ہوتے تھے اُن کے پیچھے کوئی واقعہ اور وجہ ہوتی تھی جس کو محدثین کی اصطلاح میں وُرُودِ حدیث کہا جاتا ہے۔ کیا اِس حدیث کی بھی کوئی شانِ ورود ہے؟

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا" کا درایۃً جائزہ

جب یہ حدیث سنداً اِس قدر مضطرب ہے کہ اِس کے مرکزی راوی کی صحابیت ہی مشکوک ہے تو پھر آیئے! اب ہم درایۃً اس حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اِس حدیث کے بارے میں اُن محدثین کرام کا قول درست ہے جو اِس حدیث کے مرکزی راوی کو صحابی تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اِس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں یا اُن کا قول صحیح ہے جو اس کو صحابی تسلیم کرتے ہیں اور اِس کی حدیث کو بھی کسی حد تک مانتے ہیں؟

احادیث مختلف امور و موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں، مثلاً امر، نہی، وعد، وعید، ماضی کی خبر اور مستقبل کی پیش گوئی وغیرہ۔ اگر کسی حدیث میں مستقبل کی پیش گوئی کی گئی ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ مستقبل قریب کی بات ہے یا بعید کی؟ پھر اُس کی صحت کو پرکھنے کا دارومدار فقط سند پر نہیں ہوگا بلکہ اُس کے متن و معنیٰ کو بھی جانچا جائے گا۔ مثلاً ایک حدیث ہے:

اَلدُّنْيَا سَبْعَةُ آلَافِ سَنَةٍ ، أَنَا فِيْ آخِرِهَا أَلْفاً.

''دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، میں اُس کے آخری ہزار سال میں ہوں''۔

(الجامع الصغیر للسیوطي حدیث ٤٢٧٨)

جب تک ہجری ماہ وسال کے لحاظ سے ایک ہزار سال پورے نہیں ہوئے تھے اُس وقت تک اِس حدیث کی سند پر بات ہوتی رہی اور بعض محدثین نے اس کو سنداً موضوع وباطل قرار دیا بھی تھا لیکن جب ساتواں ہزار سال ختم ہوگیا تو اب اس کی سند پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں رہی، اس کا متن ہی اس کے باطل ہونے کو عیاں کر رہا ہے، چونکہ اب تو ۱۴۳۹ھ ہے، سو اگر ولادتِ مصطفیٰ ﷺ سے آخری ہزار سال کو شمار کیا جائے تو اس حدیث میں بیان کردہ دنیا کی عمر سے پانچ سو سال اوپر ہو چکے ہیں۔ اب بتلایئے! عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اس حدیث کو موضوع وباطل قرار دینے میں ہے یا اسے صحیح ثابت کرنے میں؟

بعینہٖ یہی معاملہ ''اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا'' کی حدیث کا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اُس حدیث میں مستقبل کی ایک بات تھی جبکہ اِس حدیث میں ایک مخصوص ومعیّن شخص کے حق میں دعائیہ الفاظ ہیں، لہٰذا اس کی فقط سند کو ہی نہیں دیکھا جائے گا بلکہ متن میں بھی غور کیا جائے گا کہ جس شخص کے حق میں یہ دعا کی گئی، آیا اُس کی سیرت وکردار میں اس دعا کی جھلک نمایاں بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ اس دعا کے تین حصے ہیں:

۱۔ اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا (اے اللہ! اس کو ہدایت دینے والا بنا)

۲۔ مَهْدِيًّا (ہدایت یافتہ بنادے)

۳۔ وَاهْدِ بِهٖ (اور اس کے ذریعے اوروں کو ہدایت دے)

ہادی مہدی کا قطعی انعام یافتہ حضرات سے بغض؟

ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ حدیث پاک کے مطابق کسی پر مکمل انعام یہ ہے کہ اُسے جنت کا داخلہ مل جائے، لہٰذا حسن ظن الگ بات ہے مگر کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کون انعام یافتہ ہے اور کون نہیں، لیکن جن ہستیوں کو نوجوانانِ اہل جنت کی سرداری سے نوازا گیا ہو اُن کے ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں۔

کیا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت مصیبت نہیں تھی؟

آیئے! اب دیکھتے ہیں کہ جس شخص کے حق میں ''اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا......'' والی دعائیہ حدیث کو صحیح

ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اُس کے دل میں اِن انعام یافتہ ہستیوں کی کتنی محبت تھی؟ ذرا غور سے پڑھئے!
امام ابوداود اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''خالد بیان کرتے ہیں: حضرت مقدام بن معدیکرب ﷺ، عمرو بن اسود اور اہل قنسرین سے بنو اسد کا ایک شخص معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے حضرت مقدام ﷺ سے کہا:

أَعَلِمْتَ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ تُوُفِّيَ؟ فَرَجَّعَ الْمِقْدَامُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَتَرَاهَا مُصِيبَةً؟ قَالَ لَهُ: وَلِمَ لَا أَرَاهَا مُصِيبَةً وَقَدْ وَضَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي حُجْرِهِ، فَقَالَ: هٰذَا مِنِّي وَحُسَيْنٌ مِنْ عَلِيٍّ؟ فَقَالَ الْأَسَدِيُّ: جَمْرَةٌ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ﷻ، قَالَ: فَقَالَ الْمِقْدَامُ: أَمَا أَنَا، فَلَا أَبْرَحُ الْيَوْمَ حَتّٰى أُغِيظَكَ وَأُسْمِعَكَ مَا تَكْرَهُ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاوِيَةُ! إِنْ أَنَا صَدَقْتُ فَصَدِّقْنِي، وَإِنْ أَنَا كَذَبْتُ فَكَذِّبْنِي، قَالَ: أَفْعَلُ:

قَالَ: فَأُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَنْهٰى عَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَأُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ.

قَالَ: فَأُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ، هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ.

قَالَ: فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ هٰذَا كُلَّهُ فِي بَيْتِكَ يَا مُعَاوِيَةُ! فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَدْ عَلِمْتُ أَنِّي لَنْ أَنْجُوَ مِنْكَ يَا مِقْدَامُ، قَالَ خَالِدٌ: فَأَمَرَ لَهُ مُعَاوِيَةُ بِمَا لَمْ يَأْمُرْ لِصَاحِبَيْهِ، وَفَرَضَ لِابْنِهِ فِي الْمِئَتَيْنِ، فَفَرَّقَهَا الْمِقْدَامُ عَلٰى أَصْحَابِهِ، وَلَمْ يُعْطِ الْأَسَدِيُّ أَحَدًا شَيْئًا مِمَّا أَخَذَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: أَمَّا الْمِقْدَامُ فَرَجُلٌ كَرِيْمٌ بَسَطَ يَدَهُ، وَأَمَّا الْأَسَدِيُّ فَرَجُلٌ حَسَنُ الْإِمْسَاكِ لِشَيْئِهِ.

''کیا تم جانتے ہو کہ حسن بن علی وفات پا گئے؟ اس پر حضرت مقدام ﷺ نے ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' کہا، اس پر کسی شخص نے اُنہیں کہا: کیا تم اس کو مصیبت سمجھتے ہو؟ اُنہوں نے اُس کو فرمایا: میں اس بات کو کیوں نہ مصیبت سمجھوں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں اپنی گود میں بٹھا کر

فرمایا تھا: ''یہ مجھ سے ہے اور حسین علی سے ہے''۔ اس پر اسدی نے کہا: وہ ایک انگارہ تھا جسے اللہ ﷻ نے بجھا دیا۔ خالد کہتے ہیں: اس پر مقدام ؓ نے معاویہ کو کہا: آج میں تم کو اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تمہیں غصہ نہ دلاؤں اور وہ کچھ نہ سناؤں جو تمہیں ناگوار ہو۔ پھر فرمایا: اے معاویہ! میں بات شروع کرتا ہوں، اگر میں سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا اور اگر میں جھوٹ بولوں تو میری تردید کر دینا۔ معاویہ نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔

حضرت مقدام ؓ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سونا پہننے کی ممانعت سنی تھی؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔

حضرت مقدام ؓ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔

حضرت مقدام ؓ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی جلد کو پہننے اور اُس پر بیٹھنے سے منع فرمایا تھا؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔

اس پر حضرت مقدام ؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔ اس پر معاویہ نے کہا: اے مقدام! مجھے معلوم ہے، آج میں تم سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ خالد کہتے ہیں: اس کے بعد معاویہ نے حضرت مقدام ؓ کے لیے اتنے مال کا حکم دیا کہ اتنا اُن کے دوسرے ساتھیوں کے لیے نہ دیا اور اُن کے بیٹے کا وظیفہ دو سو دینار والے لوگوں کے برابر کر دیا۔ پس حضرات مقدام ؓ نے وہ سب کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ خالد کہتے ہیں: اسدی کو جو ملا تھا وہ اس نے کسی کو نہ دیا۔ یہ خبر معاویہ کو پہنچی تو اُنہوں نے کہا: مقدام ایک کریم شخص ہیں اُنہوں نے اپنے ہاتھ کھول دیے، رہا اسدی تو وہ اپنی چیز کو اچھے طریقے سے سنبھالنے والا ہے''۔

(سنن أبي داود بتحقيق الألباني ص٧٣٨ حديث ٤١٣١)

''أَتَرَاهَا مُصِيبَةً'' کا قائل کون؟

سنن ابوداود کے متن میں کچھ مخفی رکھنے کی کوشش تو کی گئی لیکن حقیقت پھر بھی مخفی رہ نہیں سکی۔ سنن ابوداود

میں ہے"قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَتَرَاهَا مُصِيبَةً؟"(ایک شخص نے کہا: کیا آپ اسے مصیبت سمجھتے ہیں؟) پھر ایک اسدی شخص نے کہا: ''جَمْرَةً أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ﷻ'' (وہ ایک انگارہ تھا جسے اللہ نے بجھا دیا) سوال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں غیر شرعی، غیر اخلاقی اور قبیح باتیں معاویہ کے علاوہ دوسرے دو شخصوں نے کہیں تو حضرت مقدام ﷛ نے معاویہ کو کھری کھری سنانا کیوں شروع کر دیا؟ دراصل اِن میں سے پہلی بات کے قائل خود معاویہ ہیں، جیسا کہ امام احمد، امام طبرانی، امام ابن عساکر، امام ذہبی اور شمس الحق عظیم آبادی کی نقل کردہ حدیث میں یہ تصریح موجود ہے:

فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : أَتَرَاهَا مُصِيبَةً؟

''تو معاویہ نے اُنہیں کہا: کیا آپ اس کو مصیبت سمجھتے ہیں؟''۔

(مسند أحمد[بتحقيق أحمد شاكر] ج١٣ص٢٩٥حديث١٧١٢٣ ،وط:[شعيب]ج٢٨ص ٤٢٦حديث١٧١٨٩؛المعجم الكبير ج٣ص٣٤حديث٢٦٢٨؛تاريخ دمشق ج ٦٠ص ١٨٧، ١٨٨؛سير أعلام النبلاء ج٣ص١٥٨، ١٥٩؛عون المعبود في مجلد واحد ص١٨٨٤ ،وط: ج ١١ ص١٨٩، ١٩٠)

جبکہ دوسرا قول اسدی شخص نے ازخود نہیں کیا بلکہ اُس سے پوچھا گیا تو اُس نے میر محفل کی خواہش کے مطابق جواب دیا۔ اُس مجلس کے میر خود بادشاہ سلامت معاویہ ہی تھے، اُنہوں نے ہی اسدی سے پوچھا:

مَا تَقُوْلُ أَنْتَ ؟ قَالَ : جَمْرَةٌ أُطْفِئَتْ.

''تم کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا: ایک انگارہ تھا بجھا دیا گیا''۔

(سير أعلام النبلاء ج٣ص١٥٨؛المعجم الكبير ج٢٠ص٢٦٩حديث٦٣٦)

البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، شیخ احمد شاکر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: اس کی سند قوی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مقدام ﷛ اُسی شخص پر ہی برہم ہوئے تھے جس نے یہ غیر شرعی اور غیر اخلاقی الفاظ بولے تھے اور وہ معاویہ تھے۔ اگر فقط سنن ابی داود کے الفاظ کو ہی مدنظر رکھا جائے تب بھی سیدنا مقدام ﷛ کا معاویہ پر برہم ہونا قابل فہم ہے، اس لیے کہ گفتگو کے وقت چہروں کے تیور[Facial expressions] بھی تو وہ دیکھ رہے تھے۔

''كُلُّ إِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ'' دراصل معاویہ اس اظہارِ خیال میں [Expose] اس لیے ہو گئے تھے

کہ اُنہوں نے جن لوگوں کے سامنے ''أتَـرَاهَـا مُصِيبَةً'' (کیا تم اسے مصیبت سمجھتے ہو؟) کہا وہ سب بشمول سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ شامی تھے، اُنہوں نے گمان کیا کہ سب اہل مجلس اپنے ہم خیال ہیں، لیکن ضروری تو نہیں کہ سارے شامی اُن کے ہم خیال ہوں، کوئی ''یَکْتُمُ إِیْمَانَهٗ'' کا مصداق شخص بھری مجلس میں پھٹ بھی تو سکتا تھا، سو ایسا ہی ہوا۔ اسی لیے کہا گیا۔

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

شہادتِ امام حسن علیہ السلام پر خوشی؟

یہ واقعہ دوسرے الفاظ میں علامہ ابن خلکان اور علامہ دمیری نے بھی نقل کیا ہے، اُس میں ہے کہ معاویہ نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر کہا:

اِسْتَرَاحَ قَلْبِيْ.

''میرے دل نے راحت حاصل کی ہے''۔

ان دونوں کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اُس وقت شام میں تھے، اُنہوں نے معاویہ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے تو وجہ پوچھی، معاویہ نے کہا:

مَاتَ الْحَسَنُ.

''حسن مر گیا''۔

(ملخصاً: وفيات الأعيان ج۲ ص۶۶، ۶۷؛ حياة الحيوان ج۱ ص۲۱۲)

عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات

یہاں ہم بشمول ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا'' کے مؤیدین و مصحِحین کے تمام عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بالعموم اور امیر اہل سنت وجلالی صاحب کے سامنے بالخصوص چند سوالات رکھتے ہیں اور اُنہیں اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ وہ امانت ودیانت اور عدل وانصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے بتلائیں!

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کے انتقال کو مصیبت نہ سمجھنا اور اُنہیں انگارہ قرار دینے کے قول پر راضی رہنا، اظہارِ بغض ہے یا اظہارِ محبت؟

۲۔ شہادتِ امام حسن مجتبیٰ ﷺ کو مصیبت نہ سمجھنا، اُسے قلبی راحت کہنا اور امام حسن ﷺ کو انگارہ قرار دینے والے کو اُلٹا پیسے دینا۔ دل کو تھام کر ایمان اور انصاف سے بتایئے کہ ایسے قول وعمل سے حضور ﷺ کو اذیت پہنچی ہوگی یا راحت؟ اگر راحت پہنچنے کا قول کیا جائے تو اس پر ثبوت پیش کیا جائے، ورنہ بتلایا جائے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے والا کوئی صحابی کہلاتا ہو تو وہ حسبِ ذیل آیت سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے؟

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا.

"بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے رُسوا کن عذاب"۔

(الأحزاب: ٥٧)

۳۔ بھری مجلس میں نبی کریم ﷺ کی محبوب ترین ہستی کے بارے میں ایسا قبیح اظہارِ خیال مدارجِ ہدایت میں سے کونسا درجہ ہے؟

۴۔ اس حدیث میں سیدنا امام حسن ﷺ کی شان میں آیا کہ وہ حضور ﷺ سے ہیں۔ اس کی کئی تعبیریں ہوسکتی ہیں، لیکن سب سے واضح تعبیر یہ ہے کہ وہ ہو بہو صورتِ مصطفیٰ ﷺ تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ نمازِ عصر پڑھ کر تشریف لے جا رہے تھے، اُنہوں نے دیکھا کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو اُنہوں نے اُنہیں اپنے کندھے پر اُٹھا لیا اور فرمایا: میرے والد قربان ہوں، آپ نبی کریم ﷺ کے ہم شکل ہیں، علی کے ہم شکل نہیں ہیں، اور سیدنا علی ﷺ ہنستے رہے"۔

(بخاري ص ٤٨٣ حديث ٣٥٤٢، وص ٥١٠ حديث ٣٧٥٠)

لہٰذا دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائیں کہ شکلِ مصطفیٰ ﷺ کے اوجھل ہونے کو مصیبت نہ سمجھنا ایمان، عشق، محبت اور ہدایت کا کونسا درجہ ہے؟

۵۔ نبی کریم ﷺ جنہیں اپنا پھول فرمائیں، اُنہیں دربارِ معاویہ میں انگارہ کہا جائے اور وہ نہ صرف یہ کہ ٹس سے مس نہ ہوں بلکہ اُلٹا اُس منہ پھٹ شخص کو پیسے دیں، یہ عشقِ نبوی ﷺ کا کونسا درجہ ہے؟

۶۔ جس محبوب ہستی کو محبوبِ خدا ﷺ اپنا پھول فرمائیں، اُنہیں کوئی انگارہ کہے تو کیا یہ آوازِ نبوی ﷺ پر آواز بلند کرنے کے مترادف نہیں؟

۷۔ اگر کچھ لوگوں کے نزدیک ایسا اظہارِ خیال اجتہاد ہو تو یہ کونسا اجتہاد ہے، ایک اجر والا یا دو اجر والا؟

۸۔ اس حدیث میں معاویہ کا قول و عمل مبنی بر ہدایت ہے یا سیدنا مقدام بن معد یکرب ﷺ کا رَدِّ عمل؟

۹۔ اس حدیث میں ہے کہ سیدنا مقدام بن معد یکرب ﷺ نے سونے، ریشم اور درندوں کی کھال کے استعمال کے متعلق ممانعتِ نبوی بیان کی تو معاویہ نے اُن کی تردید نہ کر سکے، جس پر اُنہوں نے فرمایا: اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں تو معاویہ اس کی بھی کوئی تردید کر سکے اور نہ ہی تاویل، یعنی وہ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ یہ چیزیں تو ہمارے گھر کی خواتین استعمال کرتی ہیں۔ چونکہ حضرت مقدام ایک شامی شخص تھے اور وہاں کے حقائق و حالات سے باخبر تھے اس لیے اُن کے سامنے خود صاحبِ معاملہ کی بھی تردید اور تاویل نہ چل سکی تو کسی دوسرے کی تاویل کیا چلے گی؟ لہٰذا سوال قائم ہوتا ہے کہ جب یہ چیزیں ممنوع ہیں تو پھر جان بوجھ کر ان کا استعمال ہدایت ہے یا ضلالت؟ اگر ہدایت ہے تو ثابت کیجئے اور اگر ہدایت نہیں تو پھر بتلایئے کہ "اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِیًا" کی صحت اور مقبولیت کہاں گئی؟

۱۰۔ دربارِ معاویہ میں آئے تو تھے تینوں شخص اکٹھے ہی، لیکن اُنہوں نے حضرت مقدام ﷺ کو دوسرے دو شخصوں سے زیادہ مال دیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

۱۱۔ حضرت مقدام ﷺ نے وہ مال اپنے پاس نہ رکھا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا، آخر کیوں؟

بارگاہِ معاویہ میں حصولِ قرب کا طریقہ

وکلائے صفائی تو اس قسم کی احادیث کی اپنی اپنی تاویلیں کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے لیکن بعض لوگوں کا قلم اس مقام پر لگی لپٹی کا شکار نہیں ہوا اور وہ حق بات لکھ گئے۔ اسدی شخص نے سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷺ کو جو "جَمْرَةٌ" (انگارہ) کہا تو کیوں کہا اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی تشریح میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

فَقَالَ الْأَسَدِيُّ: طَلَباً لِرِضَاءِ مُعَاوِيَةَ وَتَقَرُّباً إِلَيْهِ (جَمْرَةٌ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ) تَعَالىٰ، أَيْ أَخْمَدَهَا وَأَزَالَ شَرَرَ شُرُوْرِهَا وَفِتَنِهَا.

''اسدی نے معاویہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کہا: ''وہ ایک انگارہ تھا جسے اللہ ﷻ نے بجھا دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسے بجھا دیا اور اُس کے بھڑکنے کے شر اور فتنہ کو زائل

کر دیا"۔

(بذل المجهود في حل سنن أبي داود ج۱۷ ص۱۴، ۱۵، وط: ج۱۷ ص۹؛ عون المعبود في مجلد واحد ص۱۸۸۴ وط: ج ۱۱ ص۱۹۱)

تعجب ہے کہ جس کے حق میں ھادی، مہدی اور "وَاهْدِ بِهٖ" (اس کے ذریعے اوروں کو ہدایت دے) کے الفاظ میں دعا کا دعویٰ کیا گیا ہے اُس کی بارگاہ میں تقرب اور خوشنودی کے حصول کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے خلاف بھڑاس نکالتے جاؤ اور ھادی ومہدی کی بارگاہ کا قرب حاصل کرتے جاؤ۔

امیرشام نے اہل بیت کی قدر نہ کی

اہل حدیث عالم شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

وَالْعَجَبُ كُلَّ الْعَجَبِ مِنْ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّهُ مَا عَرَفَ قَدْرَ أَهْلِ الْبَيْتِ حَتّٰى قَالَ مَا قَالَ، فَإِنَّ مَوْتَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ أَعْظَمِ الْمَصَائِبِ، وَجَزَى اللّٰهُ الْمِقْدَامَ وَرَضِيَ عَنْهُ فَإِنَّهُ مَا سَكَتَ عَنْ تَكَلُّمِ الْحَقِّ حَتّٰى أَظْهَرَهُ، وَهٰكَذَا شَأْنُ الْمُؤْمِنِ الْكَامِلِ الْمُخْلِصِ.

"معاویہ پر تعجب اور حیرت ہے، اُنہوں نے اہل بیت کی قدر نہیں جانی، حتیٰ کہ اُنہوں نے وہ کہا جو کہا۔ بیشک سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات بڑی مصیبت ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بلاشبہ وہ حق کے اظہار سے خاموش نہ رہ سکے حتیٰ کہ اُسے ظاہر کر دیا اور یہی کامل مخلص مومن کی شان ہوتی ہے"۔

(عون المعبود في مجلد واحد ص۱۸۸۴ وط: ج ۱۱ ص۱۹۱)

ھادی مھدی کا انصار رضی اللہ عنہم سے برا سلوک

قرآن مجید میں انصار رضی اللہ عنہم کو بھی السابقن الاولون فرمایا گیا ہے، لیکن امیرشام نے اُن کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا تھا، اور احادیث مبارکہ میں اس ناروا سلوک کی پیش گوئی بھی آ چکی ہے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً، فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ، وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ.

''عنقریب یقیناً تم میرے بعد ترجیحی سلوک کا سامنا کرو گے، لہٰذا مجھ سے ملاقات تک صبر کرنا اور ہمارے تمہارے ملنے کی جگہ حوض ہے''۔

(بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قول النبي ﷺ للأنصار: اصبروا حتىٰ تلقوني على الحوض، حديث ٣٧٩٣)

علماء نے ''أَثَرَةً'' کا معنیٰ کیا ہے: مال کی تقسیم میں تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ چونکہ یہ نبوی پیش گوئی تھی اور مستقبل قریب کے لیے تھی، لہٰذا اس کا عنقریب پورا ہونا ضروری تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کب پوری ہوئی اور انصار کے ساتھ یہ ناروا اور ترجیحی سلوک کب شروع ہوا؟ امیر اہل سنت سے التماس ہے کہ وہ ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ انصار ؓ کے ساتھ اُس ترجیحی سلوک کا مرتکب پہلا شخص کون تھا۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

قَالَ الْيَعْمَرِيُّ: كَانَتْ هٰذِهِ الْأَثَرَةُ فِيْ زَمَنِ مُعَاوِيَةَ.

''علامہ یعمری فرماتے ہیں: یہ ترجیحی سلوک معاویہ کے زمانے میں ہوا''۔

(شرح الشفا لعلي القاري ج١ ص٦٩٦؛ مدارج النبوة ص٢٥٣)

ممکن ہے کہ بزعم خویش کسی باادب شخص کو ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ یعمری کے قول سے اتفاق نہ ہو تو ہم ایسے نام نہاد باادب لوگوں کے سامنے کتب حدیث کی تصریح پیش کیے دیتے ہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ مِقْسَمٍ أَنَّ أَبَا أَيُّوْبَ أَتٰى مُعَاوِيَةَ فَذَكَرَ لَهٗ حَاجَةً، قَالَ: أَلَسْتَ صَاحِبَ عُثْمَانَ؟ قَالَ: أَمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أَخْبَرَنَا أَنَّهٗ سَيُصِيْبُنَا بَعْدَهٗ أَثَرَةٌ، قَالَ: وَمَا أَمَرَكُمْ؟ قَالَ: أَمَرَنَا أَنْ نَصْبِرَ حَتّٰى نَرِدَ عَلَيْهِ الْحَوْضَ، قَالَ: فَاصْبِرُوْا، قَالَ: فَغَضِبَ أَبُوْ أَيُّوْبَ وَحَلَفَ أَنْ لَّا يُكَلِّمَهٗ أَبَدًا.

''مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے معاویہ کے پاس آ کر اپنی کوئی ضرورت ذکر فرمائی تو معاویہ نے کہا: کیا تم عثمان کے قاتل نہیں ہو؟ (معاویہ سب انصار ؓ کو ایسا سمجھتے تھے) حضرت ابوایوب ؓ نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ آپ کے بعد عنقریب ہمیں ترجیحی سلوک کا سامنا کرنا ہوگا۔ معاویہ نے کہا: اور آپ نے تمہیں کیا

حکم دیا تھا؟ فرمایا: ہمیں آپ نے صبر کا حکم دیا تھا۔ معاویہ نے کہا: پھر تم صبر کرو۔ مقسم کہتے ہیں: اس پر حضرت ابوایوب ﷜ غضب ناک ہوئے اور قسم کھائی کہ وہ کبھی بھی معاویہ کے ساتھ کلام نہیں کریں گے"۔

(المستدرك ج٣ص٤٥٩،وط: ج٣ص٥٢٠،حديث ٥٩٣٥؛حياة الصحابة للكاندهلوي ج١ ص ٤٨٧؛المعجم الكبير ج٤ ص١٢٥،حديث٣٨٧٦؛مجمع الزوائد ج٩ص٣٢٢،وط: ج١٩ ص ٢٠٣ حديث ١٥٧٦٤)

امام طبرانی کی بعض روایات میں ہے کہ میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاری ﷜ نے معاویہ کے سامنے اپنے مقروض ہونے کی شکایت کی تھی۔

(المعجم الكبير ج٤ ص١١٨،حديث٣٨٥٢؛مجمع الزوائد ج٩ص٣٢٣،وط: ج١٩ص٣٠٤، حديث١٥٧٦٥)

امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(تلخيص المستدرك على المستدرك للذهبي ج٣ص٤٥٩، ٤٦٠)

آگے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث دوبارہ تفصیلاً آئی ہے، اس میں ہے کہ سیدنا ابوایوب انصاری ﷜ سرزمین روم میں جہاد میں شرکت کے لیے جا رہے تھے:

فَمَرَّ عَلىٰ مَعَاوِيَةَ فَجَفَاهُ مُعَاوِيَةُ ، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ غَزْوَتِهِ فَجَفَاهُ وَلَمْ يَرْفَعْ بِهِ رَأْسًا.

"پس اُن کا گذر معاویہ پر ہوا تو معاویہ نے اُن سے زیادتی کی، پھر وہ غزوہ سے لوٹے تو بھی اُنہوں نے اُن سے زیادتی کی اور اُن کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا"۔

(المستدرك ج٣ص٤٦١،وط: ج٣ص٥٢٢،حديث ٥٩٤١)

پھر یہ جفا اور ترجیحی سلوک صرف سیدنا ابوایوب انصاری ﷜ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ سیدنا ابوسعید خدری انصاری ﷜ نے بھی معاویہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی تو اُنہیں بھی معاویہ نے صاف کہہ دیا: پھر تم صبر ہی کرو۔

(مسند أحمد[شاكر] ج١٠ص٢٨٠، ٢٨١ حديث ١١٧٨١)

سیدنا عبادہ بن صامت انصاری ﷜ کو بھی ایک موقع پر یہ حدیث پیش کرنے پر یہی کہا گیا۔

(تاريخ دمشق ج٢٦ص٢٠١)

سیدنا ابوقتادہ انصاری ﷛ کو بھی ایسا ہی کہا گیا۔ چنانچہ امام عبدالرزاق صنعانی ﷫ لکھتے ہیں:

''امام معمر سیدنا عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابوطالب ﷫ سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ جب مدینہ منورہ آئے تو اُن کی ملاقات سیدنا ابوقتادہ انصاری ﷛ سے ہوئی، اُنہوں نے اُن سے پوچھا: اے انصار کی جماعت! سب لوگ مجھے ملنے آئے لیکن تم نہیں آئے، تمہیں مجھ سے ملاقات سے کس چیز نے روکا؟ اُنہوں نے فرمایا: ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا: اونٹنیاں کہاں گئیں؟ اُنہوں نے فرمایا:

عَقَرْنَاهَا فِيْ طَلَبِکَ وَطَلَبِ أَبِيْکَ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ أَبُوْقَتَادَةَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنَا: إِنَّا لَنَرٰى بَعْدَهُ أَثَرَةً، قَالَ مُعَاوِيَةُ: فَمَا أَمَرَکُمْ؟ قَالَ: أَمَرَنَا أَنْ نَّصْبِرَ حَتّٰى نَلْقَاهُ، قَالَ: فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْهُ.

اُنہیں ہم بدر کی جنگ میں تمہاری اور تمہارے باپ کی تلاش میں کھپا چکے ہیں۔ راوی کہتے ہیں: پھر سیدنا ابوقتادہ ﷛ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا: ہم آپ کے بعد ترجیحی سلوک دیکھیں گے۔ معاویہ نے پوچھا: پھر آپ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ اُنہوں نے فرمایا: ہمیں آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ملاقات تک صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔ معاویہ نے کہا: پھر تم آپ ﷺ کے ساتھ ملاقات کرنے تک صبر کرو۔ یہ بات حضرت عبدالرحمان بن حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما کے فرزند کو پہنچی تو اُنہوں نے فرمایا:

أَلَا أَبْلِغْ مُعَاوِيَةَ بْنَ حَرْبٍ ... أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَنَا كَلَامٌ
فَإِنَّا صَابِرُوْنَ وَمُنْظِرُوْكُمْ ... إِلٰى يَوْمِ التَّغَابُنِ وَالْخِصَامِ

''خبردار! معاویہ بن حرب امیر المومنین کو میرا کلام پہنچا دو، بیشک ہم حساب اور احتجاج کے دن تک صبر کرنے والے ہیں اور تمہارا انتظار کرنے والے ہیں''۔

(المصنَّف للإمام عبدالرزاق ج١١ ص٦٠ حديث١٩٩٠٩؛ الاستيعاب ج٢ ص٢٤٧؛ تاريخ دمشق ج٣٤ ص٢٩٦؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص٣٣٣؛ عون القدير من فتاوى ورسائل ابن الأمير ج ٥ ص٣٣٩، ٣٤٠)

مذہبی تعصب سے بالا ہو کر بتلائیں کہ انصار ﷡ کے ساتھ ایسے جفا، ناروا سلوک اور اُن کی تذلیل کو کیا کہا

جائے، محبت یا عداوت؟ یاد رہے کہ انصار ﷺ وہ مبارک طبقہ ہے جن کی قرآن کریم میں اتباع چاہی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.

''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین وانصار سے اور وہ جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے، راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ اُن سے اور راضی ہوگئے وہ اُس سے''۔(التوبة: ۱۰۰)

اتباع محبت کے بغیر نہیں ہوتی جبکہ انصار ﷺ سے محبت کو ایمان کی نشانی اور اُن سے بغض کو نفاق کی علامت فرمایا گیا ہے۔ سیدنا انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آيَةُ الإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ.

''انصار ﷺ سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصار ﷺ سے بغض منافقت کی نشانی ہے''۔

(بخاري: كتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار، ص۵۱۳ حديث ۳۷۸٤)

اب ایک طرف بخاری کی اِس حدیث کو سامنے رکھئے اور دوسری طرف سیدنا ابوایوب انصاری، سیدنا ابوسعید خدری انصاری، سیدنا عبادہ بن صامت انصاری اور سیدنا ابوقتادہ انصاری ﷺ کے ساتھ مذکورہ بالا ناروا سلوک کو سامنے رکھ کر خود ہی بتائیے کہ حدیث پاک کی رو سے اس کا نتیجہ کیا ہے؟

امیر شام نے میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاری ﷺ سے اس قدر ناروا سلوک تو کیا کہ اُنہوں نے قسم کھا کر کہا: وہ ہمیشہ کے لیے معاویہ کے ساتھ ہم کلام نہیں ہوں گے۔ راقم الحروف التماس کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حدیث پاک میں دوبارہ غور فرما کر اپنے آپ سے پوچھئے کہ جس شخص کی شان میں ایسی جامع دعا کی گئی ہو، کیا اُس سے ایسی ہستیوں کے ساتھ براسلوک ممکن ہے جو (بقولِ شما) اُس سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ تھیں؟

میزبانِ مصطفیٰ ﷺ اور سیدنا ابن عباس ﷺ

یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ یہی ستم رسیدہ اور رنجیدہ میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاری ﷺ اس واقعہ کے بعد بصرہ تشریف لے گئے تو وہاں ان کی ملاقات سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ سے ہوئی، اور وہ اُس وقت سیدنا

علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اُنہوں نے گفت وشنید کے بعد اُن سے عرض کیا:

يَا أَبَا أَيُّوبَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أَخْرُجَ لَكَ مِنْ مَسْكَنِيْ كَمَا خَرَجْتَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَ أَهْلَهُ فَخَرَجُوْا، وَأَعْطَاهُ كُلَّ شَيْءٍ كَانَ فِي الدَّارِ ، فَلَمَّا كَانَ وَقْتُ انْطِلَاقِهِ قَالَ: حَاجَتُكَ ؟ قَالَ حَاجَتِيْ عَطَائِيْ وَثَمَانِيَةُ أَعْبُدٍ يَعْمَلُوْنَ فِيْ أَرْضِيْ، وَكَانَ عَطَاءُ هُ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ فَأَضْعَفَهَا لَهُ خَمْسَ مِرَارٍ ، وَأَعْطَاهُ عِشْرِيْنَ أَلْفًا وَأَرْبَعِيْنَ عَبْداً.

''اے ابوایوب! میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کی خاطر اُسی طرح اپنے مسکن سے نکل جاؤں جس طرح آپ رسول اللہ ﷺ کی خاطر نکل گئے تھے، پھر اُنہوں نے اپنے اہل وعیال کو حکم دیا تو وہ نکل گئے اور ہر وہ چیز جو گھر میں موجود تھی وہ بھی اُنہیں کے لیے چھوڑ گئے، پھر جب جانے لگے تو کہا: آپ کی کوئی اور ضرورت؟ اُنہوں نے کہا: میرا وظیفہ اور آٹھ غلام دیجئے جو میری زمین میں کام کریں۔ اُن کا وظیفہ چار ہزار دینار تھا تو اسے سیدنا ابن عباسؓ نے پانچ گنا کر دیا اور اُنہیں بیس ہزار دینار وظیفہ اور چالیس غلام دیئے''۔

(المستدرك ج۳ص ٤٦١ ،وط: ج۳ص ٥٢٢ حديث ٥٩٤١)

انصارؓ کے ساتھ سلوک کے یہ دونمونے آپ کے سامنے ہیں۔ ایک سلوکِ معاویہ، دوسرا سلوک ابن عباس۔ ایمان وانصاف سے فرمایئے! اِن میں سے سنتوں بھرا سلوک کس کا ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا یا اُس شخص کا جس کے بارے میں ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا'' کی دعا کا دعویٰ کیا جاتا ہے؟

آقا علیہ السلام کی طرف دھوکہ کی نسبت پر خاموشی؟

امام طحاوی، امام خطابی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

أَخْبَرَنِيْ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدٍ أَخِيْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيْدٍ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عُبَايَةَ قَالَ: ذُكِرَ قَتْلُ ابْنُ الْأَشْرَفِ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ ، فَقَالَ: ابْنُ يَامِيْنٍ: كَانَ قَتْلُهُ غَدْرًا، فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ : يَا مُعَاوِيَةُ أَيُغَدَّرُ عِنْدَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ لَا تُنْكِرُ ؟وَاللّٰهِ لَايُظِلُّنِيْ وَإِيَّاكَ سَقْفُ بَيْتٍ أَبَداً، وَلَا يَخْلُوْلِيْ دَمُ هٰذَا

إِلَّا قَتَلْتُهُ.

''حضرت عبایہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ کے دربار میں کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر ہوا تو ابن یامین نے کہا: وہ دھوکے کا قتل تھا، اس پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے معاویہ! تیرے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دھوکہ کی نسبت کی جارہی ہے پھر بھی تم منع نہیں کر رہے؟ اللہ کی قسم! میں اور تم کبھی ایک چھت کے سایہ میں اکٹھے نہیں ہوں گے، اور یہ شخص کبھی بھی مجھے تنہا مل گیا تو میں اس کو قتل کر دوں گا''۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''ہم اب تک جو کچھ اس سلسلے میں بیان کر چکے ہیں اور جو عنقریب بیان کریں گے اُس سے کعب بن اشرف کی غداری، اُس کی عہد شکنی، اُس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر طنز، اُس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عداوت اور اُن کے خلاف بھڑکانے وغیرہ سے اس شخص [ابن یامین] کا کذاب ہونا، اس کی رائے کا برا ہونا اور اس کے قول کا قبیح ہونا ظاہر ہو جائے گا اور کعب بن اشرف کا مستحقِ قتل ہونا متحقق ہو جائے گا''۔

(شرح مشكل الآثار ج١ ص ١٩٠، ١٩١ حديث ٢٠٠؛ معالم السنن ج٢ ص ٣٣٧؛ دلائل النبوة للبيهقي ج٣ ص ١٩٣)

اس واقعہ کو علامہ ابن تیمیہ، امام سبکی اور علامہ ابن قیم نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الصارم المسلول لابن تيمية ص ٩٠؛ السيف المسلول على من سب الرسول للسبكي ص ٣٠٢؛ أحكام أهل الذمة ج٣ ص ١٤٤٨)

یہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان کے واقعہ کی مکمل تفصیل مع بحث ونظر بیان کی ہے۔ لہٰذا جو لوگ حدیث ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ'' کی صحت کے مدعی ہیں ہمارا اُن سے سوال ہے کہ جب معاویہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دھوکہ کی نسبت کی جارہی تھی تو اُس وقت اِس دعا کی مقبولیت کہاں گئی ہوئی تھی اور امیر شام کی غیرتِ اسلامی، محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ھادیت و مہدیت کہاں چلی گئی تھی؟

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تاویل

یہاں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے بوجہ عدم تدبر ایک غلط تاویل ہوگئی۔ پہلے تو اُنہوں نے لکھا کہ واقدی نے اس واقعہ کی نسبت دربارِ مروان کی طرف کی ہے، لیکن دوسرے تمام حضرات نے دربارِ معاویہ میں ہی اس کا وقوع بیان کیا ہے۔ پھر لکھا ہے:

وَلَعَلَّ مَرْوَانَ أَوْمُعَاوِيَةَ۔ إِنْ ثَبَتَ أَنَّ الْقِصَّةَ كَانَتْ عِنْدَهُ۔ إِنَّمَا سَكَتَ عَنْ قَتْلِهِ لِتَجْوِيْزِهِ أَنْ يَكُوْنَ ابْنُ يَامِيْنَ إِنَّمَا نَسَبَ الْغَدْرَ إِلٰى ابْنِ مَسْلَمَةَ وَأَصْحَابِهِ، وَلَوْ تَحَقَّقَ مِنْهُ أَنَّهُ نَسَبَهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَتَوَقَّفْ فِيْ قَتْلِهِ.

''شاید مروان یا معاویہ نے۔ اگر ثابت ہو کہ یہ واقعہ اُن کے سامنے پیش آیا۔ اُس شخص کو قتل کرنے سے اس لیے باز رہے کہ اُنہوں نے سمجھا کہ ابن یامین دھوکہ کی نسبت ابن مسلمہ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف کر رہا ہے، اگر اُن پر واضح ہو جاتا کہ اُس نے دھوکہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی ہے تو وہ اُس کو قتل کرنے میں توقف نہ کرتے''۔

(السيف المسلول على من سب الرسول ص۳۰۲)

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تاویل کا تصنع اور تکلف پر مبنی ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا:

يَا مُعَاوِيَةُ أَيُغَدَّرُ عِنْدَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ لَا تُنْكِرُ ؟

''اے معاویہ! تیرے سامنے نبی کریم ﷺ کی طرف دھوکہ کی نسبت کی جا رہی ہے پھر بھی تم برا نہیں منا رہے؟''۔

اِس پر امیرِ شام نے اتنی وضاحت کرنا بھی گوارا نہ کی کہ: اے محمد بن مسلمہ! یہ آپ کی طرف دھوکہ کی نسبت کر رہا ہے حضور ﷺ کی طرف نہیں۔ اُنہوں نے تو اس حد تک بے پروائی کی کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اُنہیں اس گستاخی پر راضی قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہہ گئے کہ میں اور تم کبھی ایک چھت تلے جمع نہیں ہوں گے، لیکن اس کے باوجود معاویہ نے ابن یامین کو ڈانٹا تک نہیں قتل کرنا تو کجا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی ذات سے بھی تہمت یا غلط فہمی کو دور کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیا کوئی عاشقِ رسول سمجھا سکتا ہے کہ اتنے بڑے واقعہ پر اس قدر خاموشی

میں آخر راز کیا تھا؟؟؟

تعجب ہے کہ ہمارے ائمہ اُن لوگوں کے ناجائز دفاع میں بے ڈھنگی تاویلات میں مشغول ہو جاتے ہیں جنہوں نے منبروں پر سیدنا علی علیہ السلام پر سب وشتم اور لعنت کرنے کرانے کو رسم بنالیا تھا، حالانکہ صحیح حدیث ہے کہ جس نے علی کو سبّ کیا اُس نے مجھے سبّ کیا۔ سو ایسے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی گستاخ کو قتل کریں گے۔ جو صاحب اس قدر حلیم یا احلم تھے کہ کسی گستاخ کو ٹوکنا بھی اُن کے حلم کے منافی تھا تو اُن سے یہ توقع کرنا کہ وہ کسی گستاخ کو قتل کریں گے انتہائی سادگی ہے۔ ہاں جن ہستیوں [معاذ اللہ] سے کسی گستاخ کو فی النار کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے تو وہ وہ ہیں جن کا ذکر خود امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کیا ہے:

وَ لَا يَحِلُّ أَنْ يُقَالَ : إِنَّ كَعْبًا قُتِلَ غَدْرًا ، وَقَدْ قَالَ ذٰلِكَ قَائِلٌ فِيْ مَجْلِسِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ فَأَمَرَ بِهِ عَلِيٌّ فَضُرِبَتْ عُنُقُهُ ، حَكَى ذٰلِكَ الشَّيْخُ زَكِيُّ الدِّيْنِ عَبْدُ الْعَظِيْمِ الْمُنْذِرِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ حَوَاشِي السُّنَنِ.

''یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ کعب بن اشرف دھوکہ سے قتل کیا گیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے یہی بات سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کہی تو سیدنا علی علیہ السلام کے حکم سے اُس کی گردن اُڑادی گئی۔ یہ بات امام زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابی داود کے حاشیہ میں بیان فرمائی ہے''۔

(السیف المسلول علی من سب الرسول ص۳۰۲)

ہادی، مہدی اور سود؟

مہاجرین وانصار اور دوسرے اسلاف کرام رضی اللہ عنہم مشکوکات اور مشتبہات سے بھی اجتناب فرماتے تھے مگر آپ حیران ہوں گے کہ جن کے بارے میں ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مُهْدِيًّا'' کی دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ کیا جاتا ہے اُن کے سامنے کسی چیز کے سود اور حرام ہونے کے متعلق صریح فرامینِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پیش کیے جاتے تو وہ تاویلات کرنے لگ جاتے۔ اس سلسلے میں ہم آپ کے سامنے کتبِ تاریخ سے نہیں بلکہ کتب حدیث سے چند شواہد پیش کر رہے ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ میں ملک شام میں لوگوں کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابوالاشعث تشریف لائے، لوگ کہنے لگے: ابوالاشعث، ابوالاشعث، یہاں تک کہ وہ بیٹھ گئے تو میں نے اُنہیں عرض کیا: اے ہمارے بھائی: آپ ہمیں عبادہ بن صامت کی حدیث بیان فرمائیں۔ اُنہوں نے کہا: ہاں: ہم نے ایک جہاد کیا جس میں معاویہ لوگوں کے امیر تھے، سو ہمیں بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا، اُس میں ایک چاندی کا برتن بھی تھا، جناب معاویہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں میں اُن کی تنخواہ کے عوض فروخت کردو، لوگ اُس کو خریدنے میں جلدی کرنے لگے۔ یہ خبر حضرت عبادہ بن صامت ﷺ کو پہنچی تو وہ کھڑے ہوکر فرمانے لگے:

إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ ، وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ ، وَالشَّعِيْرِ بِالشَّعِيْرِ ، وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ ، عَيْنًا بِعَيْنٍ ، فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبٰى ، فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوْا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ : أَلَا مَا بَالُ رِجَالٍ يَتَحَدَّثُوْنَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَحَادِيْثَ ، قَدْ كُنَّا نَشْهَدُهُ وَنَصْحَبُهُ فَلَمْ نَسْمَعْهَا مِنْهُ ، فَقَامَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَأَعَادَ الْقِصَّةَ ، ثُمَّ قَالَ: لَنُحَدِّثَنَّ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنْ كَرِهَ مُعَاوِيَةُ ، أَوْقَالَ: وَإِنْ رَغِمَ ، مَا أُبَالِيْ أَنْ لَا أَصْحَبَهُ فِيْ جُنْدِهِ لَيْلَةً سَوْدَاءَ.

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: آپ نے سونے کو سونے، چاندی کو چاندی، گندم کو گندم، جو کو جو، کھجور کو کھجور اور نمک کو نمک کے بدلے بیچنے سے منع کیا مگر برابر برابر اور نقد بانقد۔ سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو وہ سود کا مرتکب ہوا۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے جو کچھ لیا تھا سب کا سب واپس کردیا۔ اس کی اطلاع معاویہ کو پہنچی تو وہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنا شروع کردیتے ہیں؟ ہم نے بھی آپ کا مشاہدہ کیا ہے اور آپ کی صحبت میں رہے ہیں لیکن ہم نے آپ سے یہ احادیث نہیں سنیں۔ اس پر سیدنا عبادہ ﷺ نے کھڑے ہوکر دوبارہ اُسی حدیث کا اعادہ کیا، پھر فرمایا: ہم ضرور بالضرور وہ احادیث بیان کریں گے جو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں، اگرچہ وہ معاویہ کو ناپسند ہوں یا فرمایا کہ اس کی رسوائی ہو۔ مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں

اس کے لشکر کی سیاہ رات میں نہ رہوں"۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الصرف وبیع الذہب بالورق نقداً، ص ٧٤٤، حدیث ١٥٨٧)

جہالتِ حاکم

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے پر "فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا" (لوگوں نے جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا) کی تشریح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يَدُلُّ عَلٰى فَسْخِ هٰذِهِ الْبُيُوْعِ الْفَاسِدَةِ.

"واپس کرنے کا یہ عمل اُس فاسد خرید وفروخت کے فسخ پر دلالت کرتا ہے"۔

(إكمال المعلم ج٥ ص٢٦٨)

نووی اسی جملہ کے تحت لکھتے ہیں:

هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْبَيْعَ الْمَذْكُوْرَ بَاطِلٌ.

"یہ مذکورہ خرید وفروخت کے باطل ہونے کی دلیل ہے"۔

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج١١ ص١٩)

اولاً لوگوں نے جو اُس برتن کو خریدنے میں جلدی کی، اس پر امام ابو العباس قرطبی لکھتے ہیں:

وَهُوَ يَدُلُّ عَلٰى أَقَلِيَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَأَنَّ الْأَكْثَرَ الْجُهَّالُ، أَلَا تَرٰى مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَدْ جَهِلَ ذٰلِكَ مَعَ صُحْبَتِهٖ، وَكَوْنِهٖ مِنْ كُتَّابِ الْوَحْيِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يُّقَالَ: إِنَّ مُعَاوِيَةَ كَانَ لَا يَرٰى رِبَا الْفَضْلِ كَابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ. وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ مِنْ مَسَاقِ هٰذَا الْخَبَرِ. فَتَأَمَّلْ نَصَّهٗ، فَإِنَّهٗ صَرِيْحٌ فِيْ أَنَّ مُعَاوِيَةَ لَمْ يَكُنْ عَلِمَ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ.

"یہ جلد بازی علماء کی قلت اور جہلاء کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، کیا تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھتے کہ وہ صحابی اور کاتبانِ وحی میں سے ہونے کے باوجود اس مسئلہ سے جاہل رہے۔ احتمال ہے کہ یہاں یہ کہا جائے کہ معاویہ ربا الفضل میں سود نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ ابن عباس

وغیرہ، لیکن پہلا قول حدیث کے متن کی رو سے زیادہ ظاہر ہے، لہٰذا تم بھی اس نص میں غور کرو کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ معاویہ کو اس سلسلے میں کچھ بھی علم نہیں تھا''۔

(المفهم لأبي العباس القرطبي ج٤ ص٤٧٣)

معاویہ نے جو یہ کہا کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے اور آپ سے احادیث سنیں لیکن ہم نے آپ ﷺ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس پر اہل حدیث عالم صفی الرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں:

لٰكِنْ عَدَمُ سِمَاعِهٖ لَهَا لَيْسَ بِدَلِيْلٍ عَلٰى عَدَمِ صُدُوْرِهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَكَمْ صَدَرَ مِنْهُ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْفِعْلٍ لَمْ يَشْهَدْهُ مُعَاوِيَةُ وَلَمْ يَرَهُ وَلَمْ يَسْمَعْهُ.

''معاویہ کا حضور ﷺ سے اس حدیث کا عدم سماع اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صادر ہی نہیں ہوئی۔ بہت کچھ آپ ﷺ سے قول وفعل کی صورت میں صادر ہوا جبکہ معاویہ اُس وقت حاضر تھا، نہ اُس نے آپ کو دیکھا تھا اور نہ ہی آپ کو سنا تھا''۔

(منة المنعم في شرح صحيح مسلم، ج٣ ص٥٧)

زیادہ ہدایت پر کون، ھادی مہدی یا رعایا؟

اس سے معلوم ہوا کہ اُس باطل خرید وفروخت کے وقت لوگوں نے ''هَادِيًا مَّهْدِيًا وَاهْدِ بِهٖ'' کی ہدایت پر نہیں بلکہ سیدنا عبادہ بن صامت ﷛ کی پیش کردہ حدیث پر عمل کیا، اس سے واضح ہوا کہ معاویہ کی رعایا کے کچھ لوگ اُن سے زیادہ ہدایت پر تھے اور سیدنا عبادہ بن صامت انصاری ﷛ بھی رعایا میں سے ایک تھے۔

کیا وہ جلیل القدر علماء میں سے تھے؟

صحیح مسلم کی اِس حدیث سے ''اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ'' (اے اللہ! معاویہ کو قرآن سکھادے) کا بطلان بھی واضح ہوگیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ جلیل القدر علماء میں سے نہیں تھے بلکہ دوسرے حضرات اُن سے بڑے عالم تھے۔

بعض زائغین یا دافعین نے دفاع کرتے ہوئے کئی ٹامک ٹوئیاں کھائی ہیں۔ کسی نے کہا: وہ اس صورت میں سود نہیں سمجھتے تھے۔ گویا یہ کہہ کر ایسے لوگ اُنہیں منصب اجتہاد پر دِکھلانا چاہتے ہیں۔ کسی نے کہا: وہ پہلے اس حدیث کو جانتے نہیں تھے۔ میں کہتا ہوں: اگر وہ نہیں جانتے تھے اور یقیناً نہیں جانتے تھے تو پھر اُنہیں چاہیۓ تھا کہ

وہ لوگوں کو کہتے کہ فی الحال رک جاؤ! ایک حدیث سامنے آئی ہے جس میں مجھے شک ہے، تحقیق کر لیتے ہیں، بعداز تحقیق دیکھا جائے گا کہ کس پہلو پر عمل کیا جائے۔ لیکن اُنہیں یہ توفیق حاصل نہیں تھی، اگر چہ اُن کے حلم کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے مگر یہاں اُن کا حلم جواب دے گیا اور اُنہوں نے بلاتامل السابقون الاولون میں سے ایک نقیب انصاری صحابی کی تکذیب کر ڈالی اور حدیث نبوی ﷺ کی پروا بھی نہ کی۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت ﷺ نے حدیث پیش کی تو معاویہ نے کہا:

إِنَّ هٰذَا لَا يَقُوْلُ شَيْئًا لِعُبَادَةَ . فَقَالَ عُبَادَةُ : إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أُبَالِيْ أَنْ لَا أَكُوْنَ بِأَرْضٍ يَكُوْنُ فِيهَا مُعَاوِيَةُ ، أَشْهَدُ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ذٰلِكَ.

''رسول اللہ ﷺ نے یہ بات عبادہ کو نہیں کہی۔ اس پر سیدنا عبادہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم مجھے پروا نہیں کہ میں اس زمین میں نہ رہوں جہاں معاویہ ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا''۔

(مسند أحمد ج١٦ ص٤٠٣ حديث ٢٢٦٢٢؛ سنن النسائي المجتبىٰ ج٧ ص٢٧٥، وط: ج٤ ص٣١٩ حديث ٤٥٨٠؛ السنن الكبرى للبيهقي ج٥ ص٢٧٨، وط: ج٥ ص٤٥٦ حديث ١٠٤٨٤)

ایک اور مقام پر ہے کہ معاویہ نے سیدنا عبادہ ﷺ کو کہا:

اُسْكُتْ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَلَا تَذْكُرْهُ ، فَقَالَ لَهُ عُبَادَةُ : بَلٰى ، وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ مُعَاوِيَةَ.

''اس حدیث کے بیان سے خاموشی اختیار کر، اس پر سیدنا عبادہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! ہم بیان کریں گے اگر چہ معاویہ کی رسوائی ہو''۔

(تاريخ دمشق ج٢٦ ص١٩٩؛ تكملة فتح الملهم ج١ ص٥٥٦)

ہادی مہدی اور حدیث پر ذاتی رائے کو ترجیح

ایسی احادیث پر امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قولِ معاویہ کا بطلان واضح کیا ہے، اور جو اُنہوں نے دعویٰ کیا: ''**قَدْ كُنَّا نَشْهَدُهُ وَنَصْحَبُهُ فَلَمْ نَسْمَعْهَا مِنْهُ**'' (ہم نے بھی حضور ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت میں رہے ہیں لیکن ہم نے آپ سے یہ بات نہیں سنی) اس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

هٰذَا دَلِيلٌ بِعَدَمِ الْعِلْمِ عَلٰى عَدَمِ الشَّيْءِ ، وَهُوَ بَاطِلٌ بِاتِّفَاقِ الْعُقَلَاءِ، فَالِاسْتِدْلَالُ بِمِثْلِهِ عَجِيبٌ ، وَالْعَجِيبُ أَنَّهُ وَقَعَ مِنْهُ مِثْلُهُ مَرَّةً ثَانِيَةً كَمَا رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأِ فِي قِصَّتِهِ مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، فَإِنَّهُ رَوٰى عِنْدَهُ حَدِيثُ الرِّبَا فَقَالَ : لٰكِنِّي أَرَاهُ جَائِزاً ، أَوْ نَحْوَهُ ، فَقَابَلَ الْحَدِيثَ بِمُجَرَّدِ الرَّأْيِ ، وَكُلُّ ذٰلِكَ خَطَأٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَهُ.

''یہ کسی چیز کے علم نہ ہونے پر اُس چیز کے عدمِ وجود کی دلیل ہے، اور یہ باتفاقِ اہلِ عقل باطل ہے۔ اس جیسے استدلال پر تعجب ہے، مزید تعجب یہ ہے کہ اُن سے ایسا دو مرتبہ ہوا جیسا کہ موطأ میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کا واقعہ ہوا، اُنہوں نے ان کے سامنے حدیثِ ربا کی پیش کی تو وہ کہنے لگے: لیکن میں اس کو جائز سمجھتا ہوں، یا اس جیسا کوئی کلمہ کہا۔ پس حدیث کے مقابلہ میں محض رائے پیش کر دی اور یہ سب خطا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اور اُن کی مغفرت فرمائے''۔

(حاشية السندي علىٰ صحيح مسلم ص٤٨٨)

حدیثِ نبوی ﷺ پر عظیم جرأت

جو لوگ کہتے ہیں: ''بے خطا و بے گناہ، حضرت معاویہ'' کیا وہ یہ بتلانا پسند کریں گے کہ فرمانِ نبوی ﷺ پر ذاتی رائے کو ترجیح دینا اور صحابی کو بیانِ حدیث سے روکنا کس کھاتے میں جائے گا؟ امام سندھی نے تو ایک سے زائد مرتبہ اِس واقعہ کو اور اُس میں پیش کردہ تاویلات کو'' وَكُلُّ ذٰلِكَ خَطَأٌ'' کے الفاظ سے خطا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو غریب اہلِ سنت جانتے ہوئے اُن کے قول پر دھیان نہ دیں، لہٰذا امیر اہلِ سنت ضرور ارشاد فرمائیں کہ اُن کا اِس مسئلہ میں کیا موقف ہے؟ مجھ ایسے عامۃ الناس اِس مسئلہ میں کیا کریں؟ آیا موضوع حدیث ''أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ'' پر نظر کرتے ہوئے اُن کے ممدوح اور مجتہد کی ذاتی رائے پر عمل کریں یا حدیثِ نبوی ﷺ پر؟ اگر امیر اہلِ سنت فیضانِ مدینہ یعنی حدیث نبوی ﷺ پر عمل کرنے کا حکم فرمائیں تو ساتھ ہی یہ وضاحت ضرور فرما دیں کہ اِس مسئلہ میں ''فیضانِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کو کس کھاتہ میں ڈالا جائے؟ امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے تو غریب اہلِ سنت ہونے کے باوجود حق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِس مسئلہ میں ''فیضانِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:

فَهٰذَا (فهذه) جُرْأَةٌ عَظِيمَةٌ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَهُ.

''یہ بڑی بے باکی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اور اُن کی مغفرت فرمائے''۔

(زهرالربی شرح سنن النسائي المجتبیٰ ج۷ص۲۷۵،وط: ج٤ص۳۱۷حديث ٤٥٧٦)

لیکن چونکہ وہ غریب اہل سنت تھے، لہٰذا ہم اِس مسئلہ میں امیر اہل سنت کے قول کے منتظر رہیں گے۔

اس جرأت پر بعض محدثین کا باب قائم کرنا

اس سلسلے میں ایک حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی آئی ہے اور اس پر یوں باب قائم کیا گیا ہے "بَابُ تَعْظِيمِ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالتَّغْلِيْظِ عَلٰى مَنْ عَارَضَهُ" (رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت اور جو شخص حدیث کی مخالفت کرے اُس پر غصہ کرنے کا باب) امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے صحابی نقیب الانصار سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں معاویہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ سونے کے ٹکڑوں کو دیناروں اور چاندی کے ٹکڑوں کو درہموں کے بدلے میں خرید وفروخت کررہے ہیں تو فرمایا: لوگو! تم سود کھارہے ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: سونا سونے کے بدلے میں برابر بیچو، اُس میں کوئی کمی اور زیادتی ہو اور نہ ہی ادھار ہو۔ اس پر معاویہ نے کہا: اے ابوالولید! میں اس میں سود نہیں سمجھتا الا یہ کہ ادھار ہو۔ اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ رَأْيِكَ، لَئِنْ أَخْرَجَنِي اللّٰهُ لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ لَكَ عَلَيَّ فِيْهَا إِمْرَةٌ، فَلَمَّا قَفَلَ لَحِقَ بِالْمَدِيْنَةِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَا أَقْدَمَكَ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ؟ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ وَمَا قَالَ مِنْ مُسَاكَنَتِهِ، فَقَالَ: اِرْجِعْ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ! إِلٰى أَرْضِكَ، فَقَبَّحَ اللّٰهُ أَرْضًا لَسْتَ فِيْهَا وَأَمْثَالُكَ، وَكَتَبَ إِلٰى مُعَاوِيَةَ: لَا إِمْرَةَ لَكَ عَلَيْهِ، وَاحْمِلِ النَّاسَ عَلٰى مَا قَالَ، فَإِنَّهُ هُوَ الْأَمْرُ.

میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم مجھے اپنی رائے پیش کرتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے نکلنے کا موقعہ دے تو میں اُس زمین میں نہیں رہوں گا جہاں مجھ پر

تمہاری حکومت ہو، پھر وہ لوٹے تو مدینہ منورہ چلے گئے۔ سیدنا عمر بن خطاب ﷺ نے اُن سے پوچھا: ابوالولید آپ کیوں واپس آئے؟ اُنہوں نے پورا قصہ بیان کیا اور اپنے وہاں نہ رہنے کی وجہ بھی بتائی تو سیدنا عمر ﷺ نے فرمایا: اے ابوالولید آپ اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ جایئے! خدا اُس زمین کو خراب کرے جہاں آپ اور آپ جیسے حضرات نہ ہوں، اور معاویہ کی طرف لکھ بھیجا کہ ان پر تمہاری کوئی حکومت نہیں اور لوگوں کو اسی مسئلہ پر گامزن کرو جو اُنہوں (عبادہ) نے بیان کیا، کیونکہ یہی حق ہے''۔

(سنن ابن ماجه ص١٦ حديث ١٨)

معاویہ کو ٹوکنے کا ایسا ایک واقعہ سیدنا ابوالدرداء انصاری ﷺ سے بھی منقول ہے، جیسا کہ امام سندھی نے فرمایا، اُس میں بھی ہے کہ اُنہوں نے معاویہ کو فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا ، إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ.

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ نے اس طرح کی خرید وفروخت سے روکا تھا، مگر ایک ہی جنس دوسری جنس کے برابر برابر''۔

اس پر معاویہ نے کہا:

مَا أَرٰى بِمِثْلِ هٰذَا بَأْسًا.

''میں اس جیسی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں سمجھتا''۔

اس پر سیدنا ابوالدرداء ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يَعْذِرُنِيْ مِنْ مُعَاوِيَةَ ؟ أَنَا أُخْبِرُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيُخْبِرُنِيْ عَنْ رَأْيِهِ.

''معاویہ کے بارے میں مجھے کون معذور سمجھے گا؟ میں اُس کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے سناتا ہے''۔

سیدنا ابوالدرداء ﷺ نے بھی برہم ہو کر فرمایا: ''میں اُس زمین میں نہیں رہوں گا جہاں تو ہوگا''۔ پھر وہ بھی سیدنا عمر ﷺ کے پاس چلے گئے تو سیدنا عمر ﷺ نے اُن کی تائید فرمائی اور معاویہ کو خط لکھ بھیجا:

فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلٰى مُعَاوِيَةَ : أَنْ لَا تَبِيْعَ ذٰلِكَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَوَزْنًا بِوَزْنٍ.

''پھر سیدنا عمر بن خطاب ﷺ نے معاویہ کو خط لکھا کہ تو اس معاملہ میں خرید و فروخت مت کر مگر مثل در مثل برابر وزن کے ساتھ''۔

(الموطا للإمام مالك ج۳ ص ۳۹۱ حديث ۱٤٤۲؛ مسند الإمام الشافعي مع شرحه الشافي لابن الأثير الجزري ج٤ ص ۹۷؛ السنن للإمام الشافعي ج۱ ص ۳۱۸ حديث ۲۱۸؛ الرسالة للإمام الشافعي ص ٤٤٦ فقرة ۱۲۲۸؛ تهذيب الكمال ج۷ ص ۱٦٤، ۱٦٥)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابو الدرداء ﷺ کے حدیث نبوی ﷺ کے سنانے کا امیر شام پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ ذاتی رائے پر ڈٹے رہے تو سیدنا ابو الدرداء ﷺ دل برداشتہ ہو کر شام سے چلے گئے، حتیٰ کہ سیدنا عمر ﷺ کو معاویہ کی طرف خط لکھنا پڑا۔

علامہ ابو الولید الباجی المالکی سیدنا ابو الدرداء ﷺ کے الفاظ ''مَنْ يَعْذُرُنِيْ مِنْ مُعَاوِيَةَ، الخ'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

إِنْكَارٌ مِنْهُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ، التَّعَلُّقُ بِالرَّأْيِ يُخَالِفُ النَّصَّ، وَلَمْ يَحْمِلْ ذٰلِكَ مِنْ مُعَاوِيَةَ عَلَى التَّأْوِيْلِ، وَإِنَّمَا حَمَلَهُ مِنْهُ عَلٰى رَدِّ الْحَدِيْثِ بِالرَّأْيِ.

''یہ اُن کی طرف سے معاویہ پر نکیر ہے کہ اُس نے رائے سے نص کی مخالفت کی، اُنہوں نے اس کو معاویہ کی تاویل نہیں سمجھا بلکہ رائے سے حدیث کو مسترد کرنا سمجھا ہے''۔

(المنتقیٰ شرح موطأ ج٦ ص ۲۳٦)

ظاہر ہے کہ جو شخص روبرو ہو گفتگو کے اتار چڑھاؤ اور چہرے کے آثار [باڈی لینگویج] کا مشاہدہ کر رہا ہو وہی اندازہ کر سکتا ہے کہ سامنے والا شخص اُس کی پیش کردہ دلیل کو اہمیت دے رہا ہے یا نہیں، لہٰذا دوسرے لوگوں کی تاویلاتِ بعیدہ کی بنسبت اُسی کا مشاہدہ اور سمجھ ہی فائق ہو گی۔

جرأتِ عظیمہ یا آوازِ نبوی پر آواز؟

امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے جس بات کو ایک مقام پر خطا اور دوسرے مقام پر جرأتِ عظیمہ کہا ہے، اگر لگی لپٹی سے کام نہ لیا جائے اور کسی غیر نبی انسان کی عصمت کا تصور نہ کیا جائے تو پھر حدیثِ نبوی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو لانا محض جرأتِ عظیمہ نہیں بلکہ آوازِ نبوی ﷺ پر آواز بلند کرنا ہے۔ چنانچہ امیر شام و یزید کے عظیم وکیل

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

حُرْمَةُ النَّبِيِّ ﷺ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهِ حَيًّا، وَكَلَامُهُ الْمَأْثُورُ بَعْدَ مَوْتِهِ فِي الرِّفْعَةِ مِثْلُ كَلَامِهِ الْمَسْمُوْعِ مِنْ لَفْظِهِ، فَإِذَا قُرِئَ كَلَامُهُ وَجَبَ عَلٰى كُلِّ حَاضِرٍ أَلَّا يَرْفَعَ صَوْتَهُ عَلَيْهِ، وَلَايُعْرِضَ عَنْهُ، كَمَا كَانَ يَلْزِمُهُ ذٰلِكَ فِي مَجْلِسِهِ عِنْدَ تَلَفُّظِهِ بِهِ، وَقَدْ نَبَّهَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى دَوَامِ الْحُرْمَةِ الْمَذْكُوْرَةِ عَلٰى مُرُوْرِ الْأَزْمِنَةِ، بِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ وَكَلَامُ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ، وَلَهٗ مِنَ الْحُرْمَةِ مِثْلُ مَا لِلْقُرْآنِ.

''نبی کریم ﷺ کی عظمت بعداز وصال بھی آپ کی حیات کی طرح ہے اور آپ کی احادیث آپ کے وصال کے بعد رفعت میں اُسی کلام کی مانند ہیں جو آپ کے روبرو آپ کے الفاظ میں سنا گیا۔ سو جب آپ کا کلام پڑھا جائے تو ہر حاضر پر واجب ہے کہ اس پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور نہ اس سے روگردانی کرے، جیسا کہ آپ کی مجلس میں آپ کے کلام فرماتے وقت یہ ادب لازم تھا اور بیشک اللہ تعالیٰ نے کئی زمانے گزر جانے کے باوجود مذکورہ عظمت کے دوام پر تنبیہ فرمائی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿اور جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے﴾ اور نبی کریم ﷺ کا کلام وحی ہے اور اس کی وہی عظمت ہے جو قرآن مجید کی عظمت ہے''۔

(أحكام القرآن لابن العربي المالكي ج٤ ص١٤٦؛ تفسير القرطبي ج١٦ ص٢٠٢؛ الجواهر الحسان ج٣ ص٢١١؛ المواهب اللدنية ج٢ ص٣٠١، ٣٠٢؛ التفسير المنير ج٢٦ ص١٤٦)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَإِذَا كَانَ رَفْعُ الْأَصْوَاتِ فَوْقَ صَوْتِهٖ مُوْجِبًا لِحُبُوْطِ الْأَعْمَالِ، فَمَا الظَّنُّ بِرَفْعِ الْآرَاءِ وَنَتَائِجِ الْأَفْكَارِ عَلٰى سُنَّتِهٖ وَمَا جَاءَ بِهٖ؟.

''اور جب آوازوں کا آپ کی آواز پر بلند کرنا اعمال کی بربادی کا موجب ہے تو پھر آراء اور نظریات کو آپ کی احادیث اور قرآن پر ترجیح دینے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''۔

(المواهب اللدنية ج٢ ص٣٥٨)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہر مومن و مسلم کو ہمیشہ ایمان و اسلام پر قائم و دائم رکھے اور حبطِ اعمال سے محفوظ رکھے۔ آمین! ثم آمین!

کیا اجتماعِ بدعت و ھدایت ممکن ہے؟

علماء کرام نے حدیث کے مقابلہ میں ذاتی رائے کو بدعت شمار کیا ہے بلکہ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت کے منافی ہر عمل کو بدعت اور مردود قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ''أَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ'' (حسین ترین ھدایت، ہدایتِ محمدی ﷺ ہے) سو اگر امیر شام کے حق میں پیش کی جانے والی حدیث ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ'' موضوع نہ ہوتی اور اُن کے حق میں واقعی ایسی جامع دعا مانگی گئی ہوتی تو پھر اُن کا سرِ مو بھی ہدایتِ نبوی ﷺ سے ہٹ کر بدعت کی طرف جانا کیونکر ممکن ہوتا؟ علماء کرام نے اِس اقدامِ معاویہ کو بدعت کہا ہے اور اِس بدعتی سے قطع تعلق اور ترکِ کلام کی دلیل حاصل کی ہے۔ چنانچہ امام ابن عبد البر اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کی تشریح میں بدعتِ معاویہ اور اُس پر سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی برہمی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَصُدُوْرُ الْعُلَمَاءِ تَضِيْقُ عِنْدَ مِثْلِ هٰذَا، وَهُوَ عِنْدَهُمْ عَظِيْمٌ رَدُّ السُّنَنِ بِالرَّأْيِ، قَالَ: وَجَائِزٌ لِلْمَرْءِ أَنْ يَهْجُرَ مَنْ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ وَلَمْ يُطِعْهُ، وَلَيْسَ هٰذَا مِنَ الْهِجْرَةِ الْمَكْرُوْهَةِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ النَّاسَ أَنْ لَا يُكَلِّمُوْا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوْكٍ، قَالَ: وَهٰذَا أَصْلٌ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ فِيْ مُجَانَبَةِ مَنِ ابْتَدَعَ وَهِجْرَتِهِ وَقَطْعِ الْكَلَامِ عَنْهُ، وَقَدْ رَأٰى ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَجُلًا يَضْحَكُ فِيْ جَنَازَةٍ فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا.

''اس جیسی باتوں پر علماء کے سینے تنگ ہو جاتے ہیں، اُن کے نزدیک یہ معاملہ عظیم ہے کہ سنت کو ذاتی رائے سے رَد کیا جائے۔ اُنہوں نے فرمایا: انسان کے لیے جائز ہے کہ جو اُس کی حق بات سنے اور نہ ہی مانے تو وہ اُسے خیر باد کہہ دے، اور یہ قطع تعلق ناپسندیدہ باتوں میں سے نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ کعب بن مالک سے کلام نہ کریں۔ اُنہوں نے فرمایا: علماء کے نزدیک یہ حدیث

بدعتی شخص سے کنارہ کشی، اُس سے دوری اور اُس کے ساتھ بول چال ختم کرنے کی اصل ہے۔
سیدنا ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو جنازہ میں ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ کبھی بھی کلام نہیں کروں گا"۔

(التمهيد لابن عبدالبر ج٤ ص٨٦، ٨٧؛ تنوير الحوالك للسيوطي ج٢ ص١٣٦؛ أوجز المسالك للزكريا كاندهلوي ج١٢ ص٥٤٠)

بولیے! اگر واقعی کسی شخص کے حق میں ھادی، مھدی اور "وَاهْدِ بِهِ" جیسے الفاظ میں دعا ثابت ہو تو اُس سے یہ حرکت سرزد ہو سکتی ہے کہ وہ ذاتی رائے سے سنت کو مسترد کرتے ہوئے کہے: "مَا أَرىٰ بِمِثْلِ هٰذَا بَأْسًا" (میں اس جیسے معاملہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتا) اگر ایسی دعا کے مصداق سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی تو پھر جس سے سنت کو مسترد کرنے کی حرکت سرزد ہوگئی اُس کے بارے میں "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ" کی صحت پر ضد چھوڑ دیجیے اور اپنے آقا ﷺ کی عظمت کا خیال کیجیے، ورنہ لازم آئے گا کہ جس شخص کے حق میں آقاءِ دوعالم ﷺ نے یوں دعا فرمائی تھی: "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا......" وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کو مسترد کرتے ہوئے اُس پر اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دیتا تھا۔

بمقابلہ نصوصِ شرعیہ ذاتی رائے سے رجوع

سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے سامنے تو معاویہ نے نہ حدیث کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی کوئی لچک دکھائی، اگر وہ تھوڑی سی بھی لچک دکھاتے تو سیدنا عبادہؓ کو شام سے مدینہ منورہ نہ جانا پڑتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُنہوں نے سیدنا عمرؓ کے خط کے بعد رجوع کر لیا تھا یا اپنے ہی اجتہاد پر ڈٹے رہے تھے؟ اس پر اُن کا دفاع کرنے والے محدثین نے رجوع کا احتمال تو بیان کیا ہے لیکن کوئی بھی محدث نقلی ثبوت پیش نہیں کر سکا۔ ہمیں بھی اس رجوع یا عدم رجوع پر بات کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے، البتہ یہاں ہم یہ موازنہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اکابر صحابہ کرامؓ کے سامنے جب کوئی ایسی شرعی نص آتی جو پہلے اُن کے علم میں نہ ہوتی تو اُس پر اُن کا ردِ عمل کیا ہوتا تھا۔

ایسے حقائق و واقعات کو پیش کرنے سے قبل ہم کچھ تمہیدی گفتگو کرنا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ حق کی طرف رجوع کرنے کی ایسی سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے اور کیوں نصیب ہوتی ہے؟

شعائر اللہ کی تعظیم دل کا تقویٰ

اللہ تعالیٰ نے پہلے مقام پر قرآن مجید کے تعارف کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ یہ بلند رتبہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے، جبکہ دوسرے مقام پر متقی کی علامت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.

''اور جو تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تو یہ اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے''۔

(الحج: ۳۲)

دل کے اسی تقویٰ کو ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى.

''بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے''۔

(الحجرات: ۳)

چند سطور قبل ہم لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم جس طرح آپ کی ظاہری حیات میں ضروری تھی اُسی طرح بعد میں بھی ضروری ہے، اور آپ کے کلام کے سامنے آواز بلند کرنا اور اُس سے روگردانی کرنا اُسی طرح حرام ہے جس طرح آپ کی ظاہری حیات میں حرام تھا، لہٰذا اب ہم اس مسئلہ میں چند مثالیں ایسے لوگوں کی پیش کرتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا تھا۔

حق کی طرف رجوع کرنے کے دو طریقے

پیچھے آپ امام ابوالعباس قرطبی کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''ہوسکتا ہے کہ معاویہ ربا الفضل میں سود نہ سمجھتے ہوں، جیسا کہ ابن عباس وغیرہ''۔ پھر خود ہی اُنہوں نے معاویہ کے بارے میں اس احتمال کو مسترد کر دیا، تاہم اُن کا یہ کہنا درست ہے کہ پہلے ابن عباس وغیرہ ربا الفضل کو جائز سمجھتے تھے۔ لفظ ''وغیرہ'' سے اُن کا اشارہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات پہلے یہی موقف رکھتے تھے لیکن جونہی اُنہیں حدیث معلوم ہوئی تو اُنہوں نے کسی قسم کی لیت ولعل اور تردید و تکذیب کے فوراً رجوع کر لیا تھا۔ اس رجوع

کے سلسلے میں صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث میں آیا ہے:

''حضرت ابونضرہ نے سیدنا ابوسعید خدری ﷛ سے اس مسئلہ میں بات کی تو اُنہوں نے ربا الفضل کو ناجائز کہا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اُن کی بات نہ مانی اور اُن کے سامنے اِن دونوں (ابن عباس وابن عمر ﷛) کا موقف رکھا۔ اس پر ابوسعید خدری ﷛ نے اُن کے سامنے حدیث نبوی ﷺ پیش کی، پھر بعد میں اُن کی ملاقات ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو وہ اس سے رجوع کر چکے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں اُنہیں ابوالصہباء کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ بھی رجوع کر چکے ہیں''۔

(صحيح مسلم ملخصاص ٧٤٨ حديث ١٥٩٤)

دوسری کتب حدیث میں تفصیل آئی ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری ﷛ خود ابن عباس ﷛ کو ملے اور اُنہیں مکمل حدیث سنائی تو ابن عباس ﷛ نے فوراً رجوع کیا اور اُنہیں اِن الفاظ میں دعا دی:

جَزَاكَ اللّٰهُ يَا أَبَا سَعِيدٍ الْجَنَّةَ ، فَإِنَّكَ ذَكَّرْتَنِي أَمْرًا كُنْتُ نَسِيتُهُ ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ ، فَكَانَ يَنْهٰى عَنْهُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ.

''اے ابوسعید! اللہ تعالیٰ آپ کو جزا میں جنت عطا فرمائے، آپ نے مجھے ایسے امر کی طرف متوجہ کیا جس سے میں بے خبر تھا، میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اُسی کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں، اس کے بعد وہ خود بھی اس سود سے شدت سے منع کرتے تھے''۔

(المستدرك ج٢ ص٤٣، وط: ج٢ ص٤٩ حديث ٢٢٨٢)

اس حدیث میں لفظ ''ذَكَّرْتَنِي'' کا ترجمہ میں نے ''متوجہ کیا'' اور ''نَسِيتُ'' کا ترجمہ ''بے خبری'' سے اس لیے کیا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب ابوسعید خدری ﷛ نے اُن سے پوچھا کہ آپ جو فتوی دیتے ہیں، کیا اس سلسلے میں آپ کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل ہے؟ تو اُنہوں نے صاف کہا: نہیں، لیکن فرمایا: میں نے اسامہ بن زید سے سنا ہے کہ ربا فقط ادھار میں ہوتا ہے۔

(بخاري: حديث ٢١٧٦، ٢١٧٧؛ مسلم ص ٧٤٩ حديث ١٥٩٦)

ایک اور حدیث میں اس سے زیادہ وضاحت آئی ہے، چنانچہ ابوالجوزاء بیان کرتے ہیں:

''میں نے نو سال سیدنا ابن عباس ﷛ کی خدمت کی، ایک مرتبہ اُن سے ایک شخص نے

آ کر پوچھا کہ کیا ایک درہم کے بدلے میں دو درہم لینا جائز ہے؟اس پر ابن عباس ﷜ نے چیخ کرفرمایا: یہ شخص چاہتا ہے کہ میں اس کو سود کھلاؤں۔اس پر اُن کی مجلس کے حاضرین نے عرض کیا:

إِنَّا كُنَّا لَنَعْمَلُ هٰذَا بِفُتْيَاكَ ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : قَدْ كُنْتُ أُفْتِيْ بِذٰلِكَ حَتّٰى حَدَّثَنِيْ أَبُوْسَعِيْدٍ وَابْنُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْهُ ، فَأَنَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ.

''ہم تو آپ کے فتوی کی وجہ سے اس پرعمل کرتے رہے،اس پر ابن عباس ﷜ نے فرمایا: بیشک میں اس پر فتوی دیتا تھا یہاں تک کہ مجھے ابوسعید اور ابن عمر﷜ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے،لہٰذا اب میں بھی تمہیں اس سے منع کرتا ہوں''۔

(السنن الكبرى للبيهقي ج٥ ص ٢٨٢ ،وط: ج ١١ ص ٦٥ حديث ١٠٥٩٨)

امام طبرانی نے ایسی تصریحات پرمبنی متعدد احادیث نقل فرمائی ہیں:

(المعجم الكبير ج ١ ص ١٧٦، ١٧٧ ، حديث ٤٥٤، ٤٥٥، ٤٥٦، ٤٥٧، ٤٥٨، ٤٥٩)

کتبِ حدیث میں یہ تمام مقامات دیکھ لیے جائیں کسی بھی مقام پر آپ کو سیدنا ابن عباس و ابن عمر﷜ کی طرف سے ویسی لیت یعنی ''مَا أرٰى بِهَا بَأْسًا'' (میں اس میں حرج نہیں سمجھتا) وغیرہ تاویل نظر نہیں آئے گی جیسی معاویہ نے سیدنا عبادہ بن صامت﷜ کے سامنے کی تھی۔

حق کی طرف رجوع کرنے کا دوسرا طریقہ

ہدایت یافتہ حضرات میں السابقون الأولون حضرات کی سیرت کا ایک نمونہ تو وہ ہے جو اوپر ذکر ہوا،جبکہ دوسرا نمونہ یہ ہے کہ اگر اُن کے سامنے کوئی حدیث پیش کی جاتی اور اُنہیں اُس کے ماننے میں تأمل ہوتا تو وہ اُسے امیر شام کی طرح جھٹ پٹ مسترد نہیں کرتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ پہلے ہم اس کی تحقیق کریں گے پھر مانیں گے۔اس سلسلے میں ہمیں ایک مثال اُس دور کے استاذ اور شاگرد کے مباحثہ کی صورت میں ملتی ہے۔استاذ سیدنا زید بن ثابت انصاری﷜ ہیں اور شاگرد سیدنا ابن عباس مہاجر﷜ ہیں۔شاگرد نے اپنے استاذ کے برعکس فتویٰ دیا تو بعد از تحقیق اُستاذ نے اپنے شاگرد کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور اُن کے پیروکاروں نے بھی۔اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ سَأَلُوْا ابْنَ عَبَّاسٍ ﷜ عَنْ إِمْرَأَةٍ طَافَتْ ، ثُمَّ

حَاضَتْ ، قَالَ لَهُمْ : تَنفِرُ ، قَالُوا : لَا نَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَنَدعُ قَوْلَ زَيْدٍ ، قَالَ : إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِيْنَةَ فَسَلُوا ، فَقَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَسَئَلُوا ، فَكَانَ فِيمَنْ سَأَلُوا أُمُّ سُلَيْمٍ ، فَذَكَرَتْ حَدِيْثَ صَفِيَّةَ.

''عکرمہ کہتے ہیں: اہل مدینہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اُس خاتون کے بارے میں پوچھا جوطواف زیارت کر چکی ہو، پھر اُسے حیض آ جائے (تو کیا وہ طوافِ وداع کیے بغیر جاسکتی ہے؟) اُنہوں نے فرمایا: جاسکتی ہے۔لوگوں نے کہا: ہم حضرت زید کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول کو نہیں لیتے۔اُنہوں نے فرمایا: جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا، اُنہوں نے مدینہ پہنچ کر تحقیق کی، جن لوگوں سے اُنہوں نے تحقیق کی اُن میں سیدہ ام سلیم بھی تھیں، اُنہوں نے اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی''۔

(بخاري ص ٢٣٤ حديث ١٧٥٨)

حدیث صفیہ بخاری کی حدیث ۱۷۳۱ ہے، اُس میں ہے کہ:

''ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ایام لاحق ہو گئے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اِس نے تو ہمیں روک لیا۔عرض کیا گیا: یہ طوافِ زیارت کر چکی ہیں تو فرمایا: پھر نکل چلو۔شارحین حضرات نے فرمایا ہے: بعد میں جب سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تحقیق فرمائی اور اُن کے شاگرد یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ثابت ہوا تو اُنہوں نے ہنستے ہوئے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے شاگرد کو فرمایا:

الْحَدِيْثُ كَمَا حَدَّثْتَنِي.

''حدیث اُسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے بیان کی تھی''۔

(ملخصاً: فتح الباري ج٤ ص ٧٢١؛ عمدة القاري ج ١٠ ص ١٣٧، ١٣٨)

غور کیجیے! سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کس خندہ پیشانی سے اپنے شاگرد سے حدیث سن کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیا اور اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سالہا سال جس موقف پر قائم رہے جونہی اُنہیں اُن کے موقف کے خلاف حدیث پہنچی تو اُنہوں نے بھی دعائیں دیتے ہوئے رجوع کر لیا۔ایسے ہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رجوع کر لیا تھا۔اِن حضرات نے یہ نہ کہا کہ ہم بھی حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں لیکن ہم

نے تو ایسی کوئی حدیث نہیں سنی اور نہ ہی اُنہوں نے السابقون الاولون کی شان والے صحابی کو یہ کہا کہ آئندہ یہ حدیث مت بیان کرنا، غرضیکہ کسی قسم کی آئیں بائیں شائیں سے کام نہ لیا۔ اس پر نواب سید صدیق حسن خاں قنوجی لکھتے ہیں:

قُلْتُ وَهٰذَا هُوَ اللَّائِقُ بِرَفِيْعِ شَأْنِ هٰذَا الْبَحْرِ الْحِبْرِ، تَرْجَمَانُ الْقُرْآنِ، وَهٰكَذَا يَنْبَغِيْ لِكُلِّ إِنْسَانٍ يَتْرُكُ رَأْيَهُ وَرَأْيَ غَيْرِهِ إِلَى سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

''میں کہتا ہوں: یہی انداز بلند شان والے، علم کے سمندر اور ترجمانِ قرآن کے شایانِ شان ہے، اور ایسا ہی ہر انسان کو کرنا چاہیئے، اپنی اور دوسروں کی رائے کو ترک کر کے سنتِ نبوی ﷺ کو اپنانا چاہیئے''۔

(السراج الوهاج، ج٦ ص٤٨)

ذاتی مفاد کے خلاف حدیث سے روگردانی

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جو حدیث بعض طلقاء کے مفاد کے منافی ہوتی تو وہ اُس حدیث سے منہ پھیر لیتے تھے اور اگر کوئی شخص وہ حدیث بیان کرنے لگ جاتا تو وہ اُس پر غضبناک ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جنگ صفین میں جب اُنہی کے ساتھی حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ نے بغاوت کی وہ حدیث پیش کی جو خود اُن کے گروہ پر صادق آرہی تھی تو معاویہ غضب ناک ہو کر کہنے لگے:

أَلَا تُنْهٰى عَنَّا مَجْنُوْنَكَ [هٰذَا] يَا عَمْرُو؟

''اے عمرو! تم اپنے اس پاگل سے ہماری جان کیوں نہیں چھڑاتے؟''۔

(مسند أحمد ج٢ ص٢٠٦ حديث ٦٩٢٩؛ الطبقات لابن سعد ج٣ ص٢٣٤؛ البداية والنهاية ج٧ ص٤٥٨ وج٦ ص٣٢٠، وط: بتحقيق التركي ج١٠ ص٥٣٣)

بعض احادیث میں ہے کہ معاویہ نے حضرت عمرو بن العاص کو حدیث سنانے پر پاگل اور جھوٹا تک کہہ دیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

إِنَّكَ شَيْخٌ أَخْرَقُ وَلَا تَزَالُ تُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ وَأَنْتَ تَدْحَضُ فِيْ بَوْلِكَ.

''تو بڑھا بیوقوف ہے اور ہمیشہ حدیث بیان کرتا رہتا ہے، جبکہ تو اپنے ہی پیشاب میں پھسل جاتا ہے''۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۷ص ۴۶۰ وط: بتحقیق عبد اللہ الترکی ج ۱۰ ص ۵۳۶)

''خَرِقَ یَخْرَقُ'' کے معانی میں بیوقوف ہونا بھی آیا ہے اور جھوٹ بولنا بھی۔

(مصباح اللغات ص۱۹۸، ۱۹۹)

ایک اور مقام پر ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے والد کو حدیثِ نبوی یاد دِلائی اور حضرت عمرو بن العاص نے معاویہ کو کہا کہ سنو یہ عبداللہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو معاویہ نے کہا:

لَایَزَالُ یَاْتِیْنَا بِھَنَۃٍ بَعْدَ ھَنَۃٍ ، اَنَحْنُ قَتَلْنَاہُ؟

''وہ ایک کے بعد دوسری شرارت وفساد کی بات لاتا رہتا ہے، کیا ہم نے اس کو قتل کیا ہے؟''۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ص ۱۹۱ وط: ج۳ص ۱۳۵ وط: ج۳ص ۲۳۴؛ البدایۃ والنہایۃ ج۷ ص ۴۶۰ وج۶ص ۳۲۱)

امام ابن منظور افریقی نے '' ھَنَۃٌ '' کا معنی شر اور فساد کیا ہے۔

(لسان العرب ج۱۵ص ۱۵۰)

حضرت عمرو بن العاص معاویہ سے تقریباً دو سال قبل مسلمان ہوئے اور عبداللہ بن عمرو اپنے والد سے بھی پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ خود اندازہ فرمائیں احادیث پیش کرنے پر اپنے سے سابقین کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اور خود حدیث کو شرارت وفساد کی بات قرار دینا، ہدایت کی کون سی قسم ہے؟ میں پوچھتا ہوں: اگر ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا'' کی سند حسن ہے تو اس حدیث میں مذکور دعائے نبوی ﷺ کی مقبولیت کہاں گئی اور امیر شام نے سید الانبیاء ﷺ کی حسین ترین ہدایت کو شرارت اور فساد سے کیوں تعبیر کیا؟؟؟

ھادی، مہدی اور مالِ باطل

بعض طلقاء فقط سود ہی نہیں بلکہ دوسرے باطل طریقوں سے بھی مال کھاتے اور کھلاتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صحن کعبہ میں بیٹھے تھے اور لوگ اُن کے پاس جمع تھے۔ حضرت عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ فرماتے ہیں: میں بھی وہیں بیٹھ گیا۔ وہ خیر کی باتوں کی

تلقین اورشر سے بچنے کا حکم کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جب ایک خلیفہ کی بیعت ہو جائے اور دوسرا شخص خلافت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اُس دوسرے کی گردن اڑا دو۔ عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ کہتے ہیں:

فَدَنَوْتُ مِنْهُ وَقُلْتُ لَهُ أَنْشُدُكَ اللّٰهَ أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَأَهْوىٰ إِلىٰ أُذُنَيْهِ وَقَلْبِهِ بِيَدَيْهِ ، وَقَالَ : سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ ، فَقُلْتُ لَهُ : هٰذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا ، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ قَالَ: فَسَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ : أَطِعْهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَأَعْصِهِ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ.

''اس پر میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے قریب ہوا اور عرض کیا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے؟ حضرت عبداللہ نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنے دل میں اس کو یاد رکھا، میں نے ان سے کہا: یہ تمہارا عم زاد معاویہ ہے جو ہم کو حکم دیتا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھائیں اور ہم ایک دوسرے کو ناجائز قتل کریں، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں باہمی رضامندی سے تجارت مستثنیٰ ہے، اور تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے﴾[النساء: ۲۹] راوی نے کہا: پس حضرت عبداللہ بن عمرو کچھ دیر کے لیے خاموش رہے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اُس شخص کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اُس شخص کی نافرمانی کرو''۔

(صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب وجوب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء ،الأول فالأول، ص ۸۹٤، ۸۹٥ حديث ١٨٤٤؛ مسند أحمد بتحقيق الأرنؤوط ج ١١ ص ٤٧، ٤٨ حديث ٦٥٠٣، وص ٣٩٩، ٤٠٠ حديث ٦٧٩٣؛ المصنف لابن أبي شيبة بتحقيق محمد عوامة ج ٢١ ص ٢٣ حديث ٣٨٢٦٤؛ البداية والنهاية بتحقيق عبد الله التركي ج ٣ ص ٩٨، ٩٩ وج ١٩ ص ٨٩، ٩٠؛ سنن أبي داود ج ٤ ص ٢٨٩ حديث ٤٢٤٨)

دفاعِ معاویہ سے ابن عمروؓ کی عاجزی

سائل نے اُس وقت کے احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے جب سوال کیا تو چونکہ وہ واقعات کے عین مطابق تھا اس لیے حضرت عبداللہ بن عمروؓ اُسے مسترد نہ کر سکے، لہٰذا صحیح مسلم کی اس حدیث میں غور کر کے بتلایئے کہ ہادیت اور مہدیت اسی چیز کا نام ہے کہ لوگوں کو باطل طریقہ سے ایک دوسرے کے مال کھانے اور قتل کرنے کا حکم کیا جائے؟ حضرت عبداللہ بن عمروؓ تو معاویہ کی شان میں بنی ہوئی جعلی حدیث "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا" سے بے خبر تھے، ورنہ وہ کوئی تاویل کرتے ہوئے فرماتے کہ وہ ہادی اور مہدی تھے، لہٰذا اُن کے خلاف زبان درازی نہ کرو۔ آپ کے سامنے یہ جعلی حدیث موجود ہے، لہٰذا آپ بتایئے کہ اگر یہ حدیث موضوع نہیں تو پھر اس کی مقبولیت کہاں چلی گئی تھی کہ امیر شام ناحق قتل کرنے اور ایک دوسرے کا ناحق مال کھانے کا حکم کرنے لگ گئے؟ اگر آپ کے نزدیک یہ اُن کا اجتہاد ہو تو واضح فرمایئے کہ کونسے درجے کا اجتہاد ہے، سنگل اجر والا یا ڈبل اجر والا؟

حدیثِ مسلم سے تاریخ کی تائید

حضرت عبدالرحمان بن عبد رب الکعبہ نے جو کچھ بیان کیا وہ اُس دور کے ایسے واقعات تھے جن کے وہ خود شاہد تھے، اور ایسے ہی واقعات کو تاریخ کہا جاتا ہے۔ چونکہ سب کچھ اُن کے سامنے ہوا تھا اور ہو رہا تھا اِس لیے جونہی ابن عمروؓ کی زبان سے نکلی ہوئی حدیث کے الفاظ اُن کانوں سے ٹکرائے تو وہ اچھل کر حضرت ابن عمروؓ کے قریب آ گئے اور مذکورہ بالا چشم دید حقائق اُن کے سامنے رکھ دیے۔ علامہ نووی اور دوسرے شارحین اُن کے کلام کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> "اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ عبدالرحمان نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا کلام سنا جس میں اُنہوں نے بیان کیا جو شخص پہلے خلیفہ مقرر ہو چکا ہو اُس سے نزاع حرام ہے اور خلافت کے دوسرے مدعی کو قتل کر دیا جائے تو اُنہوں نے یقین کر لیا کہ معاویہ اِن امور کا مرتکب ہوا ہے، کیونکہ اُس نے سیدنا علیؓ سے لڑائی کی ہے، حالانکہ سیدنا علیؓ کی بیعت پہلے منعقد ہو چکی تھی، لہٰذا اُنہوں نے سمجھا کہ معاویہ کا اپنے لشکر اور متبعین پر سیدنا علیؓ کے خلاف جنگ وقتال میں خرچ کرنا باطل مال کھانا اور ناحق قتل کرنا ہے"۔

(المنهاج للنووي ج ١١ ص ٣٢٤؛ حاشية مسند أحمد ج ٤ ص ٣٠٥؛ السراج الوهاج للقنوجي ج ٧

ص ٢٦٥؛ منة المنعم للصفي الرحمان مبار كفوري ج٣ ص ٢٥٨؛ فتح المنعم للموسى شاهين لاشين ج٧ ص ٤٦٣)

بعض شارحینِ مسلم کی غلط فہمی

ایمان سے بتایئے! کیا حضرت عبدالرحمان نے غلط سمجھا تھا؟ کیا سیدنا علی ﷺ کے خلاف جنگی معاملات میں خرچ کرنا اور اُن کے خلاف اپنے متبعین کی وفاداریاں حاصل کرنے میں مال خرچ کرنا حلال تھا؟ ہرگز نہیں، لیکن حیرت ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اُلٹا اِس کلام کو معاویہ کے حق میں سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے واضح ہوا کہ قائل کی مراد یہ نہیں کہ معاویہ بیت المال میں خیانت کرتے تھے، العیاذ باللہ، یا وہ بغیر حق اور اجتہاد کے قتل کرتے تھے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، یقیناً اُن کے بارے میں وثوق کے ساتھ اِن میں سے کوئی بھی چیز ثابت نہیں ہے، وہ فضلاء صحابہ میں سے تھے ﷺ''۔

(تکملة فتح الملهم للتقي عثماني ج٣ ص ٢٨٠)

علامہ عثمانی صاحب سے گذارش ہے کہ امام نووی نے حضرت عبدالرحمان کے کلام کی تشریح فرمائی ہے تردید نہیں۔ بھلا جب اُن کے فہم وکلام کی تردید حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ نہیں کر سکے تو کوئی دوسرا شخص کس طرح کرسکتا ہے؟ باقی رہا عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ مال میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ میں پوچھتا ہوں: صحیح مسلم کے متن میں ''یَـأْمُـرُنَا أَنْ نَأْکُلَ أَمْوَالَنَا بَیْنَنَا بِالْبَاطِلِ'' کے الفاظ میں جو کچھ بیان ہوا ہے، کیا وہ ذکرِ امانت ہے؟ لیکن اگر اُن کی تسلی نہ ہورہی ہو تو ہم ایک آدھ مثال اور پیش کر دیتے ہیں۔ امیر شام کو مال اِس قدر مرغوب تھا کہ وہ اپنا حاکمانہ اختیار استعمال کرتے ہوئے مالِ غنیمت میں سے سونے اور چاندی کو تقسیم سے پہلے ہی اپنے لیے خاص کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

دستورِ دنیاداری یہ ہے کہ بادشاہوں کے ایسے احکام پر اکثر عمل ہو جاتا ہے تو معاملہ باہر نہیں آتا لیکن اگر کبھی بعض ایمان دار اور امانت دار حضرات ایسے احکامات پر عمل کرنے سے پرہیز کریں تو بات پبلک میں چلی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ متعدد کتب حدیث وسیر وغیرہ میں آیا ہے کہ زیاد ابن ابیہ جب معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا تو اُس نے خراسان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اُس کا سربراہ صحابیِ رسول سیدنا حَکَم بن عمرو غفاری ﷺ کو مقرر

کیا۔ اُنہوں نے خراسان کو فتح کرلیا اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔ زیاد نے اُنہیں ایک خط روانہ کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ اصْطَفِيَ لَهُ الصَّفْرَاءُ وَالْبَيْضَاءُ ، فَلاَ تُقْسَمُ بَيْنَ النَّاسِ ذَهَباً وَلَا فِضَّةً.

''امابعد، امیر المومنین نے میری طرف ایک خط لکھا ہے کہ سونا چاندی اُن کے لیے الگ کرلیا جائے، لہٰذا سونا چاندی مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے''۔

جواباً سیدنا حکم بن عمرو غفاری ﷛ نے اُس کی طرف یوں لکھ بھیجا:

''تمہارا خط مجھے پہنچ چکا ہے، تم نے اُس میں امیر المؤمنین کی کتاب (خط) کا ذکر کیا ہے، جبکہ میرے پاس امیر المومنین کی کتاب (خط) سے قبل اللہ کی کتاب موجود ہے، اور اللہ کی قسم! اگر زمین و آسمان کسی بندے کو کچلنے کے لیے باہم مل جائیں اور وہ بندہ خوفِ الٰہی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے، والسلام۔ پھر سیدنا حکم بن عمرو غفاری ﷛ نے لوگوں میں اعلان کرادیا کہ وہ مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرلیں۔ معاویہ نے چونکہ سیدنا حکم بن عمرو کو تقسیم کے متعلق ایک حکم کیا تھا، اُنہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو انہیں قید کردیا گیا اور وہ اسی قید ہی میں انتقال فرما گئے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب اُن کے پاس یہ خط پہنچا اور اُنہوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو اس موقع پر اُن کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے تھے:

''اے اللہ! اگر میرے لیے تیرے پاس کوئی خیر ہے تو مجھے اپنے پاس بلالے، پھر وہ اسی عرصہ میں خراسان کے علاقہ مَرْو میں انتقال فرما گئے''۔

(المستدرك قديم ج٣ص٤٤٢، وط: ج٣ص١٠٥ حديث ٥٨٦٩؛ الطبقات الكبرى لابن سعد ج٩ ص٢٨؛ تاريخ الطبري ج٤ص٢٧؛ الاستيعاب[قديم]ص٣٥٧، ٣٥٨؛ الكامل في التاريخ لابن أثير ج٣ص٣٢٤؛ أسد الغابة ج٢ص٥٢؛ معرفة الصحابة لأبي نعيم ج٢ص٧٠٨؛ المنتظم لابن الجوزي ج٥ص٢٣٠؛ صفة الصفوة ج١ص٦٧٢؛ تهذيب الكمال ج٧ص١٢٧؛ تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج٢ص٤١٦؛ سير أعلام النبلاء ج٢ص٤٧٤، ٤٧٥؛ شرح أدب القاضي لابن مازة حنفي ج

۱ ص ۱۳۰، ۱۳۲؛ حضرت علي اور قصاص عثمان ﷺ محمد عبد الرشيد نعماني ص ۳۱، ۳۲)

قارئین کرام کو ایک خاص مشورہ ہے کہ اگر وہ علامہ تقی عثمانی صاحب کی ایسی تمام تاویلاتِ باطلہ کی مہذب و مدلل تردید پڑھنا چاہیں تو جسٹس ریٹائرڈ ملک غلام علی کی تصنیف ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

اس مقام کی تشریح موسیٰ شاہین لاشین نے خوب کی ہے۔ وہ امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''گویا اُنہوں نے عبداللہ بن عمرو سے کہا: آپ ایک چیز کا حکم دے رہے ہیں اور ایک چیز سے ڈرا رہے ہیں، جس چیز کا آپ حکم دے رہے ہیں آپ کا چچازاد معاویہ اُس پر کاربند نہیں ہے اور جس چیز سے آپ ڈرا رہے ہیں اُس سے وہ اجتناب نہیں کر رہے''۔

(فتح المنعم ج۷ ص ٤٦٣)

صحیح مسلم کی زیرِ بحث حدیث میں ایک لفظ ''فَسَكَتَ سَاعَةً'' آیا ہے، اس سے مراد ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷺ سائل کے سوال پر کچھ دیر کے لیے خاموش رہے۔ اس کی تشریح میں شیخ موسیٰ شاہین لکھتے ہیں:

''تھوڑی سی دیر کے لیے خاموش رہے، سوچتے رہے کہ کیا جواب دیں؟ معاملہ سیاسی جواب کا متقاضی تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی راضی رہے اور وہ غضبِ معاویہ کا نشانہ بھی نہ بنیں''۔

(فتح المنعم ج۷ ص ٤٦٤)

امام ابو العباس قرطبی کی خدمت میں

امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ شاید اس مسئلہ میں حقائق سے آگاہ نہیں تھے، کیونکہ حضرت عبدالرحمان کی جس بات کو حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بھی مسترد نہ کر سکے اُسے امام موصوف نے مسترد کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَمَا ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَانِ عَنْ مُعَاوِيَةَ إِغْيَاءٌ فِي الْكَلَامِ عَلَى حَسْبِ ظَنِّهِ وَتَأْوِيلِهِ، وَ إِلَّا فَمُعَاوِيَةُ ﷺ لَمْ يُعْرَفْ مِنْ حَالِهِ، وَلَا مِنْ سِيْرَتِهِ شَيْءٌ مِمَّا قَالَهُ لَهُ.

''اور وہ جو عبدالرحمان نے معاویہ کے متعلق ذکر کیا ہے یہ اُن کے خیال وتاویل کے مطابق کلام میں زیادتی ہے، ورنہ معاویہ ﷺ کے حال وسیرت سے ایسی کوئی چیز نہیں جانی گئی جو

اُنہوں نے اُن کے بارے میں کہی''۔

(المفهم لأبي العباس القرطبي ج ٤ ص ٥٣)

یہ امام ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کی خوش فہمی ہے، ورنہ معاویہ کے ایسے احوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ گذشتہ صفحات میں بسر بن ابی ارطاۃ کے جو مظالم بیان کیے گئے وہ سب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی اُن کے متبعین ومحبین پر ڈھائے گئے تھے، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن میں اُنہیں قتل کیا گیا، اُن کے نابالغ بچوں کو ذبح کیا گیا، اُن کا مال لوٹا گیا اور اُن کی خواتین کو لونڈی بنا کر بازار میں فروخت کے لیے کھڑا کیا گیا۔ یہی وہ تاریخی حقائق ہیں جو حضرت عبدالرحمان بن عبدرب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھے تو وہ انہیں مسترد نہ کر سکے۔ یہ احوال اگر فقط تاریخ کی کسی کتاب میں ہوتے تو اُنہیں تاریخ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا، اب چونکہ اِن احوال کا تذکرہ صحیح مسلم میں آ گیا ہے تو تاویلات کا شروع ہو گئیں۔ عجب تماشا ہے کہ تین باتوں کو تو حقوقِ معاویہ کا درجہ دے دیا گیا ہے:

۱۔ اُن کے مظالم وغیرہ کا ذکر کتب تاریخ میں ہو تو تاریخ غیر معتبر

۲۔ اگر معتبر کتب حدیث میں ہو تو خطائے اجتہادی

۳۔ ورنہ تاویل اور سکوت!

شامیوں کی چستی اور عراقیوں کی سستی کا راز

صحیح مسلم کی زیر بحث حدیث سے یہ راز بھی آشکار ہو گیا کہ شامی فوج چست اور عراقی فوج سست کیوں تھی؟ شامی فوج کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبعین کی آبادیوں پر چڑھائی کے لیے بھیجا جاتا تھا تو اُنہیں وہاں سے بھی مالِ غنیمت اور لونڈیاں ہاتھ آتی تھیں، جیسا کہ آپ بسر بن ابی ارطاۃ کے حالات میں پڑھ چکے ہیں۔ نیز حافظ ابن کثیر اور علامہ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو حالات نے بہت مکدر کر دیا تھا، اُن کی فوج میں بے راہ روی تھی، اہل عراق نے اُن کی مخالفت شروع کر دی تھی، اُن کے ساتھ تعاون سے کترا رہے تھے، اُدھر شامیوں کی قوت زور پکڑ چکی تھی، اب وہ دائیں بائیں حملے کرتے اور لوٹ مار مچا رہے تھے''۔

(البداية والنهاية ج٧ ص ٣٢٤، مكتبة المعارف؛ المرتضى لأبي الحسن ندوي ص٢٧٨، ٢٧٠)

سیدنا علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنی فوج کی سستی پر اُنہیں تنبیہ کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی تھی اُس میں بھی ذکر ہے کہ شامی فوج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنر حسان بن حسان کو قتل کیا اور مسلمانوں کے مال کو لوٹا۔ سیدنا علی علیہ السلام کے طویل خطاب سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے! اُنہوں نے دورانِ خطاب فرمایا:

''قبیلہ غامد کے آدمی کی فوج نے ''الأنبـــار'' پر چڑھائی کی، اس کے گورنر حسان بن حسان کو قتل کر دیا، اُن کے ساتھ بہتیرے مردوں اور عورتوں کو ہلاک کیا، ایک سپاہی گھر میں گھس کر مسلمان خاتون یا ذمّی خاندان کی عورت کے کان سے اُس کی بالیاں اور پیروں سے اُس کے پازیب اُتار کر اطمینان سے چلا جاتا ہے، اور یہ سب فوجی لوٹ کے مال بھرے ہوئے اس طرح واپس جاتے ہیں کہ کسی کو ایک خراش بھی نہیں لگتی''۔

(الكامل في اللغة والأدب لابن المبرد ج١ ص٦٧، ٦٨؛ المرتضىٰ لابي الحسن ندوي ص٢٧٧)

مطلب یہ ہے کہ دنیوی لحاظ سے شامی فوجیوں کی پانچوں گھی میں تھیں، وہ کفار پر حملہ کرتے تب بھی مال ہاتھ آتا اور مولیٰ علی علیہ السلام کے محبین و متبعین پر حملے کرتے تب بھی مال سمیٹتے، لیکن دوسری طرف سیدنا علی علیہ السلام کا سخت حکم تھا کہ مسلمان باغیوں کا نہ مال لیا جائے گا اور نہ ہی اُن کے مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا جائے گا۔ اس وجہ سے عراقی لوگ سست پڑ گئے تھے۔ مال کی ضرورت کس کو نہیں ہوتی۔ ذرا سوچئے کہ غزوۂ اُحد میں اوّلین ہزیمت کا سبب دنیوی لالچ کے علاوہ کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صاف صاف فرما دیا تھا۔

مِنكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ.

''تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا''۔

(آل عمران:١٥٢)

اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم فوجیوں کے جذبہ میں خود ظاہری حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی ضعف آ گیا تھا۔ چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۵ میں فرمایا گیا کہ تم میں سے بیس افراد دو سو لوگوں پر غالب رہیں گے اور آیت نمبر ۶۶ میں فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے تم میں ضعف جان لیا، لہٰذا اب تم میں سے ایک سو افراد دو سو لوگوں پر اور ایک ہزار افراد دو ہزار لوگوں پر غالب آئیں گے۔ خود ہی سوچئے کہ بعد میں یہ ضعف کتنا بڑھا ہوگا؟ سیدنا علی علیہ السلام کے بھوکے سپاہی مسلم باغیوں کے خلاف بغیر مال پانی کے آخر کب تک لڑتے؟ اُن کی ہمتیں پست ہو گئیں اور دوسری طرف کے فوجیوں کو چونکہ ہر صورت میں مال پانی حاصل ہوتا تھا اِس لیے اُنہوں نے حق و باطل

کی تمیز کیے بغیر خوب لڑائی کی، بلکہ اُن میں سے اکثریت نے معاویہ کا ساتھ ہی اس لیے دیا تھا کہ اُنہیں دنیوی مستقبل کے سہانے خواب دکھائے گئے تھے۔ بطورِ نمونہ فقط ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ علامہ بلاذری اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

الْمَدَائِنِيُّ عَنْ مَسْلَمَةَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنْ وَلَدِ أُمَيَّةَ بْنِ خَلَفِ الْجُمَحِيُّ، لِمُعَاوِيَةَ: إِنَّا تَرَكْنَا الْحَقَّ وَعَلِيٌّ يَدْعُونَا إِلَيْهِ، وَبَايَعْنَاكَ عَلٰى مَا تَعْلَمُ، فَلَمَّا تَسَهَّلَتِ الْأُمُورُ جَعَلْتَ الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةٍ: سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ، وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ السَّهْمِيُّ، وَمَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، وَالْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، وَتَرَكْتَنَا.

''امام مدائنی حضرت مسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیان کیا: امیہ بن خلف جمحی کی اولاد میں سے ایک شخص نے معاویہ کو کہا: ہم نے حق کو چھوڑا حالانکہ علی ہمیں اُس کی طرف بلاتے رہے اور جس بات پر ہم نے آپ کی بیعت کی وہ آپ جانتے ہیں۔ پھر جب آپ کے لیے تمام معاملات آسان ہو گئے تو آپ نے دنیا کو چار اشخاص کے لیے مخصوص کر لیا: سعید بن العاص، عمرو بن العاص سہمی، مروان بن الحکم اور مغیرہ بن شعبہ، جبکہ ہمیں آپ نے چھوڑ دیا''۔

(أنساب الأشراف للبلاذري ج ٥ ص ١٣٢)

اندازہ فرمائیے! کیسے کیسے لوگ اُن کی فوج میں شامل تھے اور وہ کن امیدوں کے ساتھ بیعت کرتے اور جنگیں لڑتے تھے۔ آج تک دنیوی سیاستدان اُسی پالیسی پر گامزن ہیں اور دنیوی لحاظ سے دین پسند طبقات پر غالب بھی ہیں۔ دنیوی کامیابی کے یہ گُر سیدنا علی علیہ السلام پر مخفی نہیں تھے لیکن جن ہستیوں کو قدم قدم پر اپنی آخرت مدنظر ہو وہ ایسے گُر استعمال نہیں کیا کرتیں۔

ہادی مہدی اور رشوت

معاویہ نے اپنے بعد یزید پلید کی ولی عہدی کے لیے کئی سال پہلے کوششیں شروع کر دی تھیں، ہر شہر کے گورنر کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ اس سلسلے میں راہ ہموار کرے۔ مروان ملعون اُس وقت مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اُس نے بھی اس سلسلے میں کوشش کی اور مسجد نبوی شریف میں ایک تقریر جھاڑ دی، جسے بشمول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متعدد محدثین نے ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو رشوت

امام بخاری لکھتے ہیں:

''یوسف بن ماھک ﷫ بیان کرتے ہیں کہ مروان حجاز مقدس پر گورنر تھا، اس کو معاویہ نے مقرر کیا تھا، اس نے خطبہ دیا تو یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑ دیا تاکہ اس کے باپ کے بعد اس کی بیعت کی جائے۔ اس پر سیدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر ﷫ نے کوئی بات کہی تو مروان نے کہا: اس کو پکڑلو! پس سیدنا عبدالرحمٰن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہو گئے تو وہ لوگ اُن پر قادر نہ ہو سکے۔ مروان نے کہا: یہ وہ ہے جس کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا﴾ اس پر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں کچھ نہیں نازل فرمایا، ماسوا میری پاک دامنی کے''۔

(بخاري ص ٦٨٤ حديث ٤٨٢٧؛ الجمع بين الصحيحين ج ٤ ص ٢٠١ حديث ٣٣٦١)

یہاں بخاری میں کچھ محذوف کر دیا گیا تو اس پر بعض شارحین نے کہا:

قَدِ اخْتَصَرَهُ فَأَفْسَدَهُ.

''امام بخاری نے اختصار کیا تو بات بگاڑ دی''۔

(فتح الباري ج ٩ ص ٥٤٨)

میں کہتا ہوں: روایت کا اتنا حصہ نقل کرنے پر بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مشکور ہیں اور ہم اُن کے شاکر ہیں، بہر حال وہ محذوف جملہ یہ تھا کہ خال المومنین (بشرط جواز) سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر ﷫ نے فرمایا: یہ سنتِ صدیقی نہیں بلکہ ہرقل وقیصر کی سنت ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(تفسير النسائي ج ٢ ص ٢٩٠ حديث ٥٥١؛ السنن الكبرىٰ للنسائي ج ١٠ ص ٢٥٧ حديث ١١٤٢٧؛ المستدرك ج ٤ ص ٤٨٠ وط: ج ٥ ص ٤٧٨ حديث ٨٥٣٠؛ تفسير ابن كثير ج ٤ ص ١٧٢؛ الكافي الشاف ص ٢٥٥؛ الإصابة ج ٤ ص ٢٧٦؛ الدر المنثور ج ٧ ص ٤٤٤ وط: ج ١٣ ص ٣٢٨؛ فتح القدير للشوكاني ج ٥ ص ٢٦؛ فتح البيان للقنوجي ج ١٣ ص ٢٦؛ روح المعاني ج ١٤ ص ٣٢)

سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر ﷫ کی اِس سختی کو دور کرنے اور انہیں نرم کرنے کے لیے معاویہ نے اُن کی

طرف کچھ پیسے بھیج دیے۔ چنانچہ ابن کثیر اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

بَعَثَ مُعَاوِيَةُ إِلى عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بِمِائَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ ، بَعْدَ أَنْ أَبیٰ الْبَيْعَةَ لِيَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، فَرَدَّهَا عَبْدُ الرَّحْمَانِ وَأَبیٰ أَنْ يَّأْخُذَهَا ، وقَالَ : أَبِيْعُ دِيْنِي بِدُنْيَايَ؟.

''معاویہ نے سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر ﷺ کی طرف ایک لاکھ درہم بھیجے، بعد اس کے کہ اُنہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا تو اُنہوں نے وہ درہم مسترد کر دیے اور اُن کے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: کیا میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے میں بیچ دوں؟''۔

(البداية والنهاية [قطر] ج۸ ص ۲۹ ؛ الإصابة ج٤ ص ٢٧٦ ؛ الاستيعاب ج۲ ص ٣٦٩ ؛ مختصر تاريخ دمشق ج١٤ ص ٢٨٤ ؛ تهذيب الأسماء واللغات للنووي ج١ ص ٢٩٥ ؛ شذرات الذهب ج٢ ص ٢٥١ ؛ تبيان القرآن للعلامة غلام رسول سعيدي ج١١ ص ٩٤ ، ٩٥)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رشوت

خال المومنین (بشرط جواز) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اسی طرح رشوت دینے کی کوشش کی گئی تھی، چنانچہ امام ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت ایوب حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ مُعَاوِيَةَ بَعَثَ إِلیٰ ابْنِ عُمَرَ بِمِائَةِ أَلْفٍ ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُّبَايِعَ لِيَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ: أریٰ ذَاكَ أَرَادَ ، إِن دِيْنِي عِنْدِيْ إِذًا لَرَخِيْصٌ.

''معاویہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ بھیجے، پھر جب معاویہ نے چاہا کہ وہ یزید کی بیعت کریں تو اُنہوں نے فرمایا: اب سمجھا ہوں میں کہ اُس رقم سے اُس کا یہ ارادہ تھا، تب تو میرا دین بڑا سستا ہے''۔

(الطبقات الكبرى لابن سعد ج٤ ص ١٧٠ ؛ سير أعلام النبلاء ج٣ ص ٢٢٥ ؛ الكامل في التاريخ للجزري ج٣ ص ٣٥١)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بات کو بخاری کی حدیث نمبر ۷۱۱۱ کے تحت زیادہ وضاحت سے لکھا ہے:

(فتح الباري ج١٣ ص ٧٠ ، وط: ج١٦ ص ٥٤٠)

سیر أعلام النبلاء کے محققین نے اِس واقعہ کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

بیعتِ یزید کے لیے مال اور زمین کی رشوت

دوسرے مقام پر امام ابن سعد اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''معاویہ نے عمرو بن العاص کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ معلوم کرے کہ (خال المومنین) ابن عمر ﷛ کے دل میں خلافت کے معاملہ میں کیا خیال ہے، آیا وہ اس معاملہ میں قتال چاہتے ہیں یا نہیں؟ پس عمرو بن العاص نے اُن سے کہا: اے ابوعبدالرحمان! آپ کیوں نہیں نکلتے کہ ہم آپ کی بیعت کریں، آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور امیر المومنین کے فرزند ہیں اور اس معاملہ میں تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو کچھ تم کہہ رہے ہو، کیا لوگ اس پر جمع ہو جائیں گے؟ ابن العاص نے کہا: ہاں ماسوا چند افراد کے۔ اُنہوں نے فرمایا: اگر سب لوگ میری بیعت کرلیں ماسوا تین مزدوروں کے، تب بھی مجھے اس معاملہ میں کوئی دلچسپی نہیں۔ جب ابن العاص نے جان لیا کہ اُنہیں اس معاملہ میں کوئی دلچسپی نہیں تو وہ کہنے لگا:

هَلْ لَکَ أَنْ تُبَايِعَ لِمَنْ قَدْ کَادَ النَّاسُ أَنْ يَّجْتَمِعُوْا عَلَيْهِ ، وَيَکْتُبُ لَکَ مِنَ الْأَرَضِيْنَ وَمِنَ الْأَمْوَالِ ، مَا لَا تَحْتَاجُ أَنْتَ وَلَا وَلَدُکَ إِلَى مَا بَعْدَهُ ؟ فَقَالَ : أُفٍّ لَکَ ، اُخْرُجْ مِنْ عِنْدِيْ ، ثُمَّ لَا تَدْخُلْ عَلَيَّ ، وَيْحَکَ إِنَّ دِيْنِيْ لَيْسَ بِدِيْنَارِکُمْ وَلَا دِرْهَمِکُمْ ، وَإِنِّيْ أَرْجُوْ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا وَيَدِيْ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ.

''کیا آپ اُس شخص کی بیعت کرلیں گے جس پر عنقریب سب لوگ جمع ہونے والے ہیں، آپ کے لیے اتنے رقبے اور اموال لکھ دیے جائیں گے کہ اس کے بعد آپ اور آپ کی اولاد محتاج نہیں رہے گی؟ اس پر اُنہوں نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، دفع ہو جا یہاں سے! پھر ادھر آنے کی جرأت نہ کرنا، تم ہلاک ہو جاؤ! میرا دین تمہارے دینار و درہم کے بدلے میں نہیں ہے، میری تو خواہش ہے کہ میں دنیا سے رخصت ہوں تو میرے ہاتھ صاف ہوں''۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ٤ ص ١٥٣، ١٥٤؛ سیر أعلام النبلاء ج ٣ ص ٢٢٨)

سیر أعلام النبلاء کے محققین نے اِس واقعہ کی سند کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ سے تبادلۂ رشوت

معاویہ نے ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کی امارت سے معزول کر کے اُس کو لکھ بھیجا کہ تمہیں معزول کر دیا گیا، تم فوراً میرے پاس پہنچو، وہ کچھ تاخیر سے پہنچے تو معاویہ نے پوچھا: تم نے تاخیر کیوں کی؟ اُنہوں نے کہا: میں ایک خاص مہم میں مشغول تھا، وہ یہ کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور میں نے چاہا کہ لوگوں کو یزید کی ولی عہدی کے لیے تیار کروں، بس اسی وجہ سے تاخیر ہوگئی۔ معاویہ نے کہا: پھر تم اپنے منصب کی طرف لوٹ جاؤ اور اس کام کو جلد مکمل کرو۔ وہ واپس گئے، وہاں دس افراد کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ وہ معاویہ کے پاس جا کر یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کی بات کریں۔ اُن لوگوں کے ساتھ مغیرہ نے اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کو بھی بھیجا۔ جب وہاں تفصیلی بات ہوگئی تو معاویہ نے ابن مغیرہ سے پوچھا:

بِكَمْ اشْتَرٰى اَبُوْكَ مِنْ هٰؤُلَاءِ دِيْنَهُمْ ؟ قَالَ : بِثَلَاثِيْنَ اَلْفًا ، قَالَ : لَقَدْ هَانَ عَلَيْهِمْ دِيْنُهُمْ.

''تمہارے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے میں خریدا؟ اُس نے بتایا: تیس ہزار میں۔ معاویہ نے کہا: تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے''۔

(الكامل فی التاريخ لابن أثير الجزري ملخصاً ج۳ ص ۳۴۹، ۳۵۰)

تیس ہزار کے ذکر کے بغیر یہ واقعہ حافظ ابن کثیر اور ابن خلدون نے بھی بیان کیا ہے۔

(البداية والنهاية [قطر] ج۸ ص ۱۱۵، ۱۱۶؛ تاريخ ابن خلدون ج۳ ص ۱۹)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیعت کے معاملہ میں پہلے معاویہ کی کذب بیانی درج کی اور پھر اس کے اسباب بیان کیے اور اُس میں اُنہوں نے دو ایسے صحابیوں کو فسادی بھی قرار دیا جو معاویہ کے ساتھی تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت حسن بصری ﷺ کا بیان ہے: لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں۔ جن میں سے ایک عمرو بن عاص ہیں جنہوں نے امیر معاویہ کو نیزوں پر قرآن کریم اُٹھانے کا مشورہ دیا اور قرآن کریم نیزوں پر اُٹھائے گئے۔ اور ابنِ قراء کا قول ہے کہ خارجیوں کو انہوں نے ہی ثالث بنایا تھا اور یہ وہ ثالث تھے جن کا چرچہ قیامت تک رہے گا۔

فسادیوں میں سے دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ہیں جو کہ امیر معاویہ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہ کا یہ فرمان پہنچا تھا کہ اس کے حکم نامہ کی وصولیابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ نے حکم میں تعویق (تاخیر) کی اور یہ تعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہ نے تعویق کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید طلب بنانے کی وجہ سے دیر ہوگئی۔ امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا؟ بتاؤ! مغیرہ نے جواب دیا: آپ کے بعد یزید کی بیعت کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا۔ دریافت کیا کہ آیا تم نے یہ پورا کرلیا؟ جواب دیا: جی ہاں۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کہا: اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق فرائض انجام دو۔ یہاں سے لوٹ کر جب مغیرہ اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: بتاؤ کیسی رہی؟ مغیرہ نے کہا: میں نے معاویہ کے پاؤں اُس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیئے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے''۔

(ما ثبت بالسنة مترجم ص٣٨، وعربي: ملحق بمترجم: ص٢٤٩؛ سير أعلام النبلاء ج٤ ص٣٩؛ تاريخ الخلفاء اردو، نفيس اكيڈمي ص٢٠٧)

بتلایئے! اپنی موجودگی میں یزید کی بیعت کے لیے لوگوں کو رقبے، پلاٹ، عہدے اور مال دے کر اُن کے ضمیروں کا سوداگر بننا ہادی اور مہدی ہونے کی کون سی قسم ہے اور اگر یہ اجتہاد ہے تو کس درجے کا ہے؟

ہادی، مہدی اور شراب

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ ، حَدَّثَنِي حُسَيْنٌ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلٰى مُعَاوِيَةَ فَأَجْلَسَنَا عَلَى الْفُرُشِ ثُمَّ أُتِيْنَا بِالطَّعَامِ فَأَكَلْنَا ، ثُمَّ أُتِيْنَا بِالشَّرَابِ فَشَرِبَ مُعَاوِيَةُ ، ثُمَّ نَاوَلَ أَبِي ثُمَّ قَالَ : مَا شَرِبْتُهُ مُنْذُ حَرَّمَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

''سیدنا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد معاویہ کے ہاں گئے تو اُنہوں نے ہمیں بستر پر بٹھایا، پھر ہمارے لیے کھانا لایا گیا تو ہم نے کھایا، پھر شراب

لائی گئی تو معاویہ نے پی، پھر میرے والد نے پکڑی تو کہا: جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام کیا ہے تب سے میں نے اس کو نہیں پیا"۔

(مسند أحمد[شاكر] ج١٦ ص٤٧٣ حديث٢٢٨٣٧؛وط: بتحقيق الأرنؤط وغيره، ج٣٨ص٢٥، ٢٦؛تاريخ دمشق ج٢٧ص١٢٧؛مختصر تاريخ دمشق ج١٢ص٤٥،٤٦؛جامع المسانيد والسنن لابن كثير،بتحقيق عبد المعطي أمين قلعجي ج٢ص١٨٧ حديث ١٥٧٠؛أطراف المسند المعتلي بأطراف المسند الحنبلي للعسقلاني ج١ص٦٢٠ حديث١٢٤٨)

حافظ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو "مجمع الزوائد" میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اِس کو امام احمد نے راویت کیا ہے اور اُن کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، لیکن اُنہوں نے اِس جملہ کو حدیث کے اندر سے حذف کر دیا ہے: "مَا شَرِبْتُهُ مُنْذُ حَرَّمَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. (جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام کیا ہے تب سے میں نے اس کو نہیں پیا) اور خود اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَفِيْ كَلامِ مُعَاوِيَةَ شَيْءٌ تَرَكْتُهُ.

"معاویہ کے کلام میں کوئی چیز تھی جس کو میں نے چھوڑ دیا"۔

(مجمع الزوائد ج٥ ص٤٢)

ایسا ہی اُنہوں نے اپنی اُس کتاب میں بھی کیا ہے جس میں اُنہوں نے مسند احمد کی وہ احادیث جمع کی ہیں جو صحاح ستہ کے علاوہ ہیں۔

(غاية المقصد في زوائد المسند ج٤ ص١١٥ حديث٤٠٤٥)

یہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت داری ہے کہ اُنہوں نے خود ہی بتا دیا کہ اُنہوں نے وہ جملہ حذف کر دیا ہے جس سے معاویہ کی شراب نوشی ثابت ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اُنہوں نے ایسا کیوں کیا جبکہ اُن کے نزدیک اِس حدیث کی سند بھی صحیح ہے؟ کیا کوئی صحابی کہا جانے والا شخص اگر بادشاہ بن جائے اور پھر وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو اُس پر پردہ ڈالنا اور اُس کی خاطر احادیثِ صحیحہ سے جملے حذف کرنا شرعی حکم ہے؟ اگر یہ جملہ حذف کرنا اتنا ضروری ہوتا تو اِس کو سیدنا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما اور اُن کے بعد والے راویوں نے حذف کیا ہوتا۔

قارئین کرام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ جملہ "مجمع الزوائد" کے قدیم نسخہ سے تو محذوف ہے مگر دارالفکر اور دارالکتب العلمیۃ بیروت کے محققین نے اِس جملہ کو مسند احمد سے لے کر پھر "مجمع الزوائد"

میں شامل کردیا ہے مگر قوسین کے اندر، لیکن شیخ حسین سلیم اسد کی تحقیق سے جو مجمع الزوائد شائع ہوئی ہے اُس میں شیخ موصوف نے اِس جملہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں: امیر شام کے متعلق شیخ موصوف کتنے جملوں کو ناپسندیدہ قرار دیں گے؟ ہم اگر شیخ حسین سلیم اسد الدارانی کی تحقیق سے شائع شدہ مسند ابی یعلیٰ اور مجمع الزوائد سے ایسے ناپسندیدہ جملوں کی نشاندہی کرنا شروع کریں تو شیخ موصوف سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔

لفظ شراب ''نشہ آور چیز'' کے معنیٰ میں

اہلِ تقویٰ وہدایت مشکوک ومشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں لیکن ادھر حال یہ ہے کہ سیدنا بریدہ ﷛ نے جس چیز کے حرام ہونے پر حدیث نبوی پیش فرمائی، معاویہ کو اُس تک سے اجتناب نہیں تھا۔ بولیے ''اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مُهْدِيًا'' کی مقبولیت کہاں گئی؟

اگر کوئی شخص کہے کہ عربی میں تو لفظ ''شَـرَابٌ'' پینے کے معنیٰ میں ہوتا ہے تو یہاں اِس کو اُردو زبان والے شراب کے معنیٰ میں کیوں لیا گیا؟

اِس کا جواب سیدنا بریدہ ﷛ کے اِن الفاظ میں موجود ہے: ''مَا شَرِبْتُهُ مُنْذُ حَرَّمَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ'' (جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام کیا ہے تب سے میں نے اس کو نہیں پیا) بتایئے! وہ کون سی چیز ہے جو عرب معاشرہ میں پہلے پی جاتی تھی اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اُس کا پینا حرام کردیا؟ علاوہ ازیں عرب محاورہ میں لفظِ شراب نشہ آور ''شراب'' کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی راوی کی عدالت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> سُئِلَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْعَدْلِ فَقَالَ : مَنْ كَانَ فِيْهِ خَمْسُ خِصَالٍ : يَشْهَدُ الْجَمَاعَةَ ، وَلَا يَشْرَبُ هٰذَا الشَّرَابَ ، وَلَا تَكُوْنُ فِيْ دِيْنِهٖ خَرْبَةٌ ، وَلَا يَكْذِبُ ، وَلَايَكُوْنُ فِيْ عَقْلِهٖ شَيْءٌ.

''امام ابن المبارک سے عادل راوی کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا: جس میں پانچ خصلتیں ہوں: جماعت میں حاضر ہوتا ہو، اِس شراب کو نہ پیتا ہو، اُس کے دین میں کوئی خرابی نہ ہو، وہ جھوٹ نہ بولتا ہو اور اُس کی عقل میں کوئی نقص بھی نہ ہو''۔

(الكفاية في علم الرواية ص ٧٥)

اِس عبارت میں لفظ شراب کونشہ آور ممنوع شراب کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ [النساء: ۴۳] کی تفسیر میں لفظ شراب کو خمر کے معنیٰ استعمال کیا ہے۔

(أحكام القرآن للطحاوي ج۱ ص۱۱۳)

ہادی، مہدی اور صحابہ کو ناجائز دھمکیاں

بخاری شریف کی طویل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بیعت کے سلسلے میں کوئی میٹنگ ہو رہی تھی، ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عبداللہ بن عمر ﷺ پر زور دیا کہ وہ اس میں ضرور شریک ہوں۔وہ فرماتے ہیں: میں اُس میں شریک ہوا تو معاویہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جو شخص بھی امارت یا ولی عہد کے معاملہ میں زبان کھولنا چاہتا ہے، وہ ذرا اپنا سینگ تو اُونچا کرے۔ہم اُس سے اور اُس کے باپ سے بھی زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔حبیب بن مَسلمہ نے (جو حضرت ابن عمر ﷺ سے یہ روئیداد سن رہے تھے) پوچھا کہ آپ نے معاویہ کو کوئی جواب کیوں نہ دیا؟ حضرت ابن عمر ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی چادر ڈھیلی کی تھی اور ارادہ کیا تھا کہ میں ان سے کہوں: ''تم سے زیادہ امارت کا حق دار وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کی خاطر قتال کیا''۔پھر میں ڈر گیا کہ میری بات سے زیادہ تفریق پیدا ہوگی، حتیٰ کہ خوں ریزی تک نوبت جا پہنچے گی اور میری بات سے کوئی دوسرا ہی مطلب اخذ کیا جائے گا۔ پس میں نے جنت میں اپنے اجر کو یاد کیا (اور خاموشی برتی)۔حبیب کہنے لگے کہ آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، بچا لیا''۔

(بخاري ص ۵۶۰ حديث ۴۱۰۸)

آیا واقعی معاویہ خلیفۂ ثانی سیدنا عمرؓ اور اُن کے فرزند سے خلافت کا زیادہ حق دار تھا؟ اگر نہیں تھا تو اُس کا یہ دعویٰ اور دھمکی ہدایت ہے یا ضلالت؟ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کو اجتہاد قرار دے کر اس پر اجر وثواب ثابت کر ڈالے، لیکن اس مقام پر بعض اہل قلم نے حق بات بیان کر دی ہے۔چنانچہ اہل حدیث مؤلف علامہ عبداللہ دانش لکھتے ہیں:

''یہی امیر معاویہ ﷺ جنہیں سیدنا عمر ﷺ تنہائیوں میں بھی ہدایات دیتے رہے اور اُنہوں نے معاویہ ﷺ کو شام کا گورنر بھی بنایا۔صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث ۴۱۰۸ میں دیکھیں کس رعونت کے ساتھ سیدنا عمر ﷺ کی توہین کی''۔

(شرح أربعين إمام حسين ﷺ ص ۱۵۵)

بتلایئے! سیدنا عمر ﷺ اور اُن کے صوفی مزاج فرزند کی توہین کرنا اور اُنہیں دھمکی دینا، کیا یہ ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' کی تاثیر کا نتیجہ ہے؟

ہادی، مہدی اور قتلِ ناحق

امیر شام نے اپنے دور میں ناجائز، ناحق اور بے قصور کافی لوگوں کو قتل کرایا۔ اکثر لوگوں کو محبتِ مرتضوی کی پاداش میں قتل کرایا۔ اس سلسلے میں انتہائی بھیانک اور طویل واقعات ہیں مگر راقم الحروف فقط دو واقعات کو آپ کے سامنے لانا چاہتا ہے:

۱۔ بحکمِ امیر شام بسر بن اَبی ارطاۃ کی بربریت

۲۔ حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کا قتلِ ناحق

اِن میں سے اول الذکر کی بربریت کا تذکرہ اِس سے قبل ''بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم'' کے عنوان سے آچکا ہے اور مؤخر الذکر کا تذکرہ یہاں پیش کرتا ہوں۔

سیدنا حجر بن عدی ﷺ اور اُن کے رفقاء کا قتلِ ناحق

سیدنا حجر بن عدی ﷺ اور اُن کے رفقاء کی شہادت کا واقعہ کافی طویل ہے اور متعدد کتب میں موجود ہے۔ پہلے اُن کا مختصر تعارف پھر اُن کی شہادت کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ یمن کے علاقے کندہ کے باشندے تھے، ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ محبانِ سیدنا علی ﷺ میں سے تھے، اُن کی تمام جنگوں میں شریک رہے تھے، آخر میں کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں:

ذَكَرَ بَعْضُ رُوَاةِ الْعِلْمِ أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مَعَ أَخِيهِ هَانِي بْنِ عَدِيٍّ.

''حدیث کے بعض راویوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی ھانی بن عدی کے ساتھ بارگاہِ نبوی

ﷺ میں حاضر ہوئے تھے"۔

(الطبقات الكبرى لابن سعد ج۸ ص۳۳۷)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو مکمل سند کے ساتھ لکھا ہے اور امام ذہبی نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہے، نیز امام حاکم نے ان کے متعلق احادیث پر یوں عنوان قائم کیا ہے:

ذِكْرُ مَنَاقِبِ حُجْرِ بْنِ عَدِيٍّ ﷺ وَهُوَ رَاهِبُ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَمَقْتَلِهِ.

"سیدنا حجر بن عدی ﷺ کے مناقب، جو کہ سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب میں درویش تھے اور اُن کی قتل گاہ کا ذکر"۔

(المستدرك للحاكم ج۳ ص٤٦٨، وط: ج۳ ص٥٣١، ٥٣٢ حديث ٥٩٧٤)

امام ابن اثیر جزری اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(أسد الغابة ج١ ص٦٩٧؛ الإصابة ج٢ ص٣٢)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سیدنا حجر بن عدی ﷺ فضلاء صحابہ کرام ﷺ میں سے تھے اور کم سن ہونے کے باوجود اکابر میں شمار ہوتے تھے"۔

(الاستيعاب ج١ ص١٩٧؛ بغية الطلب في تاريخ حلب ج٥ ص٢١١٠)

امام ذہبی اور دوسرے علماء کرام لکھتے ہیں:

وَلِحُجْرٍ صُحْبَةٌ وَوِفَادَةٌ وَجِهَادٌ وَعِبَادَةٌ.

"حجر صحبت، زیارت، جہاد اور عبادت سے مالا مال تھے"۔

(العبر في خبر من غبر ج١ ص٥٧؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٤ ص١٩٣؛ شذرات الذهب لابن العماد ج١ ص٢٤٧؛ در السحابة في ذكر شهداء الصحابة ج٣ ص١٨٢)

اکثر محدثین کرام اُنہیں صحابی مانتے ہیں اور بعض تابعی لکھتے ہیں، لیکن سب اُنہیں متقی، زاہد، عابد، صاحب استقامت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خوگر مانتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم متوفّٰی ۳۳۳ھ مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

"حجر بن عدی ﷺ کندی، کندہ کے رہنے والے تھے، عبادت گزار تھے، دائماً باوضو رہنے

والے تھے، جب بھی بے وضو ہوتے تو فوراً وضو کرتے اور نماز تحیۃ الوضو پڑھتے"۔

(كتاب المحن لأبي العرب التميمي ص ۱۲۰)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

وَكَانَ شَرِيفًا ، أَمِيرًا مُطَاعًا ، أَمَّارًا بِالْمَعْرُوفِ ، مُقْدِمًا عَلَى الإِنْكَارِ ، مِنْ شِيْعَةِ عَلِيّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، شَهِدَ صِفِّيْنَ أَمِيرًا ، وَكَانَ ذَا صَلَاحٍ وَتَعَبُّدٍ.

"وہ معزز تھے، مقبول لیڈر تھے، کثرت سے بھلائی کا حکم کرنے والے اور بڑھ چڑھ کر برائی سے روکنے والے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے پیروکاروں میں سے تھے، جنگِ صفین میں بحیثیت امیر شریک ہوئے تھے اور نیکی وعبادت کے پیکر تھے"۔

(سير أعلام النبلاء ج۳ ص ٤٦٣؛ درالسحابة في ذكر شهداء الصحابة ج۳ ص۱۸۳)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"یہ تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد تھے، اپنی والدہ سے بہت بھلائی سے پیش آنے والے تھے، اور نماز وروزہ کی کثرت کرتے تھے۔ ابو معشر کہتے ہیں: وہ جب بھی بے وضو ہوتے تو فوراً وضو کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ یہ بات بہت لوگوں نے بیان کی ہے"۔

(البداية والنهاية بتحقيق عبد الله التركي ج۱۱ ص۲۲۹)

سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب کیا تھا؟

علماء کرام نے اُن کی شہادت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ کوفہ کے گورنر زیاد حرامی کو اُس وقت ٹوکتے تھے جب وہ مسجد کے منبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتا تھا۔ زیاد نے اُن کی اِس جرأت کا تذکرہ امیر شام کو لکھ بھیجا، امیر شام نے اُنہیں ساتھیوں سمیت طلب کیا اور مقام عذراء پر اُنہیں قتل کرادیا۔ چنانچہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

وَكَانَ عَابِداً صَالِحًا ، يُلَازِمُ الْوُضُوْءَ ، وَيُكْثِرُ مِنَ الأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَكَانَ يُكَذِّبُ ابْنَ أَبِيْهِ الأَمِيرَ عَلَى الْمِنبَرِ وَحَصَبَهُ مَرَّةً ، فَكَتَبَ فِيْهِ إِلٰى مُعَاوِيَةَ......

"وہ عبادت گزار صالح آدمی تھے، ہمیشہ وضو سے رہتے تھے، بکثرت امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کرتے تھے اور گورنر زیاد ابن ابیہ کو منبر پر ٹوکتے تھے اور ایک مرتبہ اُس کی طرف کنکریاں پھینکیں تو اس نے اس سلسلہ میں معاویہ کو لکھ بھیجا......''

(تاريخ الإسلام للذهبي ج٤ ص١٩٣)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زیاد ابن ابیہ منبر پر ہوتا تھا تو سیدنا حجر بن عدی اس ولد الزنا کو کیوں ٹوکتے تھے؟ اس لیے ٹوکتے تھے کہ بنوامیہ کے خطباء مساجد کے منبروں پر سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر لعنت اور سبّ وشتم کرتے تھے۔ زیاد ابن ابیہ سے قبل جو شخص کوفہ کا گورنر تھا وہ بھی اپنی گورنری کو قائم رکھنے کے لیے یہی دھندہ کرتا تھا اور یہ اُسے بھی ٹوکتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَإِذَا كَانَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ عَلَى الْكُوفَةِ إِذَا ذَكَرَ عَلِيًّا فِي خُطْبَتِهِ يَتَنَقَّصُهُ بَعْدَ مَدْحِ عُثْمَانَ وَشِيعَتِهِ ، فَيَغْضِبُ حُجْرٌ هٰذَا ، وَيُنْكِرُ الإِنْكَارَ عَلَيْهِ ، وَلٰكِنْ كَانَ الْمُغِيرَةُ فِيهِ حِلْمٌ وَأَنَاةٌ ، فَكَانَ يَصْفَحُ عَنْهُ وَيَعِظُهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ ، وَيُحَذِّرُهُ غَبَّ هٰذَا الصَّنِيعِ ، فَإِنَّ مَعَارِضَةَ السُّلْطَانِ شَدِيدٌ وَبَالُهَا ، فَلَمْ يَرْجِعْ حُجْرٌ عَنْ ذٰلِكَ.

''جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے تو وہ اپنے خطبہ میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیروکاروں کی مدح کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتے تھے تو اس پر سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو جاتے تھے اور اُن پر برس پڑتے تھے، مغیرہ میں بردباری اور برداشت تھی، سو وہ اُن سے درگذر کر جاتے تھے اور اپنے باہمی تعلق کی بنا پر اُنہیں سمجھاتے تھے اور اس کے انجام سے اُنہیں ڈراتے تھے کہ بادشاہ کے ردِعمل کا وبال سخت ہوتا ہے، لیکن سیدنا حجر رضی اللہ عنہ اس سے باز نہ آئے''۔

(البداية والنهاية بتحقيق محسن التركي ج١١ ص٢٢٩)

سیدنا علی علیہ السلام کی تنقیص کرنا مغیرہ بن شعبہ کا محبوب مشغلہ تو نہیں تھا لیکن یہ اُن کی گورنری کی بقا کے لیے لازمی تھا، حتیٰ کہ علماء نے سند کے ساتھ لکھا ہے کہ معاویہ نے جب اُنہیں گورنر بنانا چاہا تو اُنہیں بطورِ خاص وصیت کی تھی اور کہا تھا:

''میں چاہتا تھا کہ تمہیں بہت سی چیزوں کے بارے میں وصیت کروں تاہم میں اُن باتوں کو

تمہاری عقل مندی کے پیشِ نظر ترک کررہا ہوں لیکن میں ایک بات کو ترک نہیں کرتا: لَا تَتْرُكْ شَتْمَ عَلِيٍّ وَذَمَّهُ، وَالتَّرَحُّمَ عَلَى عُثْمَانَ وَالاسْتِغْفَارَ لَهُ. (علی کو سبّ وشتم کرنا اور اُس کی مذمت کرنا اور عثمان کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور اُن کے لیے مغفرت مانگنا نہ چھوڑنا''۔

(الكامل في التاريخ لابن أثير جزري ج۳ ص۶۹؛ أنساب الأشراف للبلاذري ج۵ ص۲۵۲؛ مرأة الزمان لسبط ابن الجوزي ج۷ ص۲۲۳)

سو اُنہوں نے اس وصیت کو خوب نبھایا اور خود بھی اور کرایہ کے خطباء کو بھی اس کام پر لگادیا۔ شاید کوئی شخص کہے کہ یہ تاریخ کی باتیں ہیں لہٰذا ان کا کوئی اعتبار نہیں تو جناب والا سبّ وشتم کی اس وصیت پر جس طرح مغیرہ بن شعبہ نے عمل کیا اُس کا تذکرہ امام احمد، امام ابوداود طیالسی، امام ابن ابی شیبہ، امام نسائی، امام ابویعلیٰ، امام ابن حبان اور امام ابن ابی عاصم نے اپنی اپنی کتبِ حدیث میں کیا ہے اور آج کل کے متشدد محققین نے اُن احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی مکمل تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِيْ" (میرے صحابہ کو برا نہ کہو) کا مطالعہ فرمائیں۔

مغیرہ بن شعبہ کو اِس ناپاک جسارت سے کئی بار عشرہ مبشرہ میں شامل بعض حضرات نے ٹوکا بھی تھا، سو جب وہ اس نازیبا حرکت سے باز نہ آئے تو سیدنا حجر ﷺ نہی عن المنکر سے کہاں باز آنے والے تھے؟ پھر جب مغیرہ بن شعبہ وفات پاگئے تو اُن کے بعد زیاد ابن ابیہ کو وہاں کا گورنر بنادیا گیا۔

ایک ہی ملاقات کی مار

ابھی ابھی آپ نے پڑھا کہ مغیرہ بن شعبہ کو وصیت کرتے ہوئے معاویہ نے دوسری وصیتوں کو تو مغیرہ بن شعبہ کی ذہانت کی وجہ سے ترک کردیا تھا مگر شتمِ علی اور مذمتِ علی کی وصیت کو ترک نہیں کیا تھا، لہٰذا خود سوچئے کہ کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اُنہوں نے زیاد کو یہ خصوصی وصیت نہ کی ہوگی، ہرگز نہیں بلکہ وہ ہر گورنر کو یہ ناپاک وصیت کرنا لازم سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُن کا ہر گورنر سبّ وشتم میں پورا پورا حصہ لیتا تھا اور جو اس عمل سے گریز کرتا تھا تو اُسے معزول کردیا جاتا تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عمیر بن اسحاق نے کہا:

كَانَ مَرْوَانُ أَمِيراً عَلَيْنَا سِتَّ سِنِيْنَ وَكَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا كُلَّ جُمُعَةٍ، ثُمَّ عُزِلَ، ثُمَّ اسْتُعْمِلَ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَايَسُبُّهُ، ثُمَّ أُعِيْدَ مَرْوَانُ فَكَانَ يَسُبُّهُ.

''مروان چھ سال ہم پر گورنر مقرر رہا اور وہ ہر جمعہ کو سیدنا علی ﷛ پر سب وشتم کرتا تھا، پھر اُسے معزول کر دیا گیا، پھر سعید بن العاص کو عامل بنایا گیا تو وہ سب وشتم نہیں کرتے تھے، پھر دوبارہ مروان کو مقرر کیا گیا تو وہ سب وشتم کرتا تھا''۔

(كتاب العلل للإمام أحمد ج۳ ص۱۷٦؛ تاريخ دمشق ج۲۱ ص۱۲۹، وج۵۷ ص۲٤۳؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٥ ص۲۳۱، ۲۳۲؛ سير أعلام النبلاء للذهبي ج۳ ص٤۷۷، ٤۷۸؛ البداية والنهاية ج۱۱ ص۳۱۸، وج۸ ص۳٦٤؛ إتحاف الخيرة المهرة ج۸ ص۸۲ حديث ۷٥۲٦؛ المطالب العالية ج٤ ص۳۲۹، ۳۳۰ وط: ج۱۸ ص۲٦٦ حديث ٤٤٥۷)

یہ بات اُس کتاب میں بھی موجود ہے جو امیرِ شام کی شان اور دفاع میں انتہائی اہم سمجھی جاتی ہے اور اُس میں اِس کی سند کے راویوں کو بھی ثقہ کہا گیا ہے۔

(تطهير الجنان لابن حجر مكي ص ۲۱۰)

مطلب یہ ہے کہ یہ ناپاک جسارت امیر موصوف کے ہر گورنر کے فرائض منصبی میں شامل تھی، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَاتَّخَذُوا لَعْنَهُ عَلَى الْمَنَابِرِ سُنَّةً.

''اُنہوں نے منبروں پر سیدنا علی ﷛ پر لعنت بھیجنے کو معمول بنالیا تھا''۔

(فتح الباري ج۷ ص٤۳٤، وط: ج۸ ص٤۲۰)

سو یہ کیسے ممکن ہے کہ زیاد ابن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں مقام کی گورنری دی گئی ہو اور اُسے یہ خاص وصیت نہ کی گئی ہو۔ یقیناً اُسے بھی ذات پاک مرتضیٰ محبوبِ خدا و مصطفیٰ شیر خدا ﷛ پر سب وشتم کی خاص تلقین کی گئی تھی۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ زیاد ابن ابیہ پہلے سیدنا علی ﷛ کی جماعت میں تھا اور سیدنا حجر بن عدی ﷛ کا خاص دوست تھا۔ جب سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷺ نے دورِ خلافت کے اختتام پر امت کی خاطر اقتدار معاویہ کے سپرد کر دیا تو سیدنا حجر بن عدی، زیاد اور ان کے باقی ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اب وہ کیا کریں؟ بالآخر اُنہوں نے طے کیا کہ معاویہ سے امان لے لیتے ہیں۔ اس کے لیے سب نے زیاد کو منتخب کیا کہ وہ جا کر بات کرے۔ وہ بات کرنے گیا تو خود شکار ہو گیا، اُس پر ھادی اور مہدی کی ہدایت اور کرامت دونوں اثر انداز ہو گئیں۔ چنانچہ جب وہ اُدھر سے واپس آیا تو تھوڑا بہت نہیں یکسر بدل چکا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اُس کی اصلیت نمایاں ہو گئی تھی، اسی کو انگلش میں

[Expose] ایکسپوز ہونا کہا جاتا ہے۔ایک ہی ملاقات میں وہ کیسے بدلا؟ ذرا خود ہی پڑھ لیجئے:

''پھر جب وہ کوفہ آیا تو اس نے حجر بن عدی ﷺ کو بلا کر کہا: ''اے ابو عبدالرحمان! تم جانتے ہو علی [ﷺ] سے میری محبت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: شدید ہے۔اُس نے کہا: اب وہ ساری کی ساری محبت ختم ہو کر بغض میں بدل گئی، لہٰذا اب مجھ سے ایسی بات مت کرنا جو مجھے ناپسند ہو، میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں......''۔

(كتاب المحن ص ١٢٠)

طبقات ابن سعد وغیرہ میں تو یہاں تک آیا ہے کہ زیاد نے گورنر بن جانے کے بعد سیدنا حجر بن عدی ﷺ سے کہا:

''تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے تمہارے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے۔تم اپنی زبان کو قابو میں رکھنا اور زیادہ تر گھر میں رہنا، چونکہ میں تمہاری جلد بازی سے خوب واقف ہوں۔ویسے تمہاری تمام ضروریات کو پورا کرنا میرا کام ہے اور اگر خود کو کنٹرول میں رکھ سکو تو میرا تخت تمہاری نشست گاہ ہوگا''۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٣٣٧؛ تاريخ دمشق ج١٢ ص٢١٤؛ سير أعلام النبلاء ج٣ ص٤٦٣؛ بغية الطلب ج٥ ص٢١٢١)

بہر حال زیاد نے بھی مغیرہ بن شعبہ کی طرح سبّ وشتم والا معمول شروع کر دیا تو سیدنا حجر بن عدی ﷺ جو ''أَمَّارًا بِالْمَعْرُوْفِ ، مُقْدِمًا عَلَى الْإِنْكَارِ'' کے پیکر تھے، ایسی ناپاک حرکت پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ اُنہوں نے بھی اپنی روک ٹوک کا سلسلہ جوں کا توں جاری رکھا تو نتیجہ وہی نکلا جس سے مغیرہ بن شعبہ متنبہ کیا کرتے تھے کہ بادشاہ کا ردّعمل سخت ہوتا ہے اور وہی ہو کر رہا۔چنانچہ امام بیہقی، امام ابن عساکر، حافظ ابن کثیر اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

''زیاد بن سمیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب ﷺ کا منبر پر ذکر کیا تو حجر بن عدی نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اُس کی طرف پھینکی پھر اُن کے آس پاس کے لوگوں نے بھی زیاد کی طرف کنکریاں پھینکیں، تو زیاد نے معاویہ کو لکھ بھیجا کہ حجر نے مجھے کنکریاں ماری ہیں درآں حالیکہ میں منبر پر تھا''۔

(دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص٤٥٦؛ تاريخ دمشق ج١٢ ص٢١٧؛ البداية والنهاية ج٩ ص٢٢٤)

شیخ عبداللہ بن محسن ترکی "البداية والنهاية" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

أَيْ ذَكَرَهُ بِسُوْءٍ عَلَى الْمِنبَرِ.

"یعنی زیاد نے منبر پر سیدنا علیؓ کا ذکر برائی سے کیا"۔

(حاشية: ٥، البداية والنهاية ج٩ ص ٢٢٤)

امام ابن عبدالبر اور امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

وَلَمَّا وَلَّى مُعَاوِيَةُ زِيَادًا الْعِرَاقَ وَمَا وَرَاءَ هَا ، وَأَظْهَرَ مِنَ الْغِلْظَةِ وَسُوْءِ السِّيْرَةِ مَا أَظْهَرَ.

"اور جب معاویہ نے زیاد کو عراق اور دوسرے علاقوں کا گورنر بنایا، اور اس نے وہ سختی اور بری عادت ظاہر کی جو کی"۔

(الاستيعاب ج١ ص١٩٧؛ أسد الغابة ج١ ص٦٩٧؛ بغية الطلب في تاريخ حلب ج٥ ص ٢١١٠)

خود سوچئے! مساجد کے منبروں پر امیر شام کے گورنروں کی اِس بے حیائی اور بدمعاشی کو سیدنا حجر بن عدیؓ کب برداشت کر سکتے تھے؟ چونکہ اُن کی قوتِ ایمانی اُنہیں برائی کو بھلائی میں تبدیل کرنے کے اولین طریقوں پر اُبھارتی تھی تو لازماً اُس کا نتیجہ بھی وہی نکلنا تھا جو جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے پر نکلا کرتا ہے۔ چنانچہ اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ جب سیدنا حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو شام پہنچا دیا گیا تو اُن کے سامنے دو باتیں رکھی گئیں۔

علی سے بیزار ہو جاؤ ورنہ تیار ہو جاؤ

ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اگر وہ علی سے بیزاری کا اظہار کر دیں تو اُنہیں معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ امام بلاذری اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کو بھیجا گیا اور اُسے کہا گیا:

وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْبَرَاءَةِ مِنْ عَلِيٍّ وَإِظْهَارِ لَعْنِهِ ، وَيَعِدُ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَنْ يُتْرَكَهُ ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قُتِلَ.

"اُس کو حکم دیا کہ وہ اُن لوگوں کو علی سے براءت اور اُس پر لعنت کرنے کی طرف بلائے اور اُن سے وعدہ کرے کہ جس شخص نے ایسا کیا تو اُسے چھوڑ دیا جائے گا اور جس نے ایسا نہ کیا تو وہ

قتل کر دیا جائے گا‘‘۔

(أنساب الأشراف ج٥ص٢٦٦؛كتاب المحن ص١٢١،١٢٢؛الكامل فى التاريخ ج٣ص٧٩؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٤ص ١٩٤؛مرآةالزمان لسبط ابن الجوزي ج٧ص٢٣٤؛تاريخ دمشق ج ١٢ص٢٢٢؛مختصر تاريخ دمشق ج٦ص٢٤١؛بغيةالطلب ج٥ص٢١٢٥)

کچھ لوگوں نے انکار کیا تو وہ قتل کر دیے گئے اور کچھ نے اُن کا مطالبہ منظور کر لیا تو وہ بچ گئے، تاہم بشمول سیدنا حجر بن عدی ﷛ سات افراد کو شہید کر دیا گیا۔

معاویہ کو میں اسی حال میں ملوں گا

متعدد علماء کرام نے لکھا ہے:

’’زیاد نے معاویہ کو شکایت بھرا خط روانہ کیا تو اُسے واپس جواب آیا کہ حجر بن عدی کو لوہے کی بیڑیوں میں باندھ کر ہماری طرف بھیج دو۔ امام ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سب کو لوہے سے باندھا گیا۔ حافظ ابن کثیر کے مطابق بارہ افراد کو اِس حال میں بھیجا گیا، بعد میں دو شخص مزید پیچھے بھیجے گئے تو چودہ افراد ہو گئے۔ اِن میں سے سات کو قتل کیا گیا اور سات کو چھوڑ دیا گیا۔ جب جلاد تلوار چلانے لگا تو سیدنا حجر ﷛ نے وصیت فرمائی:

لَا تُطْلِقُوْا عَنِّيْ حَدِيْدًا ، وَلَا تَغْتَسِلُوْا عَنِيْ دَماً ، فَإِنِّيْ مُلَاقٍ مُعَاوِيَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى الْجَادَةِ ، وَإِنِّيْ مُخَاصِمٌ.

’’بعد از وفات مجھ سے بیڑیاں نہ کھولنا، میرا خون نہ دھونا، کیونکہ میں میدانِ محشر میں اسی حال میں معاویہ سے ملوں گا اور احتجاج کروں گا‘‘۔

(كتاب المحن للتميمي ص١٢٣، ١٢٤؛أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ص٢٦٩؛الاستيعاب ج ١ص١٩٨؛أسدالغابة ج١ص٦٩٨؛المنتظم لابن الجوزي ج٥ص٢٤٢؛تاريخ دمشق ج١٢ص ٢١٥،٢٢٦،٢٢٨؛مرآة الزمان ج٧ص٢٣٣؛٢٣٦؛تاريخ الإسلام للذهبي ج٤ص١٩٤؛سير أعلام النبلاء ج٣ص٤٦٦؛تاريخ ابن خلدون ج٣ص١٧؛الإصابة ج٢ص٣٣؛بغيةالطلب في تاريخ حلب ج٥ص٢١١٤)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''سیدنا امام حسن بن علی [بقول ابن کثیر: زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام حسین] ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: کیا اُس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اُس کو بیڑیوں کے ساتھ دفن کیا گیا؟ اُنہوں نے عرض کیا: ہاں، فرمایا: خدا کی قسم! وہ حجت قائم کر گیا''۔

(البداية والنهاية ج ١١ ص ٢٣٦؛ تاريخ دمشق ج ١٢ ص ٢٢٦)

شہادتِ حجر بن عدی ﷺ سے استنباطِ مسائل

جس طرح سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت حجر بن عدی ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ وہ حجت قائم کر گیا اسی طرح سیدنا امام حسن بصری ﷺ سے بھی منقول ہے کہ اُنہوں نے بھی اسی طرح فرمایا تھا اور ہمارے فقہاء کرام نے بھی اس واقعہ سے اسی طرح مسائل کا استنباط کیا ہے، جس میں سیدنا حجر بن عدی ﷺ کو اہل عدل اور اُن کے قاتلین کو غیر عادل کہا ہے۔ چنانچہ امام سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں باغی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ''لايُغَسَّلُ وَلا يُصَلّٰى عَلَيْهِ'' (نہ اُسے غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اُس کا جنازہ پڑھا جائے گا) وہیں اہل عدل کے بارے میں لکھا ہے کہ اُن کی نماز جنازہ تو پڑھی جائے گی مگر اُنہیں غسل نہیں دیا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

وَلَمَّا اسْتُشْهِدَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِصِفِّيْنَ قَالَ: لَا تَغْسِلُوْا عَنِّيْ دَمًا وَلَا تَنْزِعُوْا عَنِّيْ ثَوْبًا، فَإِنِّيْ أَلْتَقِيْ مُعَاوِيَةَ بِالْجَادَةِ، وَهٰكَذَا نُقِلَ عَنْ حُجْرِبْنِ عَدِيٍّ.

''جب سیدنا عمار بن یاسر ﷺ جنگ صفین میں شہید ہونے لگے تو فرمایا: میرا خون نہ دھونا اور میرے کپڑے نہ اُتارنا، میں اسی حال میں معاویہ سے میدانِ محشر میں ملاقات کروں گا، اور اسی طرح سیدنا حجر بن عدی ﷺ سے بھی منقول ہے''۔

(المبسوط للسرخسي ج ٢ ص ٥٠)

امام موصوف ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

وَيُصْنَعُ بِقَتْلَى أَهْلِ الْعَدْلِ مَا يُصْنَعُ بِالشَّهِيْدِ، فَلا يُغَسَّلُوْنَ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِمْ، هٰكَذَا فَعَلَ عَلِيٌّ ﷺ بِمَنْ قُتِلَ مِنْ أَصْحَابِه، وَبِه أَوْصٰى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَحُجْرُ بْنُ عَدِيٍّ وَزَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ ﷺ حِيْنَ اسْتُشْهِدُوْا، وَقَدْ رَوَيْنَاهُ فِيْ كِتَابِ الصَّلَاةِ:

وَلَا يُصَلّٰى عَلىٰ قَتْلىٰ أَهْلِ الْبَغْيِ.

''اور جو لوگ اہل عدل میں سے قتل ہوں تو اُن کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح سیدنا علی ﷺ نے اپنے مقتولین کے ساتھ کیا تھا، اور سیدنا عمار بن یاسر، حجر بن عدی اور زید بن صوحان ﷺ نے اسی کی وصیت کی تھی، اور ہم کتاب الصلاۃ میں بیان کر چکے ہیں کہ باغیوں کے مقتولین کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی''۔

(المبسوط للسرخسي ج ۱۰ ص ۱۳۱)

امام ابن مازہ بخاری حنفی نے بھی یہی معنیٰ بیان کیا ہے:

(المحيط البرهاني ج ۲ ص ۱۷۰)

حقیقی شہید کی تعریف

فقہاء کرام نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ حقیقی (نہ کہ حکمی) شہید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل باطل کے ہاتھوں قتل ہو اور وہ کسی معاملہ میں مجرم نہ ہو بلکہ سراپا مظلوم ہو۔ چنانچہ امام ابن مازہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ **"في بيان الأسباب المسقطة لغسل الميت"** (میت کو غسل نہ دینے کے اسباب کے بیان میں) لکھتے ہیں کہ حقیقی شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا، حقیقی شہید کسے کہتے ہیں؟ اس کی توضیح میں وہ لکھتے ہیں:

الشَّهِيْدُ اِسْمٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ مُكَلَّفٍ طَاهِرٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ قُتِلَ ظُلْمًا فِيْ قِتَالِ ثَلَاثٍ : إِمَّا مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ ، أَوْمَعَ أَهْلِ الْبَغْيِ ، أَوْمَعَ قُطَّاعِ الطَّرِيْقِ.

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شہید ہر اُس مکلّف و پاک مسلم کا نام ہے جو تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قتل کیا جائے: یا اہل حرب کے ساتھ، یا باغیوں کے ساتھ یا ڈاکوؤں کے ساتھ قتال میں''۔

(المحيط البرهاني ج ۲ ص ۱۶۰)

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا أَنْ يَكُوْنَ مَظْلُوْمًا حَتّٰى لَوْ قُتِلَ بِحَقٍّ فِيْ قِصَاصٍ ، أَوْرَجْمٍ لَا يَكُوْنُ شَهِيْدًا.

''اور اُن اقسام میں سے یہ ہے کہ وہ سراپا مظلوم ہو، حتیٰ کہ اگر وہ قصاص کے حق یا رجم میں قتل کیا

جائے تو وہ شہید نہیں ہوگا''۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۶۰)

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ ، أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرِكَةِ وَبِهِ أَثَرُ الْجِرَاحَةِ ، أَوْقَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا ، وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ ، فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ ، وَلَا يُغَسَّلُ.

''شہید وہ ہے جس کو مشرکین قتل کریں، یا وہ میدانِ جہاد میں پایا جائے اور اُس پر زخمی ہونے کا اثر ہو، یا اُسے مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا ہو، اور اُس کے قتل سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ سو اُسے کفن دیا جائے گا، نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا''۔

(مختصر القدوري ص۱۱۳)

اِن فقہاء کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر وہ لڑتے ہوئے مارا جائے تو مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا ہونا ضروری ہے اور اگر لڑے بغیر قتل کیا جائے تو مجرم کی حیثیت سے نہیں بلکہ سراسر مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا جائے۔ ایسے مقتول کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اُسے اُنہی کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔ اِن صورتوں کے بیان کے بعد امام کاسانی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہا کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اُن کے نزدیک ایسے شہید کو غسل دیا جائے گا۔ پھر حنفیہ کی طرف سے دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے:

وَلَنَا : مَا رُوِيَ عَنْ عَمَّارٍ ، أَنَّهُ لَمَّا اُسْتُشْهِدَ بِصِفِّيْنَ تَحْتَ رَايَةِ عَلِيٍّ ﷺ ، فَقَالَ: لَا تَغْسِلُوْا عَنِّيْ دَمًا ، وَلَا تَنْزِعُوْا عَنِّيْ ثَوْبًا ، فَإِنِّيْ اَلْتَقِيْ وَمُعَاوِيَةُ بِالْجَادَةِ ، وَكَانَ قَتِيْلَ أَهْلِ الْبَغْيِ ، عَلٰى مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ".

''ہماری دلیل وہ ہے جو سیدنا عمار ﷺ سے روایت کی گئی کہ جب وہ جنگ صفین میں سیدنا علی ﷺ کے پرچم تلے شہید ہونے لگے تو فرمایا: میرے جسم سے خون دھونا اور نہ ہی میرے کپڑے اتارنا، کیونکہ میں اور معاویہ میدانِ محشر میں اِسی حال میں ملیں گے۔ وہ باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، جیسا کہ اس پر ارشادِ نبوی ﷺ ''تجھے باغی گروہ قتل کرے گا'' شاہد ہے''۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۶۶)

اسی طرح امام ابن مازہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ احناف کی طرف سے دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ مَنْ قُتِلَ فِيْ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ ، لِأَنَّهٗ إِنَّمَا حَارَبَ لِإِعْزَازِ دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى ، فَصَارَ كَالْمُحَارِبِ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ قُتِلَ بِصِفِّيْنَ فَقَالَ : لَا تَنْزِعُوْا عَنِّيْ ثَوْبًا ، وَلَا تَغْسِلُوْا عَنِّيْ دَمًا ، وَارْمُسُوْنِيْ فِي التُّرَابِ رَمْسًا ، فَإِنِّيْ رَجُلٌ مُحَاجٌّ أُحَاجُّ مُعَاوِيَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَزَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ قُتِلَ يَوْمَ الْجَمَلِ فَقَالَ : لَا تَنْزِعُوْا عَنِّيْ ثَوْبًا ، وَ لَا تَغْسِلُوْا عَنِّيْ دَمًا ، فَإِنِّيْ مُخَاصِمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَعَنْ صَخْرٍ [حُجْرِ] بْنِ عَدِيٍّ أَنَّهٗ قَتَلَهٗ مُعَاوِيَةُ ، وَكَانَ مُقَيَّدًا فَقَالَ : لَا تَنْزِعُوْا عَنِّيْ ثَوْبًا ، وَ لَا تَغْسِلُوْا عَنِّيْ دَمًا ، فَإِنِّيْ وَمُعَاوِيَةُ مُلْتَقٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى الْجَادَةِ.

’’اوراسی طرح وہ شخص جو باغیوں کے ساتھ جنگ میں قتل کیا جائے، کیونکہ اُس نے فقط دینِ الٰہی کے غلبہ کی خاطر جنگ کی ہے تو وہ اہل حرب کے ساتھ لڑنے والوں کی طرح ہوگیا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ نے صفین کی جنگ میں قتال کیا تو فرمایا: مجھ سے میرا لباس جدا کرنا اور نہ ہی میرے بدن سے خون دھونا اور اسی حال میں مجھے مٹی میں دفن کر دینا، کیونکہ میں احتجاج کرنے والا شخص ہوں، قیامت کے دن معاویہ کے ساتھ جھگڑوں گا، اور سیدنا زید بن صوحان ﷺ جمل کی جنگ میں قتل کیے گئے تو فرمایا: مجھ سے میرا لباس جدا کرنا اور نہ ہی میرا خون دھونا، میں قیامت کے دن اُن کے ساتھ بحث کروں گا، اور سیدنا صخر [حجر] بن عدی ﷺ کے متعلق منقول ہے کہ اُنہیں معاویہ نے قتل کیا، درآنحالیکہ وہ جکڑے ہوئے تھے تو اُنہوں نے فرمایا: مجھ سے میرا لباس جدا کرنا اور نہ ہی میرے بدن سے خون دھونا، میں اور معاویہ میدان محشر میں آمنا سامنا کریں گے‘‘۔

(المحيط البرهاني ج٢ ص١٦١)

فقہاء کرام کی اِن عبارات میں خود ہی غور فرمالیجئے کہ جب وہ سیدنا حجر بن عدی ﷺ کو اہل عدل اور اہل حق سے مان رہے ہیں تو پھر اُن کے نزدیک اُن کے قاتلین کیا قرار پائے؟

قبل از شہادت دوگانہ نماز

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا حجر بن عدی ﷛ حق پر تھے اور اُن کا قاتل غیر عادل وظالم تھا۔ سیدنا حجر بن عدی ﷛ قدم قدم پر آخرت کو مدنظر رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ آخری وقت میں اُنہیں نہ صرف یہ کہ وہ حدیث یاد رہی جس میں ہے کہ شہیدِ حق کو اُس کے کپڑوں اور خون کے ساتھ بلا غسل دفن کیا جائے بلکہ عین اُس وقت جب اُن پر تلوار بلند کی گئی تب بھی وہ آخرت میں نجات دہندہ عمل کی فکر میں تھے۔ چنانچہ ابن سعد اور دوسرے علماء کرام لکھتے ہیں:

''ہر ایک شخص کو ایک ایک شامی کے حوالے کیا گیا تا کہ وہ اسے قتل کرے۔ ایک آدمی سیدنا حجر بن عدی ﷛ کی طرف بڑھا تو اُنہوں نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ اُس نے مہلت دے دی تو سیدنا حجر ﷛ نے وضو کیا، دوگانہ ادا کیا اور دیر لگا دی تو وہ لوگ کہنے لگے: تم نے گھبراہٹ کی وجہ سے نماز لمبی کر دی؟ اُنہوں نے فرمایا: میں نے زندگی میں جب بھی وضو کیا تو دوگانہ ضرور ادا کیا اور میں نے اِس دوگانے سے مختصر دوگانہ کبھی بھی نہیں پڑھا، اور میں لرزا اس لیے ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تلوار بے نیام ہے، کفن پھیلا ہوا ہے اور قبر کھدی ہوئی ہے''۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٨ ص٣٣٩؛ الاستيعاب ج١ ص١٩٨؛ أسد الغابة ج١ ص٦٩٨؛ بغية الطلب ج٥ ص٢١١٤؛ البداية والنهاية ج٨ ص٢٣٥؛ تاريخ دمشق ج١٢ ص٢٢٦؛ تاريخ ابن خلدون ج٣ ص١٦)

امام محمد بن سیرین سے جب سوال کیا جاتا کہ وفات کے وقت دو رکعت پڑھنا کیسا؟ تو وہ فرماتے:

صَلَّاهُمَا خُبَيْبٌ وَحُجْرٌ ، وَهُمَا فَاضِلَانِ.

''یہ دو رکعتیں سیدنا خبیب اور حجر ﷛ نے پڑھی تھیں، اور وہ دونوں بڑے عالم تھے''۔

(الاستيعاب ج١ ص١٩٨؛ أسد الغابة ج١ ص٦٩٨؛ بغية الطلب ج٥ ص٢١١١)

حجر بن عدی ﷛ کے قتل پر اکابر کا غم وغصّہ

چونکہ سیدنا حجر بن عدی ﷛ جہاں ایک طرف بے قصور تھے تو دوسری طرف انتہائی صالح، عابد، زاہد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے، اس لیے صحابہ وتابعین کے دلوں میں اُن کی بڑی عظمت تھی۔ اُن کی شہادت کے وقت جتنے بھی مشہور اکابر موجود تھے اور اُن تک اُن کے قتلِ ناحق کی خبر پہنچی تھی یا اُنہیں قتل

کیے جانے کے منصوبہ کی اطلاع ملی تھی تو اُن پر بہت شاق گذرا تھا۔ اُس دور میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کون سی شخصیت حق شناس اور قد آور ہوگی، اُنہیں جب معلوم ہوا تو اُنہوں نے فوراً ایک آدمی کو تحریر دے کر روانہ فرمایا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی

علامہ سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''حجر بن عدی کی جلالتِ شان کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ کوفہ سے شام گرفتار کر کے بھیجے گئے اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد دوڑایا کہ حجر کو ہرگز قتل نہ کرنا، لیکن قاصد اُس وقت پہنچا جب وہ شہید ہو چکے تھے''۔

(تدوینِ حدیث ص ٤٥٤)

علامہ مناظر احسن نے یہ واقعہ ابن سعد سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح اس واقعہ کو دوسرے ائمہ نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم بعض اردو کتب کے حوالہ جات درج کر رہے ہیں تا کہ اردو داں قارئین کے لیے استفادہ آسان ہو۔ اس واقعہ کو علامہ سید سلیمان ندوی نے یوں ذکر کیا ہے:

''حجر کا صحابہ میں اُس وقت نہایت اقتدار [مرتبہ] تھا، اس لیے اس واقعہ کو تمام ملک میں ناگواری کے ساتھ سنا گیا، قبائل کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارش کی لیکن قبول نہ ہوئی، مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے ایک قاصد اُن کی سفارش کے لیے روانہ فرمایا، لیکن افسوس کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اُس وقت جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے جو گفتگو اُن سے کی وہ یہ تھی: ''معاویہ! حجر کے معاملہ میں تمہارا تحمل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس میں میرا قصور نہیں، قصور اُن کا ہے جنہوں نے گواہی دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا ام المومنین! کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہیں تھا۔

مسروق تابعی راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ:

خدا کی قسم: اگر معاویہ کو معلوم ہوتا کہ کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجر کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے، لیکن جگر خوارۂ ہند [کلیجہ چبانے والی] کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اُٹھ گئے، خدا کی قسم! کوفہ شجاع وخودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا۔ لبید نے سچ کہا ہے:

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِيْ أَكْنَافِهِمْ ... وَبَقِيْتُ فِيْ خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ

لَايَنْفَعُوْنَ وَلَا يُرْجٰى خَيْرُهُمْ ... وَيُعَابُ قَائِلُهُمْ وَإِنْ لَّمْ يُشْعَبْ

وہ لوگ چلے گئے جن کے سائے میں زندگی بسر کی جاتی ہے، اب ایسے اخلاف کے درمیان رہ گیا ہوں جو خارشی اونٹ کی کھال کی طرح ہیں۔

نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ اُن سے بھلائی کی امید ہے، ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری کی جاتی ہے"۔

(سیرتِ عائشہ رضی اللّٰہ عنہا، للندوي ص١٢٨، ١٢٩؛ الاستيعاب ج١ ص١٩٩؛ أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص٢٧٢؛ تاريخ ابن خلدون، مختصراً ج٣ ص١٧؛ الكامل في التاريخ ج٣ ص٨٣؛ مرآة الزمان ج٧ ص ٢٣٧)

کیا حجر بن عدی کے خلاف گواہی قائم ہوئی تھی؟

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو معاویہ کے ساتھ مکالمہ فرمایا، اگر آپ اس کے پہلے اور آخری حصے میں غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا معاویہ کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھیں، اور یہی حقیقت ہے، کیونکہ معاویہ نے جو یہ کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا بلکہ گواہوں نے قتل کیا ہے، یہ سراسر خلافِ حقیقت ہے، اس لیے کہ دربارِ معاویہ میں ملزمین کے سامنے گواہیاں قائم نہیں ہوئی تھیں۔ رہ گیا زیاد کا گواہیاں قائم کرنا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ زیاد ابن ابیہ کی حیثیت مدعی کی تھی اور پھر اُس نے بحیثیت سربراہ دباؤ ڈال کر جو گواہیاں لی تھیں وہ جھوٹ پر مبنی تھیں۔

زیاد کا جھوٹے گواہ تیار کرنا

میں نے جھوٹی گواہی اس لیے کہا کہ زیاد نے گواہیاں دینے والے جن لوگوں کے نام لکھ کر روانہ کیے تھے،

اُن میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی لکھ دیے تھے جنہوں نے نہ گواہی دی تھی اور نہ ہی وہ گواہیاں قلم بند کرتے وقت موجود تھے۔ اُن میں ایک مشہور شخصیت قاضی شریح بن حارث کی تھی اور دوسرے اُن کے ہم نام شریح بن ھانی تھے۔ قاضی شریح نے تو کہا:

سَأَلَنِيْ عَنْهُ ، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّهُ كَانَ صَوَّامًا قَوَّامًا.

''زیاد نے مجھ سے حجر کے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اُسے کہا تھا: وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ قیام کرنے والے ہیں''۔

(تاریخ الملوك والأمم لابن جرير الطبري ج ٥ ص ٢٧٠؛ البداية والنهاية ج ١١ ص ٢٣٢)

رہے شریح بن ھانی تو جب اُن کو معلوم ہوا کہ زیاد نے اُن کا نام بھی گواہوں میں لکھ دیا ہے تو اُنہوں نے معاویہ کی طرف خط لکھا اور اُسے حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو لے جانے والے قافلے میں ایک شخص کثیر بن شہاب کو تھمایا، اُس نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا: یہ مت پوچھو، اس میں میری ضرورت ہے۔ اس نے لے جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ وائل بن حجر کے پاس گئے تو وہ لے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ جب دربارِ معاویہ میں زیاد بدنہاد کی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی گئی تو آخر میں وائل بن حجر نے وہ خط پیش کیا۔ اُس میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا تھا:

أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ زِيَادًا كَتَبَ إِلَيْكَ بِشَهَادَتِيْ عَلٰى حُجْرِ بْنِ عَدِيٍّ وَأَنَّ شَهَادَتِيْ عَلٰى حُجْرٍ أَنَّهُ مِمَّنْ يُقِيْمُ الصَّلَاةَ ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ ، وَيُدِيْمُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ، وَيَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ ، حَرَامُ الدَّمِ وَالْمَالِ، فَإِنْ شِئْتَ فَاقْتُلْهُ ، وَإِنْ شِئْتَ فَدَعْهُ . فَقَرَأَ كِتَابَهُ عَلٰى وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَكَثِيْرٍ ، فَقَالَ: مَا أَرٰى هٰذَا إِلَّا قَدْ أَخْرَجَ نَفْسَهُ مِنْ شَهَادَتِكُمْ.

''امابعد، مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے میری گواہی بھی حجر کے خلاف لکھ دی ہے، حالانکہ حجر کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ہمیشہ حج و عمرہ کرتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ اُن کے خون و مال پر دست درازی کرنا حرام ہے۔ آپ کی مرضی خواہ اُسے قتل کریں یا چھوڑیں۔ معاویہ نے اس تحریر کو وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب کے سامنے پڑھنے کے بعد کہا: میں سمجھتا ہوں: اس شخص نے خود کو تمہارے شہادت

نامہ سے نکال لیا ہے''۔

(تاریخ الملوك والأمم ج٥ ص٢٧٢؛أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص٢٦٤؛الكامل فى التاريخ ج٣ ص٧٩؛مرآة الزمان ج٧ ص٢٣١؛تاريخ ابن خلدون ج٣ ص١٥)

اس خط کی نسبت بعض راویوں نے شریح بن ھانی کی طرف اور بعض نے قاضی شریح بن حارث کی طرف کی ہے، بہرحال اسماء کا التباس احادیث کی سند میں بھی ہو جاتا ہے، خط جس شریح کا بھی تھا کم ازکم اُن کی اس وضاحت سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ باقی لوگوں کی گواہیاں بھی اسی طرح جھوٹ پر مبنی ہوں گی؟

شریح بن ھانی سے یہ بھی منقول ہے کہ اُنہوں نے زیاد کو بھی ملامت کی تھی۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری اور امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

وَأَمَّا شُرَيْحُ بْنُ هَانِيءٍ الْحَارِثِيُّ فَكَانَ يَقُوْلُ : مَا شَهِدْتُّ ، وَ لَقَدْ بَلَغَنِيْ أَنْ قَدْ كُتِبَتْ شَهَادَتِيْ ، فَأَكْذَبْتُهُ وَلُمْتُهُ.

''شریح بن ھانی کہا کرتے تھے: میں نے گواہی نہیں دی تھی، مجھے معلوم ہوا کہ میری گواہی لکھ دی گئی ہے تو میں نے زیاد کی تکذیب کی تھی اور اُس کو ملامت کی تھی''۔

(تاريخ الرسل والملوك والأمم ج٥ ص٢٧٠؛الكامل فى التاريخ ج٣ ص٧٨)

یہاں قارئین کرام کی ذہانت کی آزمائش ہے: وہ بتلائیں کہ شریح کے خط کو پڑھنے کے بعد بادشاہ سلامت نے جو یہ کہا:

''میں سمجھتا ہوں: اِس شخص نے خود کو تمہارے شہادت نامہ سے نکال لیا ہے''۔

یہ کہنا درست تھا یا یوں کہنا درست تھا کہ:

''جب اس شخص نے گواہی نہیں دی تو پھر زیاد نے اِس کی گواہی ڈالی ہی کیوں؟''

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جب شریح نے خود کو گواہوں میں شامل ہی نہیں کیا تھا اور واضح طور پر لکھ بھیجا تھا ''بَلَغَنِيْ أَنَّ زِيَادًا كَتَبَ إِلَيْكَ بِشَهَادَتِيْ عَلٰى حُجْرٍ'' (مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ کی طرف زیاد نے میری گواہی بھی لکھ بھیجی ہے) تو جب وہ پہلے سے ہی گواہوں میں شامل نہیں تھے تو پھر اُنہوں نے خود کو نکالا کیسے؟ لیکن بادشاہ درباری تمکنت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس طرح چاہتے ہیں بات کو گھما دیتے ہیں اور عوام کی جبری یا مفاد پرستی کی خاموشی کو اُن کی بے وقوفی سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی بھی دور کے درباری اور حاضرین اتنا سادہ نہیں ہوتے۔

شریح بن ھانی کی گواہی کی طرح قاضی شریح بن حارث کی غیر موجودگی میں بھی زیاد نے اُن کی گواہی بھی ڈال دی تھی۔ چنانچہ امام بلاذری لکھتے ہیں:

وَكَتَبَ زِيَادٌ شَهَادَةَ شُرَيْحِ بْنُ الْحَارِثِ الْكِنْدِيِّ الْقَاضِيُّ وَهُوَ الْغَائِبُ.

''اور زیاد نے قاضی شریح بن حارث کندی کی گواہی بھی لکھ دی تھی، حالانکہ وہ موجود نہیں تھے''۔

(أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص٢٦٤)

علاوہ ازیں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سرّی بن وقاص حارثی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی موجود نہیں تھا اور اُس کی شہادت بھی لکھ دی گئی تھی۔ مختار بن ابی عبید اور عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو گواہی کے لیے بلایا گیا تھا مگر وہ کھسک گئے تھے۔ ہیثم بن اسود نخعی معذرت کرتا رہا مگر اُس کی گواہی بھی ٹھوک دی گئی تھی۔

(تاريخ الملوك والأمم ملتقطًا ج٥ ص٢٦٩، ٢٧٠؛ أنساب الأشراف ج٥ ص٢٦٣)

علاوہ ازیں جن لوگوں نے گواہی دی تھی اُن میں سے بھی اکثر نے دباؤ، خوف اور دیکھا دیکھی میں دی تھی۔ چنانچہ بنو ربیعہ کے جن لوگوں نے گواہی دی تھی، جب اُن سے اُن کی قوم کے لوگوں نے پوچھا کہ تم نے کیوں گواہی دی تو اُنہوں نے کہا: دوسرے لوگوں نے گواہی دی تو ہم نے بھی دے دی۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

فَغَضِبَتْ رَبِيْعَةُ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ الشُّهُوْدِ الَّذِيْنَ شَهِدُوْا مِنْ رَبِيْعَةَ وَقَالُوْا لَهُمْ : شَهِدْتُّمْ عَلٰى أَوْلِيَائِنَا وَحُلَفَائِنَا ؟ فَقَالُوْا: مَا نَحْنُ إِلَّا مِنَ النَّاسِ ، وَقَدْ شَهِدَ عَلَيْهِمْ نَاسٌ مِنْ قَوْمِهِمْ كَثِيْرٌ.

''اُن گواہوں میں جو لوگ بنو ربیعہ سے تھے، قومِ ربیعہ اُن پر غضبناک ہوئی اور اُن سے کہا کہ تم نے ہمارے دوستوں اور حلفاء کے خلاف یہ گواہی دے دی؟ اُنہوں نے جواب دیا: خود اُن کی قوم میں بہت لوگوں نے اُن کے خلاف گواہی دی ہے اور ہم بھی اُن کی طرح آخر آدمی ہی ہیں''۔

(تاريخ الملوك والأمم ج٥ ص٢٧٠، ومترجم اردو ج٤ ص٩٥)

یہ نہیں کہا کہ آخر ہم سچی گواہی کیوں نہ دیتے؟ بلکہ وہ کہا جو کہا۔ اس کے باوجود بادشاہ سلامت زیاد کو ہی سچا سمجھتے رہے، اور ہر چند کہ وہ ہادی و مہدی تھے مگر وہ شریح کے خط کی طرف متوجہ نہ ہو سکے کہ جب اُس نے باقاعدہ خط کے ذریعے آگاہ کر دیا تھا تو تحقیق ہی کر لیتے کہ آیا حق کیا ہے؟

مجھے کوئی ہدایت دینے والا ہی نہیں تھا

گذشتہ سطور میں سید سلیمان ندوی سے جو کلام نقل کیا گیا ہے، اُس میں ہے کہ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے معاویہ کو سرزنش فرمائی تو اُنہوں نے جواب دیا: ''کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہیں تھا'' یہ اِن الفاظ کا ترجمہ ہے ''لَمْ يَحْضُرْنِي رَشِيْدٌ'' رشید کا معنیٰ ہے رشد و ہدایت دینے والا۔ میں پوچھتا ہوں: اگر معاویہ کے لیے بنائی ہوئی حدیث ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' صحیح ہوتی تو پھر تو اُن سے بڑا کوئی صاحبِ ورشد و ہدایت ہی کوئی نہ ہوتا۔ سو جو لوگ اس حدیث کو صحیح یا قابلِ استدلال سمجھتے ہیں، وہ بتائیں کہ اُس دعائے نبوی ﷺ کی تاثیر کہاں گئی؟ اگر کہا جائے کہ مشورہ کا حکم تو نبی کو بھی ہوا ہے، تو میں کہوں گا کہ معاویہ نے بھی ایک شخص سے نہیں بلکہ اپنی پوری کابینہ سے مشورہ طلب کیا تھا اور اُن میں سے بعض نے بہترین مشورے دیے بھی تھے مگر اُن پر کسی اچھے مشورہ کا اثر نہیں ہوا تھا، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے مشورہ دیتے ہوئے یہاں تک کہا تھا:

يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْتَ رَاعِيْنَا وَنَحْنُ رَعِيَّتُكَ ، وَأَنْتَ رُكْنُنَا وَنَحْنُ عِمَادُكَ ، فَإِنْ عَاقَبْتَ قُلْنَا : أَصَبْتَ ، وَإِنْ عَفَوْتَ قُلْنَا : أَحْسَنْتَ ، وَالْعَفْوُ أَقْرَبُ إِلَى التَّقْوىٰ ، وَكُلُّ رَاعٍ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

''یا امیر المومنین! آپ ہمارے حاکم ہیں اور ہم آپ کی رعایا ہیں، آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم آپ کے مضبوط ستون ہیں، اگر آپ نے سزا دی تو ہم کہیں گے: آپ نے ٹھیک کیا، اور اگر آپ نے معاف کر دیا تو ہم کہیں گے: آپ نے بہت بہتر کیا، اور معاف کر دینا تقوی سے زیادہ قریب ہے، اور ہر حاکم اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہوگا''۔

(المستدرك للحاكم ج٣ص ٥٣٢ حديث ٥٩٧٧؛ تاريخ دمشق ج١٢ص ٢٢٣؛ بغية الطلب ج٥ ص١١٢٦، ١١٢٧)

ذرا مشیرِ معاویہ کے الفاظ میں غور تو فرمایئے! اُس نے سزا دینے کی صورت میں کیسے الفاظ استعمال کرنے کا کہا، معاف کرنے کی صورت میں کیا الفاظ استعمال کرنے کا کہا اور پھر قابل توجہ بات یہ ہے کہ اُس نے آخر میں ''وَالْعَفْوُ أَقْرَبُ إِلَى التَّقْوىٰ'' کے ساتھ ساتھ'' كُلُّ رَاعٍ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ '' کے الفاظ بھی کہہ دیے، لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود ھادی و مھدی کی ہدایت نے انگڑائی تک نہ لی۔ سورۃ البقرہ کی پہلی آیت میں

ہے کہ یہ کتاب متقین کے لیے ھدایت ہےاور مشیر نے''وَالْعَفوُ أَقْرَبُ إِلَى التَّقْوىٰ'' کے الفاظ سے بادشاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہی تھی مگر اُن کی اندر کی ہدایت ٹس سے مس تک نہ ہوئی۔ خود انصاف فرمائیے کہ اگر کسی کے حق میں واقعۃً ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا '' کے الفاظ میں دعائے نبوی ﷺ ثابت ہو تو وہ صائب مشورہ کے باوجود ہدایت کے اعلیٰ درجے سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟

کیا ملزم (حجر بن عدی) کی بھی سنی گئی تھی؟

آپ جان چکے ہیں کہ سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ زیاد ابن ابیہ کے سامنے اس لیے کھڑے ہو جاتے تھے کہ وہ خبیث شخص برسرِ منبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی برائی کرتا تھا۔ اس پر زیاد نے معاویہ کو شکایت لکھ بھیجی تھی، اس لحاظ سے زیاد مدعی ہوا اور سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے ساتھی ملزمان ہوئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ نے زیاد مدعی کا خط اور اُس میں مرقوم گواہیوں کو پڑھ کر ملزمان کو مجرمان ثابت کرنے کے بعد قتل کیا تھا یا پہلے؟ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے ملزمان کی بھی سنی تھی یا نہیں؟

میرے مطالعہ کے مطابق معاویہ نے اِس سلسلے میں اُن سے بات تک نہیں کی بلکہ اُن سے ملاقات بھی نہیں کی۔ چنانچہ امام بلاذری لکھتے ہیں:

وَالْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ عَلىٰ مُعَاوِيَةَ.

''اس پر اتفاق ہے کہ وہ دربارِ معاویہ میں نہیں گئے''۔

(أنساب الأشراف ج٥ ص٢٦٩)

اگر بلاذری کے الفاظ پر اعتماد نہ کیا جائے اور اُن تاریخی روایات کو مانا جائے جن میں مذکور ہے کہ معاویہ مقام مرج العذراء میں سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں سے ملے تھے اور ایک ایک ملزم سے اُس کا نام پوچھا تھا اور حجر بن عدی سے اُن کی عمر پوچھی تھی اور کہا تھا: تم کیسے ہو اور آج کل عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کے بعد کفن دے کر آدمی بھیج دیے تھے۔

(تاریخ دمشق ج١٢ ص٢٢٢)

اس کے علاوہ اصل مقدمہ کے بارے میں قطعاً کوئی ایک لفظ بھی منقول نہیں ہوا، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ فریقین کی سنے بغیر فیصلہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِذَا جَلَسَ إِلَيْکَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِ بَيْنَهُمَا حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ ، فَإِنَّکَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ تَبَيَّنَ لَکَ الْقَضَاءُ.

''جب تمہارے پاس دو شخص اپنی اپنی شکایت لے کر آئیں تو تم اس وقت تک ان کا فیصلہ نہ کرنا جب تک کہ تم دوسرے شخص کا بیان اُسی طرح توجہ سے نہ سن لو جیسا کہ پہلے کا سن چکے تھے۔ پس جب تم اس اصول پر عمل کرو گے تو تم پر فیصلے کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی''۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ص ٤٢١ حديث٨٣٦٦وط: ج٥ ص١١٧ حديث ٨٤٢٠؛مسند أحمد ج١ ص ٩٠ حديث ٦٩٠ وص١٤٣ حديث١٢١١ وص ١٥٠ حديث ١٢٨٠، ١٢٨١، ١٢٨٢، ١٣٨٥، ؛مسند أبي داود الطيالسي ص١٩ حديث١٢٥ وط: ج١ ص٧٨ حديث١٢٧؛سنن أبي داود حديث ٣٥٨٢؛سنن الترمذي ص٣٢٢ حديث١٣٣١؛المستدرك للحاكم ج٤ ص٩٢ حديث ١٧٠٧؛ المصنف لابن أبي شيبة ج٦ ص١٣ حديث٢٩٠٨٨؛تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج٥ ص٨ حديث٣٠٧٨، ٣٠٨٠؛مسند أبي يعلىٰ ج١ ص١٩٢ حديث٣٦٧، وط: ج١ ص ٣٠٥ حديث ٣٧١؛الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ج٦ ص ٤٢٠؛السنن الكبرىٰ للبيهقي ج١٠ ص٨٦ حديث ٢٠١٥٣ وص ١٤٠، ١٤١ حديث ٢٠٤٨٦، ٢٠٤٨٧؛ مشكاة ج٢ ص٧٠، ٧١ حديث ٣٧٣٨)

یہ اور اس کے علاوہ بھی احادیث و آثار ہیں مگر معاویہ نے حاکم اور مجتہد ہونے کے باوجود اُن پر عمل نہیں کیا۔ کیا ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' کی دعا کو اُن کے حق میں صحیح سمجھنے والے بتا سکتے ہیں کہ کسی کی موت وحیات کا فیصلہ کرتے وقت اُنہیں یہ توفیق کیوں نہ ہوئی کہ وہ ملزمان سے بھی پوچھ لیتے کہ اُن پر اُن کا گورنر کیوں خفا ہے اور اُنہیں اُن کے گورنر سے کیا اور کیسی شکایت ہے؟

ہمارے نزدیک زیاد ہی سچا ہے

معاویہ ملزمان سے کیوں پوچھتے، اُن کے نزدیک تو زیاد ہی صدق وصفا کا پیکر تھا۔ وہ حجر اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے معاملہ میں تذبذب کا شکار تو ضرور تھے مگر ملزمان کو منہ نہیں لگانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک مرتبہ پھر زیاد کی طرف یزید بن حجیہ تیمی کے ذریعے ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں کبھی ان کو قتل کرنے میں بہتری سمجھتا ہوں اور کبھی معاف کر دینے میں، تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ زیاد نے واپس لکھ بھیجا کہ میں نے آپ کی

تحریر پڑھ لی ہے اور میں حیران ہوں کہ آپ تا حال اشتباہ میں کیوں پڑے ہوئے ہیں؟

فَإِنْ كَانَتْ لَكَ حَاجَةٌ فِيْ هٰذَا الْمِصْرِ فَلَا تَرِدَنَّ حُجْرَ وَأَصْحَابَهُ إِلَيَّ.

''اگر آپ کو اس شہر کی ضرورت ہے تو حجر اور اُن کے ساتھیوں کو میری طرف نہ بھیجنا''۔

یزید بن حجیہ واپس آیا تو مقام عذراء سے گذرا اور اُس نے سیدنا حجر اور اُن کے ساتھیوں سے کہا: اے قوم! اب میں ایسا خط لایا ہوں کہ بس ذبح ہی ذبح۔ تم بتاؤ میں تمہیں کس طرح فائدہ پہنچا سکتا ہوں تا کہ میں اُس معاملہ میں کوشش کروں؟ سیدنا حجر بن عدی ﷺ نے کہا: تم معاویہ کو کہنا: ''أَنَّا عَلٰى بَيْعَتِنَا'' (ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں) ہمارے خلاف ہمارے مخالفین اور بدگمانوں نے گواہیاں دی ہیں اور زیاد نے بھی خط میں بہت زیادتی کی ہے۔ پس یزید بن حجیہ نے معاویہ کو پہلے زیاد کا خط پیش کیا اور پھر حجر بن عدی کا پیغام سنایا تو معاویہ نے کہا:

زِيَادٌ أَصْدَقُ عِنْدَنَا مِنْ حُجْرٍ.

ہمارے نزدیک زیاد حجر سے زیادہ سچا ہے''۔

(تاريخ طبري ج ۵ ص ۲۷۳؛ مرآة الزمان ج ۷ ص ۲۳۱)

شاباش! یہ ہے ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' کی تاثیر کہ ملزمان کے پیغام پر کوئی دھیان ہے اور نہ ہی اُنہیں اپنے دربار میں طلب کرنے کی حاجت، لیکن اُن کا گورنر زیاد خبیث اُن کے نزدیک سیدنا حجر بن عدی ﷺ سے زیادہ سچا ہے، واہ، واہ، پہلے بادشاہ!

میں کہتا ہوں: وہ ملزمان سے بیان لیتے ہی کیوں، جبکہ اُنہیں معلوم تھا کہ اِن لوگوں کو زیاد سے جو شکایت ہے، اُس میں زیاد کی اتنی دل چسپی نہیں تھی جتنی دل چسپی مرکز کی تھی، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ زیاد تو خود اُن کی ہدایات پر کاربند تھا، یہی وجہ ہے کہ اُس نے گورنر بننے کے فوراً بعد حجر بن عدی پر واضح کر دیا تھا کہ وہ زبان کو بند رکھا کریں، کیونکہ اب اُس (زیاد) کے دل میں محبت مرتضوی کی جگہ بغض آ چکا ہے۔ نیز آپ مرکز کی پالیسی کے حوالے سے یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ سعید بن العاص سب وشتم سے گریز کرتا تھا تو اُسے معزول کر دیا گیا اور اُس کی جگہ مروان کو گورنر بنا دیا گیا، کیونکہ اُس میں اہل بیت کرام ﷺ کو سبّ وشتم کرنے کی کوالٹی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ سو جب سیدنا حجر بن عدی ﷺ اور دوسرے ملزمان کا جرم ہی یہ تھا کہ وہ زیاد ملعون کو سیدنا علی ﷺ پر سبّ وشتم کرنے پر ٹوکتے تھے تو بھری مجلس میں اُن ملزمان سے بیان کیونکر لیا جاتا؟

جان چھڑانا مشکل

سیدنا حجر بن عدی ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کا قتلِ ناحق اس حد تک ظالمانہ اور ناحق تھا کہ معاویہ اس کی توجیہ پیش کرنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا حجر بن عدی ﷺ کے قتلِ ناحق پر معاویہ سے بات چیت شروع کی تو وہ بہت طویل ہوگئی حتیٰ کہ معاویہ کو جان چھڑانا مشکل ہوگیا اور بالآخر اُنہیں یوں کہنا پڑا:

دَعِيْنِيْ وَحُجْرًا حَتّٰى نَلْتَقِيْ عِنْدَ رَبِّنَا.

''مجھے اور حجر کو رہنے دیں، یہاں تک کہ ہم اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں''۔

(كتاب المحن ص۱۲۳؛ الاستيعاب ج۱ ص۱۹۸؛ أسد الغابة ج۱ ص۶۹۸؛ مرآة الزمان ج۷ ص۲۳۷؛ تاريخ دمشق ج۱۲ ص۲۲۹؛ البداية والنهاية ج۹ ص۲۲۶، وج۱۱ ص۲۴۳؛ بغية الطلب ج۵ ص۲۱۲۹)

سیدنا ابن عمر کا چیخ مار کر رونا

اہل عقل پر مخفی نہیں ہے کہ جو شخص واقعی کسی جرم کی پاداش میں سزا پا جائے تو اُس پر کوئی افسوس کرتا ہے اور نہ ہی کوئی آنکھ اُس پر روتی ہے، لیکن جب کسی کو ظلماً قتل کر دیا جائے تو اُس پر افسوس بھی کیا جاتا ہے اور رویا بھی جاتا ہے۔ چونکہ سیدنا حجر بن عدی ﷺ کا قتل بھی سراسر ظلم تھا اس لیے اُن کے حق میں جہاں شعراء کرام نے اپنا اپنا کلام پیش کیا تھا وہیں اِس قتلِ ناحق پر بڑی بڑی ہستیوں کی چیخیں بھی نکل گئی تھیں۔ چنانچہ امام حاکم حضرت نافع ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

لَمَّا كَانَ لَيَالِيَ بُعِثَ حُجْرٌ إِلٰى مُعَاوِيَةَ ، جَعَلَ النَّاسُ يَتَحَيَّرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ: مَا فُعِلَ حُجْرٌ ؟ فَأَتٰى خَبَرُهُ ابْنَ عُمَرَ وَهُوَ مُحْتَبِىءٌ فِي السُّوْقِ ، فَأَطْلَقَ حَبْوَتَهُ وَوَثَبَ ، وَانْطَلَقَ فَجَعَلْتُ أَسْمَعُ نَحِيْبَهُ وَهُوَ مُوَلٍّ.

''جن راتوں میں حجر ﷺ کو معاویہ کی طرف بھیجا گیا تو لوگ حیران ہو ہو کر پوچھتے تھے: حجر کا کیا بنا؟ پھر اُن کی خبر سیدنا ابن عمر ﷺ کے پاس آئی، جبکہ وہ بازار میں ٹانگوں اور کمر میں چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے تو وہ چادر کھول کر اچھل کر کھڑے ہوگئے اور پھر چل پڑے، سو جب وہ

پشت پھیر کر جارہے تھے تو میں اُن کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز سن رہا تھا"۔

(المستدرك للحاكم ج٣ ص٥٣٢ حديث٥٩٧٥؛ كتاب المحن ص١٢٢؛ أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص٢٧٠، ٢٧٤؛ الاستيعاب ج١ ص١٩٨؛ أسد الغابة ج١ ص ٦٩٨؛ تاريخ دمشق ج١٢ ص٢٢٧؛ سير أعلام النبلاء ج٣ ص٤٦٦؛ الإصابة ج٢ ص٤٨٦؛ البداية والنهاية ج١١ ص٢٤٢)

قتلِ حجر پر سیدنا ابن عباس ﷺ کا گریہ کرنا

ترجمانِ قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ پر اِس ظالمانہ قتل کا اثر اس قدر ہوا تھا کہ وہ جب بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے تو گریہ فرماتے۔ چنانچہ ابوالمغیرہ بیان کرتے ہیں:

فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَكَادُ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ إِلَّا بَكٰى بَكَاءً شَدِيْدًا.

"سیدنا ابن عباس ﷺ جب بھی یہ واقعہ بیان کرتے تو شدید ترین گریہ فرماتے"۔

(تاريخ دمشق ج١٢ ص٢٢٤؛ بغية الطلب ج٥ ص٢١٢٧)

امام حسن بصری ﷺ کا اظہارِ رنج

امام حسن بصری ﷺ نے وقتاً فوقتاً کئی مقامات پر سیدنا حجر بن عدی ﷺ کے قتلِ ناحق پر مختلف الفاظ میں اظہارِ رنج فرمایا۔ چنانچہ مبارک بن فضالہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ : وَ قَدْ ذَكَرَ مُعَاوِيَةَ وَقَتْلَهُ حُجْرًا وَّأَصْحَابَهُ : وَيْلٌ لِّمَنْ قَتَلَ حُجْراً وَأَصْحَابَ حُجْرٍ.

"میں نے حسن بصری ﷺ کو سنا، جبکہ اُنہوں نے معاویہ کا اوراُس کا حجر اوراُن کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا ذکر کیا تو فرمایا: حجر بن عدی اوراُن کے اصحاب ﷺ کے قاتل کے لیے ہلاکت ہے"۔

(الاستيعاب ج١ ص١٩٩؛ بغية الطلب ج٥ ص٢١١١؛ الأنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص٢٧٣)

امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ يُعَظِّمُ قَتْلَ حُجْرٍ وَأَصْحَابِهِ.

"امام حسن بصری سیدنا حجر بن عدی اوراُن کے ساتھیوں کے قتل کو بڑا سانحہ سمجھتے تھے ﷺ"۔

(أسد الغابة ج١ ص٦٩٨)

نیز امام حسن بصری ؒ کا مشہور قول ہے:

أَرْبَعُ خِصَالٍ كُنَّ فِيْ مُعَاوِيَةَ ، لَوْلَمْ يَكُنْ فِيْهِ مِنْهُنَّ إِلَّا وَاحِدَةٌ لَكَانَتْ مُوْبِقَةً : اِنْتِزَاءُهُ عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالسُّفَهَاءِ حَتّٰى ابْتَزَّهَا أَمْرَهَا بِغَيْرِ مَشْوَرَةٍ مِنْهُمْ وَفِيْهِمْ بَقَايَا الصَّحَابَةِ وَذُوالْفَضِيْلَةِ ، وَاِسْتِخْلَافُهُ ابْنَهُ بَعْدَهُ سِكِّيْرًا خَمِيْرًا ، يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ وَيَضْرِبُ بِالطَّنَابِيْرِ ، وَاِدِّعَاءُهُ زِيَادًا ، وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ، وَقَتْلُهُ حُجْرًا ، وَيْلًا لَهُ مِنْ حُجْرٍ مَرَّتَيْنِ.

''چار باتیں معاویہ میں تھیں، اگر اُن میں سے فقط کوئی ایک بات بھی اُن میں ہوتی تو وہ اُن کی ہلاکت کے لیے کافی ہوتی:

۱۔ اُن کا امت پر بلا مشورہ بے وقوف لوگوں کو چڑھا دینا، یہاں تک کہ اُنہوں نے امت کا حق زبردستی چھین لیا، جبکہ اُمت میں بقایا صحابہ اور اربابِ فضیلت بھی موجود تھے۔

۲۔ اُن کا اپنے بعد اپنے نشئی اور شرابی بیٹے کو خلیفہ بنانا، وہ ریشم پہنتا تھا اور مزامیر بجاتا تھا

۳۔ اُن کا زیاد ابن ابیہ کو ابوسفیان کا بیٹا بنا دینا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: بچہ شوہر کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہوتے ہیں

۴۔ اور اُن کا سیدنا حجر بن عدی ؓ کو قتل کرنا، حجر بن عدی ؓ کی وجہ سے اُن کے لیے دوہری ہلاکت ہے''۔

(تاريخ الرسل والملوك والأمم ج٥ ص٢٧٩؛ مرآة الزمان ج٧ ص٢٣٨؛ الكامل في التاريخ ج٣ ص٨٢؛ البداية والنهاية ج١١ ص٤٢٨)

خود گورنرِ معاویہ کی برہمی

ربیع بن زیاد خراسان میں معاویہ کے گورنر تھے، جب اُنہیں حضرت حجر بن عدی ؓ کے قتلِ ناحق کی خبر پہنچی تو اُن کا دل بھر گیا اور اُنہوں نے مزید دنیا میں رہنا پسند نہ کیا، اور اپنی دوراندیشی سے ایک ایسی پیش گوئی فرما گئے جو بعد میں من وعن پوری ہوئی۔ اُن کے واقعہ کو بہت سے مؤرخین نے ذکر کیا ہے لیکن میں خاص مقصد کے پیش نظر علامہ ابن خلدون کے الفاظ میں نقل کر رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

فَلَمَّا بَلَغَ الرَّبِيْعَ بْنَ زِيَادٍ بِخُرَاسَانَ قَتْلُ حُجْرٍ سَخِطَ لِذٰلِکَ وَقَالَ : لَاتَزَالُ الْعَرَبُ تُقْتَلُ بَعْدَهُ صَبْراً ، وَلَوْ نَكَرُوْا قَتْلَهُ مَنَعُوْا أَنْفُسَهُمْ مِنْ ذٰلِکَ ، لٰكِنَّهُمْ أَقَرُّوْا فَذَلُّوْا ، ثُمَّ دَعَا بَعْدَ صَلَاةِ جُمُعَةٍ لِأَيَّامٍ مِّنْ خَبْرِهٖ وَقَالَ لِلنَّاسِ : إِنِّيْ قَدْ مَلِلْتُ الْحَيَاةَ ، وَإِنِّيْ دَاعٍ فَأَمِّنُوْا ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ : اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ لِيْ عِنْدَکَ خَيْرٌ فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْکَ عَاجِلاً ، وَأَمَّنَ النَّاسُ . ثُمَّ خَرَجَ فَمَا تَوَاتَرَتْ ثِيَابُهٗ حَتّٰى سَقَطَ...... وَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ.

''جب ربیع بن زیاد کو خراسان میں قتلِ حجر کی خبر پہنچی تو وہ ناراض ہوئے اور فرمایا: اس کے بعد عرب ہمیشہ بہیمانہ طور پر قتل کیے جائیں گے، اگر اُنہوں نے اس قتل پر آواز بلند کی ہوتی تو وہ خود کو محفوظ کر چکے ہوتے، لیکن چونکہ وہ خاموش رہے تو ذلت اُن کا مقدر ہوگئی۔ پھر اُنہوں نے اُن ہی ایام میں نمازِ جمعہ کے بعد لوگوں کو فرمایا: میرا دل زندگی سے بھر چکا ہے، میں دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ پھر اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ بلند کر کے عرض کیا: اے اللہ! اگر تیری بارگاہ میں میرے لیے کچھ خیر ہے تو مجھے جلد ہی اپنی طرف اُٹھا لے، لوگوں نے آمین کہا۔ پھر وہ باہر نکلے تو اپنے کپڑوں کو نہ سنبھال پائے تھے کہ گر گئے، سو اُنہیں اُٹھا کر اُن کے گھر پہنچایا گیا، اور اُسی دن وہ وفات پا گئے''۔

(تاریخ ابن خلدون ج۳ ص۱۷؛ تاریخ الطبري ج۵ ص۲۹۱؛ الکامل فی التاریخ ج۳ ص۸۹؛ مرآة الزمان ج۷ ص۲۹۰؛ البدایة والنهایة ج۱۱ ص۲۵۹)

امام بلاذری کے ہاں حضرت ربیع بن زیاد کے جو الفاظ ہیں، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں اس سے قبل ''صَبْرًا'' (بغیر جنگ، بغیر حد اور بلا جرم) قتل نہیں ہوتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ قَدْ كَانَتْ تَكُوْنُ وَلَمْ يَكُنْ قَتْلَ الصَّبْرِ.

''سنو! اس سے قبل فتنہ تو تھا لیکن ظلماً بہیمانہ قتل ہوتا نہیں تھا''۔

(أنساب الأشراف ج۵ ص۲۷۵، ۲۷۶)

علامہ ابن خلدون کے یہ الفاظ بھی اسی حقیقت کو بیان کر رہے ہیں: '' لَا تَزَالُ الْعَرَبُ تُقْتَلُ بَعْدَهٗ صَبْرًا'' (اس کے بعد عرب ہمیشہ بہیمانہ طور پر قتل کیے جائیں گے) اس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں ''صَبْرًا'' قتل

کرنے کا مؤسس وموجد اسلام کا اولین بادشاہ ہے اور وہ معاویہ ہے۔

حجر بن عدی ﷺ کے قتلِ ناحق پر دل برداشتہ ہو کر ربیع بن زیاد ﷺ کے دعا مانگنے کا ذکر امام ابن عبد البر، امام ابن اثیر جزری، امام مزی، امام ذہبی، حافظ ابن کثیر اور حافظ عسقلانی نے بھی کیا ہے۔

(الاستیعاب ج۱ ص۱۹۹؛ أسد الغابة ج۱ ص۶۹۸؛ تهذيب الكمال ج۹ ص۷۹؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج٤ ص٢٠٦؛ تذهيب تهذيب الكمال ج٣ ص٢١٥؛ البداية والنهاية ج١١ ص٢٥٩؛ تهذيب التهذيب ج٢ ص٤٠٦)

خیال رہے کہ حضرت ربیع بن زیاد ﷺ سے قبل خراسان کے گورنر سیدنا حکم بن عمرو غفاری ﷺ تھے، اُنہوں نے بھی معاویہ کے بعض ناجائز احکام سے تنگ آکر موت کی دعا مانگی تھی جو کہ قبول ہوئی تھی۔ اس چشم کشا واقعہ کو کو باحوالہ دیکھنے کے لیے ہماری کتاب "الصَّحَابَةُ وَالطُّلَقَاءُ" کا مطالعہ کیا جائے۔

سیدنا حجر کی کرامات اور سعادتِ شہادت

سیدنا حجر بن عدی ﷺ مستجاب الدعاء تھے (اُن کی دعا قبول ہوتی تھی) امام احمد فرماتے ہیں: میں نے یحیٰ بن سلیمان سے پوچھا:

أَبَلَغَكَ أَنَّ حُجْرًا كَانَ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، وَكَانَ مِنْ أَفَاضِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ.

"کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ حجر مستجاب الدعاء تھے؟ اُنہوں نے فرمایا: ہاں، اور وہ اصحاب نبی ﷺ کے فاضلین میں سے تھے"۔

(الاستیعاب ج۱ ص۱۹۹؛ أسد الغابة ج۱ ص۶۹۸؛ بغية الطلب ج۵ ص۲۱۱۱)

متعدد علماء کرام نے لکھا ہے:

"جب سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے رفقاء ﷺ کو کوفہ سے شام لے جایا جا رہا تھا تو سیدنا حجر ﷺ کو غسل کی ضرورت پیش آئی۔ اُنہوں نے سپاہی سے کہا: مجھے میرے پینے کا سارا پانی آج ہی دے دو، کل تم مجھے پانی نہ دینا۔ اُس نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ آپ پیاس سے مر جائیں گے اور معاویہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس پر اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تو بادل برسنے لگا، اُنہوں

نے اپنی ضرورت کا پانی لے لیا۔ یہ دیکھ کر اُن کے ساتھیوں نے کہا: آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مشکل سے نجات عطا فرمائے۔ اُنہوں نے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ خِرْ لَنَا.

''اے اللہ! ہمیں بہتری عطا فرما''۔

پس وہ اور اُن کے ساتھی شہید کر دیے گئے''۔

(الإصابة ج۲ ص۳۳؛ فيض القدير ج٤ ص١٢٦؛ جامع كرامات الأولياء ج١ ص١٣١)

پانی ہی کے متعلق ان کی ایک اور کرامت بھی ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ جہاد کے لیے لشکر جا رہا تھا کہ دریائے دجلہ عبور کرنا مشکل ہو گیا، لوگ سوچ و بچار میں تھے کہ سیدنا حجر بن عدی ﷜ کمال یقین کے ساتھ آگے بڑھے تو مشکل آسان ہو گئی۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

''حبیب صہبان بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا، اور وہ حجر بن عدی تھے: تمہیں دشمن کی طرف جانے سے کس چیز نے روک رکھا ہے، اس نطفہ یعنی دجلہ نے؟ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ (اور نہیں ممکن کہ کوئی شخص مرے، بغیر اللہ کی اجازت کے، لکھا ہوا ہے [موت کا] مقررہ وقت) [آل عمران: ١٤٥] پھر اُنہوں نے اپنے گھوڑے کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا تو دوسرے لوگ بھی کود پڑے۔ جب دشمن قوم نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے: جن بھوت آگئے، جن بھوت آگئے، یہ کہتے ہوئے وہ سب لوگ بھاگ گئے''۔

(تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم ج۳ ص۷۷۹؛ المقامات العلية لكرامات الجلية لابن سيد الناس ص٨٤، ٨٥؛ تفسير ابن كثير ج٢ ص١٢٩؛ حياة الصحابة ج٥ ص٢٦٩، ٢٧٠؛ دلائل النبوة لأبي نعيم ج٢ ص٥٧٨، ٥٧٩؛ دلائل النبوة للبيهقي ج٦ ص٥٣، ٥٤؛ تاريخ الطبري ج٤ ص١٣)

قاتلِ حجر ﷜ پر اللہ ﷻ اور اہل آسماں کا غضب

بعض مرسل اور مرفوع احادیث میں نبوی پیش گوئی آئی ہے کہ عذراء کے مقام پر سات افراد کو ظلماً قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ امام فسوی اور دوسرے محدثین کرام عبداللہ بن رزین غافقی سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے

بیان کیا:

سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُوْلُ: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ سَيُقْتَلُ مِنْكُمْ سَبْعَةُ نَفَرٍ بِعَذْرَاءَ ، مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ أَصْحَابِ الْأُخْدُوْدِ ، فَقُتِلَ حُجْرُ بْنُ عَدِيٍّ وَأَصْحَابُهُ.

''میں نے سیدنا علی بن ابی طالب ﷛ کو بیان کرتے ہوئے سنا: اے اہل عراق! عنقریب تم میں سے سات افراد کو عذراء کے مقام پر قتل کیا جائے گا، اُن کی مثال ایسی ہے جیسی اصحاب الاخدود کی، پس سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے ساتھی قتل کیے گئے''۔

(المعرفة والتاريخ ج۳ص۴۱۶؛تاريخ دمشق ج۱۲ص۲۲۷)

نوٹ

اصحاب الاخدود کا دلچسپ واقعہ سورۃ البروج کی چوتھی آیت کے تحت تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ : عَلِيٌّ ﷛ لَايَقُوْلُ مِثْلَ هٰذَا إِلَّا بِأَنْ يَّكُوْنَ سَمِعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ بِإِسْنَادٍ مُرْسَلٍ مَرْفُوْعًا.

''میں کہتا ہوں: سیدنا علی ﷛ ایسی بات نہیں کہہ سکتے ماسوا اس کے کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو، اور بیشک ایسا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مرسل سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا گیا ہے''۔

(دلائل النبوة للبيهقي ج٦ص٤٥٦)

حافظ ابن کثیر، امام سیوطی اور علامہ علی متقی ہندی نے امام بیہقی کے قول کو مقرر رکھا ہے:

البداية والنهاية ج۹ص۲۲۵؛الخصائص الكبرى ج۲ص۲٤۱؛وط: بتحقيق خليل هراس، ج۲ص ۵۰۱؛كنز العمال ج۱۲ص٤۰۵حديث۳۵٤۳۷)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی ؑ کے موقوف قول کو جس مرفوع و مرسل حدیث سے تقویت دینے کا قصد فرمایا ہے وہ یہ ہے:

عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: دَخَلَ مُعَاوِيَةُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ : مَا حَمَلَكَ

عَلٰی قَتْلِ أَهْلِ عَذْرَاءَ حُجْرٍ وَّأَصْحَابِه ؟ فَقَالَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ ! إِنِّيْ رَأَيْتُ قَتْلَهُمْ إِصْلَاحًا لِلْأُمَّةِ ، وَأَنَّ بَقَائَهُمْ فَسَادٌ ، فَقَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : سَيُقْتَلُ بِعَذْرَاءَ نَاسٌ يَغْضِبُ اللّٰهُ لَهُمْ وَأَهْلُ السَّمَاءِ.

''حضرت ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ معاویہ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے فرمایا: تمہیں کس بات نے اہل عذراء حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل پر اُبھارا؟ اُنہوں نے کہا: یا ام المومنین! میں نے اُن کے قتل میں امت کی اصلاح اور اُن کی بقاء میں امت کا فساد سمجھا تھا۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: عنقریب عذراء کے مقام پر کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے، اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل آسمان غضب ناک ہوں گے''۔

(المعرفة والتاريخ ج٣ص٤١٧؛دلائل النبوة للبيهقي ج٦ص٤٥٧؛تاريخ دمشق ج١٢ص٢٢٧؛ البداية والنهاية ج٩ص٢٢٦؛الخصائص الكبرىٰ ج٢ص ٢٤٠؛ وط: بتحقيق خليل هراس، ج٢ص ٥٠٠؛سبل الهدىٰ ج١٠ص١٥٦؛ كنز العمال ج١١ص١٢٦ حديث٣٠٨٨٧ وص١٩٤ حديث ٣١١٩٢وج١٣ص٥٨٨ حديث٣٧٥١٠)

عذرِ گناہ بدتر از گناہ، اب تک ظالم حکمران اسی پالیسی پر گامزن ہیں، وہ اپنے خلاف اُٹھنے والی آوازِ حق کو دبانے کی خاطر لوگوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور بہانہ بناتے ہیں کہ ریاست کی اصلاح کی خاطر ایسا کرنا ناگزیر تھا، جبکہ ظالم و نام نہاد خلفاء کے ایسے ظالمانہ اقدام کو اُن کے چاپلوس حواری اور علماء سوء خطائے اجتہادی بنا دیتے ہیں مگر مذکورہ بالا مکالمہ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ممکنہ خطائے اجتہادی کے دروازے کو حدیث پاک سنا کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے اور واضح فرما دیا ہے کہ یہ اصلاح نہیں بلکہ ایسا فساد ہے جو اہلِ آسماں اور خالق آسماں ﷻ دونوں کے غضب کا سبب ہے۔

پیشوائے ظاہریہ کا قول

سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے رفقاء ﷺ کے قتل پر خالق السماء ﷻ اور اہل آسماں کے غضب کا سبب کیا ہے؟ اہل حدیث حضرات کے پیشوا کے مطابق سببِ غضب فقط یہ ہے کہ اُنہیں کسی جرم کے بغیر قتل کیا گیا۔ اسی لیے ام

المومنین رضی اللہ عنہا ناراض ہوئی تھیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزم معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَفِي أَيَّامِهِ حُوصِرَتِ الْقُسْطُنْطِينِيَّةُ ، وَقُتِلَ حُجْرُ بْنُ عَدِيٍّ وَأَصْحَابُهُ صَبْرًا بِظَاهِرِ دِمَشْقَ أَيْضًا ، مِنَ الْوَهْنِ لِلإِسْلَامِ أَنْ يُقْتَلَ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مِنْ غَيْرِ رِدَّةٍ وَلَا زِنًى بَعْدَ إِحْصَانٍ ، وَلِعَائِشَةَ فِي قَتْلِهِمْ كَلَامٌ مَحْفُوظٌ.

''اُن کے دور میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا، نیز سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے رفقاء رضی اللہ عنہم بھی ظلماً دمشق کے مضافات میں اُنہی کے دور میں قتل کیے گئے۔ یہ اسلام میں کمزوری کا سبب ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہوا سے مرتد ہوئے بغیر اور شادی کے بعد زنا کیے بغیر قتل کیا جائے۔ اُن کے قتل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام محفوظ ہے''۔

(أسماء الخلفاء والولاة وذكر مددهم ،مع جوامع السيرة ص ٣٥٧)

قتلِ ناحق پر موصوف سے ہی حدیث

جب آپ صحابہ، تابعین، خود اراکینِ حکومتِ معاویہ اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں جان چکے ہیں کہ سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کا قتل سراسر ناحق تھا تو یہاں ایک ایسی حدیث بھی سماعت فرماتے چلیے جس کے راوی خود امیر اہل سنت کے ممدوح معاویہ ہی ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ وَكَانَ قَلِيلَ الْحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ : كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلُ يَمُوتُ كَافِرًا ، أَوِ الرَّجُلُ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا.

''ابوادریس بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے معاویہ سے سنا اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں قلیل الحدیث تھے، اُنہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے گا ماسوا اُس شخص کے جو کافر مرا، یا اُس شخص کے جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا''۔

(مسند أحمد ج ٤ ص ٩٩، وط: بتحقيق أحمد شاكر ج ١٣ ص ١٩٧ حديث ١٦٨٤٩؛ سنن النسائي ج ٤ ص ٩٣ حديث ٣٩٩٥؛ المستدرك للحاكم ج ٤ ص ٣٥١؛ المعجم الكبير ج ١٩ ص ٣٦٤، ٣٦٥

حديث٨٥٦، ٨٥٧، ٨٥٨؛الكبائر للذهبي ص ٤٥)

یہ حدیث سیدنا ابوالدرداءؓ سے بھی منقول ہے۔

(سنن أبي داود بتحقيق شعيب الأرنؤوط، ج٦ص ٣٢٥ حديث ٤٢٧٠؛المستدرك للحاكم ج ٤ ص ٣٥١؛صحيح ابن حبان ج١٣ ص٣١٨ حديث ٥٩٨٠)

خیال رہے کہ کبائر کی فہرست میں شرک پہلے اور قتلِ ناحق دوسرے نمبر آتا ہے۔

قتلِ حجر پر امیرِ شام کا پچھتانا

سیدنا حجر بن عدیؓ کے قتلِ ناحق کا یہ واقعہ اختصار کی خواہش کے باوجود بڑھتا چلا گیا ہے، لہٰذا اِس عنوان کے تحت جو دوچار روایات آئی ہیں اُنہیں مکمل نقل کرنے کی بجائے فقط اشارہ کر کے آگے نکلتا ہوں۔

۱۔ یہ قتلِ ناحق مسلسل اُن کا ذہنی تعاقب کرتا رہا، وہ رہ رہ کر سوچتے تھے کہ آیا اُنہوں نے یہ درست کیا ہے یا غلط۔ اس پر اُنہوں نے مروان بن حکم کو خط لکھا کہ میں ایسا کر بیٹھا ہوں تو اُس نے جواباً لکھ بھیجا کہ تمہاری عقل اور حلم کہاں چلے گئے تھے؟

(تاريخ مدينة مشق ج١٢ ص ٢٣٠)

۲۔ حتیٰ کہ بعد از قتل اُنہوں نے کسی اور کو نہیں خود زیاد ہی کو لکھ بھیجا کہ تیرے لکھے پر میں حجر بن عدی کو قتل تو کر بیٹھا لیکن اب اُس کے بارے میں میرے سینے میں اضطراب ہے، لہٰذا تم میرے پاس کسی صالح شخص کو بھیجو تا کہ میں اس معاملہ میں اُس سے تبادلۂ خیال کروں۔ زیاد نے عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ کو بھیجا اور کہا: خبردار! اِس معاملہ میں اُن کی رائے کی قباحت کو اُن پر عیاں نہ کرنا، ورنہ میں تجھے قتل کرا دوں گا۔ وہ شام پہنچے تو اُنہیں کہا گیا: پہلے غسل کر کے کپڑے بدل لو۔ وہ تازہ دم ہو کر تخت پر آبیٹھے تو معاویہ اور اُن کا یوں مکالمہ ہوا:

> ''میری خواہش تھی کہ میں حجر کو قتل نہ کرتا، میں چاہتا تھا کہ اُس کو اور اُس کے ساتھیوں کو قید میں رکھتا، یا اُنہیں شام کے مختلف مقامات پر ٹھہرا دیتا، یا اُنہیں معاف کر کے اُن کے رشتہ داروں پر احسان کر دیتا۔

عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: میں نے کہا: کاش! آپ نے اِن تین باتوں میں سے کسی ایک بات پر عمل کیا ہوتا! وہ کہتے ہیں: یہ کہہ کر میں وہاں سے واپس ہوا، اور مجھے زیاد سے

ملاقات کرنا بہت مبغوض تھا اور میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ روپوش ہوجاؤں گا۔ سو جب میں نے کوفہ پہنچ کر بعض مساجد میں نماز پڑھی تو ایک شخص کی زبان سے سنا کہ زیاد مر چکا ہے۔ یہ سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی"۔

(أنساب الأشراف ج٥ ص٢٧٥)

بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ

مکمل انصاف و ایمان سے بتایئے! اگر کسی شخص کے حق میں واقعی محبوبِ خدا اور ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ کی شان والے مصطفیٰ ﷺ سے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا" کے الفاظ میں دعا منقول ہو تو کیا اُس سے ایسے بے ڈھنگے اور ظالمانہ فیصلے صادر ہو سکتے ہیں جن پر وہ خود ہی مذبذب ہو؟ ہم اس سے قبل حدیث شریف نقل کر چکے ہیں کہ کسی نبی کی دعا رد نہیں ہوتی۔ پھر سید الانبیاء ﷺ کی دعا کیوں کر رد ہو سکتی ہے؟ کسی نے بہت خوب کہا ہے ۔

تیرے منہ سے نکلی جو، وہ بات ہو کے رہی
جو دن کو کہا شب، تو رات ہو کے رہی

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جلو میں اجابت، خواصی میں رحمت — بڑھی کس تزک سے دعائے محمد ﷺ
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا — بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ
اجابت کا سہرا، عنایت کا سہرا — دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

(حدائق بخشش ص ٤١، ٤٢)

حقیقت یہ ہے کہ چور اور راہزن پر کسی ولی کی نگاہ پڑ جائے تو اُس کی کایا پلٹ جاتی ہے جبکہ غافل لوگوں نے دعائے محمد ﷺ کو مذاق بنا رکھا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کے حق میں دعائے سیدنا محمد ﷺ ہو جائے اور پھر اُس سے قتلِ ناحق جیسے بھیانک گناہ بھی سرزد ہوں؟ جس کے حق میں واقعی ہدایت کی دعا ہو جائے تو قطعاً ممکن نہیں کہ وہ ہدایت کے منافی قدم ہی اٹھا سکے۔ آیئے! صحیح حدیث سے ثابت شدہ دعائے محمدی ﷺ کی شان ملاحظہ فرمایئے! محبوبِ خدا ﷺ نے ایک موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یوں دعا دی تھی:

إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَکَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَکَ.

''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت دے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا''۔

(السنن الکبری للنسائي ج۷ص ۴۲۱ حدیث ۸۳۶۶؛ مسند أحمد ج۱ ص ۹۰ حدیث ۶۹۰)

یہ دعا اِن الفاظ میں بھی منقول ہے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَسَدِّدْ لِسَانَهُ.

''اے اللہ! اس کے قلب کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو سلامت رکھ''۔

سیدنا علی ﷺ فرماتے ہیں:

فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ.

''اس کے بعد میں دو شخصوں (یا فریقوں) کے مابین فیصلہ کرتے ہوئے شک کا شکار نہیں ہوا''۔

(خصائص علي ﷺ بتحقیق البلوشي ص ۵۷ حدیث ۳۴؛ سنن ابن ماجه ص ۳۹۵ حدیث ۲۳۱۰)

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ مقدم یا عظمتِ طلقاء؟

میرا ایمان ہے کہ جس انسان کے حق میں ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' کے الفاظ میں دعائے نبوی ﷺ صادر ہو جائے تو اُس سے قتل ایسا گناہِ کبیرہ قطعاً سرزد نہیں ہوسکتا؟ مدعیانِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائیں کہ کیا اُن کے نزدیک ایسا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو صحیح احادیث کی روشنی میں کوئی نظیر پیش کریں کہ اُن کے ممدوح کے علاوہ کسی اور انسان کے حق میں ایسی دعا ثابت ہو اور پھر اُس سے عمداً، سہواً، یا اجتہاداً کبائر کا صدور بھی ہوا ہو۔ اگر وہ ایسی کوئی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوں تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ اپنے ماموں کے حق میں دعائے نبوی ﷺ کو ٹھٹھا بنانے سے باز آجائیں!

جن کی شان میں واقعی دعائے نبوی ﷺ منقول ہے، اُنہوں نے بڑے بڑے معرکے پہلے سر کیے اور تحقیق بعد میں کی کہ آیا جو بڑا اقدم وہ اُٹھا چکے ہیں وہ درست بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ سیدنا علی ﷺ جب خوارج کو تہ تیغ کر کے فارغ ہوئے تو بعد میں اپنے فوجیوں کو فرمایا:

''جاؤ! اِن لوگوں کی نعشوں میں تلاش کرو، اگر ان میں ذوالثدیہ (آدھے بازو والے شخص) کی نعش موجود ہو تو تم نے بدترین لوگوں کو قتل کیا ہے، ورنہ بہترین لوگوں کو مارنے کے

مرتکب ہو چکے ہو۔ لوگوں نے جا کر نعشیں کھنگالیں تو واپس آ کر عرض کیا: اُن میں ایسی نعش نہیں ہے، اور ایسا تین مرتبہ کیا۔ مولیٰ علی علیہ السلام نے فرمایا: نہ ہم جھوٹے ہیں اور نہ ہی جھوٹے قرار پا سکتے ہیں۔ پھر آپ خود تشریف لے گئے تو اُس شخص کی نعش مل گئی''۔

(السنن الكبرى للنسائي ج٧ص٤٧٧ حديث ٨٥١٧؛ المصنف لابن أبي شيبة ج١٥ص٣١١ وط: ج٢١ص٤٣٤، ٤٣٥ حديث ٣٩٠٥٣؛ مسند البزار ج٢ص١٩٦ حديث ٥٨٠)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: "شرح خصائص علي رضي الله عنه" الطبعة الخامسة ص ١٠٢٤، ١٠٢٥ حديث نمبر ١٧٦، ١٧٩، ١٨٠ وغيرها۔

جبکہ دوسری طرف جنہیں "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هادِيًا مَهْدِيًّا" کا مصداق سمجھا جاتا ہے اُن کی رگِ ہدایت اُس وقت بھی نہ پھڑکی جب اُنہیں خود اُنہی کے لوگوں نے منہ پر کہہ دیا تھا کہ قتلِ حجر ہدایت کے منافی ہے۔ چنانچہ علامہ بلاذری لکھتے کہ معاویہ نے عبدالرحمان بن اسود زھری کو بلایا اور کہا:

اِذْهَبْ فَاقْتُلْ حُجْرًا وَأَصْحَابَهُ ، فَقَالَ : أَمَّا وَجَدْتَ رَجُلاً أَجْهَلَ بِاللّٰهِ وَأَعْمَى عَنْ أَمْرِهِ مِنِّي؟

''جاؤ! حجر اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر دو، اُس نے کہا: کیا آپ کو ایسا شخص نہیں ملتا جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے امر کے معاملہ میں مجھ سے زیادہ جاہل اور اندھا ہو؟''۔

(أنساب الأشراف ج٥ص٢٦٨)

اجتہاد یا ظلم؟

سیدنا حجر بن عدی اور اُن کے رفقاء رضی اللہ عنہم کے بارے میں اب تک جو لکھا گیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے قتل کو مؤرخین، سیرت نگار، محدثین، فقہاء کرام، تابعین عظام، صحابہ کرام اور احادیث سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام میں ظلم کہا گیا ہے، اور اِسی وجہ سے فقہاء نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو شہید قرار دیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان قصاص یا حد کے طور پر نہیں بلکہ محض ظلماً قتل کیا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے اور ایسے ہی شہید کو اُسی حال میں دفن کیا جاتا ہے جس حال میں وہ مقتول ہوا۔ اسی لیے فقہاء کرام نے باقاعدہ اُن کے قتلِ ناحق اور اُن کی آخری وصیت کے الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

"اللّٰهُمَّ اجعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا" کی صحت کے قائلین سے سوال ہے کہ اُن کے نزدیک یہ قتلِ ناحق ہادیت ومہدیت ہے یا ظلم وسفاکیت؟ اجتہادی خطا ہے یا ضلالت وغوایت؟ معاویہ کے اپنے گورنر اور اُن کی رعایا کے کچھ لوگوں نے تو اس عمل کو "صَبْـــرًا" (بہیمانہ قتل) قرار دیا تھا، اور ام المومنین کی حدیث کے مطابق یہ قتل غضبِ الٰہی کا سبب ہے، لہٰذا "اللّٰهُمَّ اجعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا" کی صحت کے مدعیان بتلائیں کہ وہ اس قتلِ ناحق پر اپنے مجتہدِ اعظم کے لیے کتنا اجر وثواب ثابت فرماتے ہیں؟

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے تاویلاً بعض لوگوں کا قتل ہو گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَبرَأُ إِلَيكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ.

"اے اللہ! جو خالد نے کیا میں اُس سے بری ہوں"۔

(بخاري ص ٥٩٠ حديث ٤٣٣٩ وص ٩٨٩ حديث ٧١٨٩)

حالانکہ حضرت خالد بن ولید کو شبہ ہوا تھا، کیونکہ اُنہوں نے بنو جذیمہ کے لوگوں کو فرمایا تھا: اسلام لے آؤ! اُنہوں نے جواباً کہا تھا "صَبَأْنَا" (ہم اپنے دین سے پھر گئے) اُنہیں کہنا چاہیئے تھا کہ "أَسْلَمْنَا" (ہم اسلام لے آئے) شارحینِ حدیث نے لکھا ہے جو مشرک شخص اسلام قبول کرتا تھا تو اُسے دوسرے مشرکین صابی کہتے تھے، اس لیے اُن لوگوں نے بھی "صَبَـأْنَـا" کے الفاظ بول دیے۔ حضرت خالد بن ولید نے سمجھا کہ شاید وہ اسلام سے پھر گئے، حالانکہ وہ اس سے قبل مسلمان تھے ہی نہیں۔ بس اس غلط فہمی میں حضرت خالد بن ولید سے وہ قتل ہو گئے تو آقا علیہ السلام نے اُن کے عمل سے براءت کا اظہار فرما دیا، جبکہ معاویہ کو تو سیدنا حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل سے کچھ وقت قبل باقاعدہ پیغام بھیجا تھا کہ "أَنَّا علىٰ بَيْعَتِنَا" (ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں) لیکن موصوف کو اُن کی بات پر یقین نہ آیا اور کہا: "زِيَادٌ أَصْـدَقُ عِـنْدَنَا مِنْ حُجْرٍ" (ہمارے نزدیک زیاد حجر سے زیادہ سچا ہے) اور پھر اُن کے قتل کا حکم دے دیا، حالانکہ حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک بھی تلوار دیکھ کر حالتِ جنگ میں کلمہ پڑھنے لگ جائے تو اُسے بھی قتل کرنا جرم ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ بعض مشرکین نے عین وقت پر کلمہ پڑھ لیا یا کہا: "إِنِّـــــي مُسْلِمٌ" (میں مسلمان ہوں) اور اس کے باوجود اُسے قتل کر دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو فرمایا:

"تم نے اس کو قتل کر دیا جبکہ وہ کہہ چکا تھا کہ میں مسلم ہوں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! اُس نے بچنے کے لیے کہا تھا۔ فرمایا:

هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟

''کیا تم نے اُس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟''۔

(تفسیر ابن أبي حاتم ج٣ص١٠٣٩؛ جامع البیان ج٧ص٣٥٩؛ تفسیر ابن کثیر ج٤ص١٩٣؛ الدر المنثور ج٤ص٦١٧،٦١٨)

اسی استفسارِ نبوی ﷺ کے مطابق سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب سیدنا حجر بن عدی ؓ نے فرمایا تھا کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں تو پھر معاویہ نے اُنہیں کیوں قتل کیا تھا؟ کیا اُس نے اُن کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ پکے جھوٹے اور فریبی ہیں؟

عصرِ حاضر میں حقانیتِ حجر ؓ کے شواہد

سیدنا حجر بن عدی ؓ کے حقیقی شہید ہونے اور معاویہ کے مقابلہ میں اُن کے حق پر ہونے کی واقعاتی شہادت ہمارے اِس دور یعنی مئی 2013ء میں اُس وقت ظاہر ہوئی جب بعض دہشت گرد تنظیموں نے عذراء (موجودہ نام عدراء) کے مقام پر بارودی حملہ سے اُن کی مسجد و مزار کو اڑا دیا تو چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود اُن کا جسم تروتازہ برآمد ہوا۔ چنانچہ انٹرنیٹ پر اُن کی ہڈیاں نہیں بلکہ جسم دکھایا گیا تو اُن کے چہرے پر سرخی کی چمک عیاں تھی۔ بعد میں اُن کے جسم مبارک کو نامعلوم مقام پر لے جایا گیا۔

افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے جس اولین بادشاہ نے سیدنا حجر بن عدی ؓ کو فقط اس لیے قتل کرا دیا کہ وہ شاتمانِ مولا مرتضیٰ کو ٹوکتے تھے، اور اس سے زیادہ افسوس اُن ناصبیوں اور اندھے لوگوں پر ہے جو اُس اولین بادشاہ کے فیضان سے مستفیض ہونے کے خواہشمند ہیں۔

علاوہ ازیں معاویہ کے حکم سے ہونے والے قتلِ ناحق کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جنہیں ہم فی الحال نظر انداز کر رہے ہیں، کیونکہ ہمارا مطلوب ایسے تمام مظالم و واقعات کا استیعاب نہیں بلکہ یہ دِکھلانا مقصود ہے کہ اگر کسی شخص کے حق میں ''اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' ایسی جامع دعا منقول ہو تو اُس سے رشوت، بدعت اور قتلِ ناحق وغیرہ افعالِ قبیحہ کا صدور ناممکن ہو جاتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کسی کی جھوٹی عظمت کے اثبات میں یہ خیال بھی رکھا کریں کہ کہیں عصمت نبوی ﷺ پر تو حرف نہیں آ رہا؟

”وَاهْدِ بِہٖ“ کا جائزہ

”وَاهْدِ بِہٖ“ (اور اُس کے ذریعے اوروں کو ہدایت دے) اِس لفظ کا یہ ترجمہ جلالی صاحب کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو اُنہوں نے 2013ء میں ایوانِ اقبال، لاہور میں کی تھی۔ اس باطل حدیث کے آخری حصہ کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یزید پلید موصوف کا حقیقی بیٹا ہے، اُس کو جو اپنے بابا سے ہدایت ملی وہ سب کے سامنے ہے۔ ان شاء اللہ ﷻ ہم یزید کو اُس کے باپ سے حاصل شدہ ہدایت پر مفصل گفتگو اپنی کتاب ”سیدنا امام حسین علیہ السلام“ میں کریں گے۔ یہاں فقط چھوٹا سا جملہ نقل کرتا ہوں جو ”وَاهْدِ بِہٖ“ کے موضوع و باطل جملہ کی قلعی کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ امام ذہبی یزید کے تعارف میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ نَاصِبِيًّا، فَظًّا، غَلِيظًا، جَلِفًا، يَتَنَاوَلُ الْمُسْكِرَ، وَيَفْعَلُ الْمُنْكَرَ، اِفْتَتَحَ دَوْلَتَهُ بِمَقْتَلِ الشَّهِيدِ الْحُسَيْنِ، وَاخْتَتَمَهَا بِوَاقِعَةِ الْحَرَّةِ.

”وہ ناصبی (دشمنِ اہل بیت) تھا، تند مزاج، سخت دل، تباہ کار، عادی نشئی اور برائی کا خوگر تھا۔ اُس نے اپنی حکومت کا آغاز شہید حسین [رضی اللہ عنہ] کے قتل سے کیا اور اُس کا اختتام واقعۂ حرہ پر کیا“۔

(سير أعلام النبلاء للذهبي ج٤ ص٣٦، ٣٧)

اگر کسی نکتہ دان کو یہ نکتہ سوجھے کہ اِس میں یزید کے باپ کا کیا قصور ہے، آخر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تو بے ہدایت تھا؟ تو میں عرض کروں گا: مغیرہ بن شعبہ، زیاد ابن ابیہ، مروان بن الحکم اور بسر بن ابی ارطاۃ وغیرہ کس کے گورنر تھے؟ اور کیا وہ سب سیدنا علی اور دوسرے اہل بیت کرام علیہم السلام پر اپنی مرضی سے سبّ وشتم کرتے تھے؟ مساجد کے منبروں پر کھڑے ہو کر لعنت کرنا اور اسی ناپاک مقصد کی خاطر خطبۂ عیدین کو بھی نمازِ عید پر مقدم کرنا کس کے حکم یا ایماء پر ہوا تھا؟ اگر گورنروں نے یہ ناپاک سلسلہ ازخود شروع کر دیا تھا تو ”وَاهْدِ بِہٖ“ کے مصداق نے اُنہیں روکا کیوں نہیں تھا؟ چالیس سال سے مسلسل حکومت کرنے والے ہادی، مہدی اور ”وَاهْدِ بِہٖ“ کے پاس کیا اتنی پاور بھی نہیں تھی کہ وہ ایک حکم سے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس لعنت کو ختم کر جاتے؟ جو کام دو سالہ حکومت میں سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کر گئے وہ اُن سے کیوں نہ ہو سکا؟ مولانا عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

”خلفاء بنو امیہ نے مذہب کے متعلق سب سے بڑی بدعت جو ایجاد کی تھی وہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر علانیہ خطبے میں لعن وطعن کرتے تھے، اور چونکہ لوگ اس کا سننا گوارا نہیں کرتے

تھے، اور خطبہ سننے سے پہلے ہی اٹھ جایا کرتے تھے، اس لیے امیر معاویہؓ نے نماز عیدین سے پہلے ہی خطبہ پڑھنا شروع کیا جو دوسری بدعت تھی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام گورنروں کے نام فرمان جاری کیا اور خطبے میں حضرت علی کے متعلق جو نا ملائم الفاظ شامل کر دیے گئے تھے اُن کو نکلوا دیا اور اُن کی جگہ قرآن مجید کی یہ آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ...﴾ داخل کر دی جو آج تک برابر پڑھی جاتی ہے''۔

(سيرت عمر بن عبدالعزيز للندوي ص١٣٩؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص٣٩٤؛ مناقب عمر بن عبد العزيز لابن الجوزي ص٣٣٣)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی جامعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلِجَمْعِهَا مَا جَمَعَتْ أَقَامَهَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ حِيْنَ آلَتِ الْخِلَافَةُ إِلَيْهِ مَقَامَ مَا كَانَ بَنُوْ أُمَيَّةَ ـ غَضَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ ـ يَجْعَلُوْنَهُ فِيْ أَوَاخِرِ خُطَبِهِمْ مِنْ سَبِّ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ، وَلَعَنَ كُلَّ مَنْ بَغَضَهُ وَسَبَّهُ، وَكَانَ ذٰلِكَ مِنْ أَعْظَمِ مَآثِرِهِ ﷺ.

''اور اس آیت کی جامعیت کی وجہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز ﷺ نے اس کو اپنی خلافت کے دور میں اُس مقام پر رکھا جہاں بنوامیہ ـ اللہ تعالیٰ اُن پر غضب نازل فرمائے ـ اپنے خطبوں کے آخر میں سیدنا علی پر سب کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سیدنا علی کی ذات کو مکرم فرمائے اور اُن کے مبغضین و شاتمین پر لعنت فرمائے ـ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عظیم کارناموں سے ہے''۔

(روح المعاني ج١٤ ص٢٧٣)

دورِ معاویہ سے شروع ہونے والی یہ بدعتِ سیئہ اس قدر رائج، شائع اور عام ہوگئی تھی کہ اس سے خود سیدنا عمر بن عبدالعزیز ﷺ بھی نہیں بچ سکے تھے ـ چنانچہ سابقہ دور میں کبھی وہ بھی سیدنا علی ﷺ پر سب و شتم کرتے تھے، پھر اُنہیں عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے نصیحت فرمائی تو باز آ گئے تھے، تو یہ فرمائی تھی اور خلافت سنبھالنے کے بعد اس بدعتِ سیئہ کو ختم بھی فرما دیا تھا۔

(الكامل في التاريخ ج٤ ص٩٨، ٩٩)

یزید کو ابن نوح کی طرح قرار دے کر معاویہ کا دفاع کرنے والے لوگ بتلائیں کہ چلئے تمہارے بقول

یزید تو پسرِ نوح کی طرح ٹھہرا اور وہ "وَاهْدِ بِهٖ" کی تاثیر سے محروم رہا مگر معاویہ کی حیات میں اُن کے مذکورہ بالا گورنروں سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور کے آغاز تک جو حکومتی لوگ سب و شتم کرتے رہے، وہ کیوں "وَاهْدِ بِهٖ" کے مصداق کی ہدایت و تاثیر سے محروم رہے؟

خود ملوکِ بنو امیہ کے بعض وکلاء کے قلم سے یہاں تک نکل گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور معاویہ بن یزید کے علاوہ تمام ملوک بنو امیہ ناصبی تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ قَدْ كَانَ نَاصِبِيًّا إِلَّا الإِمَامَ عُمَرَ التَّقِيَّا
مُعَاوِيَةُ ثُمَّ ابْنُهُ يَزِيدُ وَابْنُ ابْنِهٖ مُعَاوِیَ السَّدِيدُ

"وہ سب کے سب ناصبی تھے ماسوا امام عمر متقی کے،
معاویہ پھر اُس کا بیٹا یزید اور اُس کا پوتا معاویہ سچا"۔

(البداية والنهاية بتحقيق محسن التركي ج۱۷ ص ۳۷۵)

اس کلام میں یزید کے بیٹے معاویہ کو "سدید" (سچا) اس لیے کہا گیا کہ اُس نے اپنے دادا اور باپ کو غلط قرار دیا تھا اور اُن دونوں کے بارے میں "فَصَارَ فِي قَبْرِهٖ رَهِينًا بِذُنُوبِهٖ" کے الفاظ استعمال کیے تھے، جبکہ سیدنا علی اور امام حسین علیہما السلام کو برحق تسلیم کیا تھا، جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقة" میں لکھا ہے۔

"وَاهْدِ بِهٖ" کا مصداق پھر بدعات؟

کثیر تعداد میں ایسے بزرگ ہو گذرے ہیں جو سنتِ نبوی ﷺ کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے تھے، حالانکہ اُن کے حق میں "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ" کی دعا منقول نہیں ہوئی، جبکہ "وَاهْدِ بِهٖ" کے نام نہاد مصداق کا معاملہ یہ رہا کہ وہ حرام تک کے مرتکب ہو گئے، مثلاً شراب، سود، رشوت وغیرہ۔ پھر وہ سنت میں کمی بیشی اور تبدیلی کے بھی مرتکب ہوئے۔ مثلاً امام سیوطی لکھتے ہیں:

قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ: أَوَّلُ مَنْ أَحْدَثَ الأَذَانَ فِي الْعِيدِ مُعَاوِيَةُ. أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَقَالَ: أَوَّلُ مَنْ نَقَصَ التَّكْبِيرَ مُعَاوِيَةُ.

"پہلا شخص جس نے عید میں اذان کی بدعت نکالی معاویہ ہے۔ اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت

کیا ہے، اور فرمایا ہے: اول شخص جس نے عیدین کی تکبیریں کم کی تھیں وہ بھی معاویہ ہے''۔

(تاريخ الخلفاء للسيوطي ص ۳۳۲)

بدعت برائے لعنت

نہ صرف یہ کہ مذکورہ بدعت نکالی تھی بلکہ عیدین کے خطبہ کو بھی نمازِ عیدین سے پہلے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام سیوطی لکھتے ہیں:

عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَوَّلُ مَنْ أَحْدَثَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْعِيدِ مُعَاوِيَةُ.

''امام زہری فرماتے ہیں: اول شخص جس نے عید کی نماز سے قبل خطبہ کی بدعت نکالی وہ معاویہ ہے''۔

(فتح الباري ج۳ ص ۲۷۸؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص ۳۳۱)

اِس تقدیمِ خطبہ کا مقصد حصولِ رضائے الٰہی نہیں تھا بلکہ سیدنا علی ؓ پر سبّ وشتم اور لعنت کرنا مقصود تھا۔ پہلے یہ ناپاک سلسلہ عیدین کے بعد ہی ہوتا تھا اور خطبۂ عیدین کا پڑھنا نمازِ عیدین کے بعد سنت ہے، لیکن چونکہ صالحین اور پرہیزگار لوگ خطباءِ بنوامیہ کی بکواسات سن سن کر تنگ آ گئے تھے اور وہ نمازِ عید پڑھ کر فوراً گھروں کو چلے جاتے تھے، اس لیے اُن ظالموں نے خطبہ کو نمازِ عیدین پر مقدم کر دیا تھا تاکہ لوگ جب مجبوراً خطبہ سننے کے لیے بیٹھیں گے تو لامحالہ اُنہیں اُن کی بکواسات ولغویات بھی سننا پڑیں گی۔ چنانچہ امام علاؤالدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> **وَإِنَّمَا أَحْدَثَ بَنُو أُمَيَّةَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي خُطْبَتِهِمْ بِمَا لَا يَحِلُّ وَكَانَ النَّاسُ لَا يَجْلِسُونَ بَعْدَ الصَّلَاةِ لِسِمَاعِهَا ، فَأَحْدَثُوهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ لِيُسْمِعَهَا النَّاسَ.**
>
> ''نمازِ (عید) سے پہلے خطبہ دینے کی بدعت بنواُمیہ نے نکالی تھی، اس لیے کہ وہ اپنے خطبہ میں ایسی باتیں کرتے تھے جو حلال نہیں تھیں، اور چونکہ لوگ ایسی باتیں سننے کے لئے بیٹھتے نہیں تھے اس لیے انہوں نے خطبہ کو نمازِ عید سے پہلے شروع کر دیا تاکہ زبردستی لوگوں کو سنایا جائے''۔

(بدائع الصنائع للكاساني الحنفي ج۲ ص ۲۴۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بعض علماء نے بنوامیہ کے اِس عمل کا مقصد یہ بیان کیا ہے اور اسی پر اتفاق کیا ہے کہ بنوامیہ نے دونوں خطبوں میں اُن ہستیوں پر لعنت بھیجنے کی بدعت نکال لی تھی جن پر لعنت بھیجنا جائز نہیں تھا، پس جونہی نماز مکمل ہوتی تو لوگ دوڑ لگا دیتے اور اُنہیں تنہا چھوڑ جاتے، سو اِس لیے اُنہوں نے خطبہ کو مقدم کر دیا''۔

(إكمال المعلم ج۳ص ۲۹۰)

اِس سب وشتم اور لعنت کی خاطر خطبۂ عیدین کو نمازِ عیدین پر مقدم کرنے کی بدعت کا موجد کون تھا؟ آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاویہ ہی تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مروان اور زیاد نے یہ بدعت نکالی تھی لیکن یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ صدر کے حکم کے بغیر گورنر اتنی بڑی تبدیلی کر سکتے ہیں؟ اوپر کے آرڈر کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں، اسی لیے قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اور الفاظ حافظ کے ہیں:

وَلا مُخَالَفَةَ بَيْنَ هٰذَيْنِ الْأَثَرَيْنِ وَ أَثَرِ مَرْوَانَ ، لِأَنَّ كُلًّا مِنْ مَرْوَانَ وَزِيَادَ كَانَ عَامِلًا لِمُعَاوِيَةَ ، فَيُحْمَلُ عَلٰى أَنَّهُ اِبْتَدَأَ ذٰلِكَ وَتَبِعَهُ عُمَّالُهُ.

''اِن دونوں قولوں اور اثرِ مروان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ مروان اور زیاد دونوں معاویہ کے گورنر تھے، لہٰذا اس بدعت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی ابتدا معاویہ نے کی تھی اور اُس کے گورنروں نے اس کی پیروی کی تھی''۔

(فتح الباري ج۳ص۲۷۸؛ إكمال المعلم ج۳ص ۲۹۰)

یہ محض احتمال ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اِس بدعت سیئہ کا آغاز معاویہ نے ہی کیا تھا، کیونکہ اس کی پیروی فقط گورنرِ مدینہ مروان اور گورنرِ کوفہ زیاد ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ تمام خطباء پر لازم تھا کہ وہ اس پر عمل کریں۔ چنانچہ شیخ ابوالفتوح عبداللہ بن عبدالقادر التلید ی لکھتے ہیں:

''بنوامیہ کے دور میں ستر ہزار سے زائد منبر تھے، جن پر سیدنا علی علیہ السلام پر لعنت کی جاتی تھی''۔

(الأنوار الباهرة ص ٤٤)

امام غزالی لکھتے ہیں:

ثُمَّ إِجْمَاعُ الْجَمَاهِيرِ بِشَتْمِ عَلِيٍّ أَلْفَ شَهْرٍ عَلَى الْمَنَابِرِ.

''پھر تمام جمہوریوں کا اجماع ہے کہ ہزار مہینوں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر منبروں پر سب وشتم کیا گیا''۔

(سر العالَمِیْن و کشف مافی الدارین [مجموعة رسائل للغزالي]ص ١٢)

یہ سلسلہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور تک جاری رہا اور پھر اُن کے حکم سے ختم ہوا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، لہٰذا ایمان و انصاف سے بتلایئے کہ سیدنا علی اور دوسرے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم پر سبّ وشتم اور لعنت کرنے کے لیے سنت نبوی میں کمی، سنت نبوی میں اضافہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تبدیلی کرنا، کیا یہ سب ہدایت ہے اور کیا یہ ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ'' کی برکات کا اظہار ہے؟

یزید کی تقرری سنت یا بدعت؟

علماءِ حدیث کا کہنا ہے کہ اور تو اور مسلم امہ پر ظالم ملوکیت کا تسلط بھی سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تبدیلی کی وجہ سے ہوا، اور اس کا ارتکاب بھی اُسی شخص سے ہوا جسے ''وَاهْدِ بِهٖ'' کا مصداق قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن ابی عاصم لکھتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

أَوَّلُ مَنْ يُغَيِّرُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي أُمَيَّةَ.

''اول شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا بنوامیہ سے ہوگا''۔

(الأوائل لابن أبي عاصم ص ٧٧ حديث ٦٣؛ المصنف لابن أبي شيبة ج١٩ ص ٥٥٤، ٥٥٥ حديث ٣٧٠٢٧)

امام سیوطی کی ''الجامع الصغیر'' میں یہ حدیث ''يُغَيِّرُ'' کی بجائے ''يُبَدِّلُ'' کے لفظ سے ہے۔ علامہ البانی نے وہاں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(صحيح الجامع الصغير للألباني ٤٠٥ حديث ٢٥٨٢؛ جمع الجوامع للسيوطي ج٣ ص ٢٥٥ حديث ٨٨١٩)

بعض راویوں نے اس حدیث کے آخر میں ''يُقَالُ لَهُ: يَزِيْدُ'' کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے، شاید اس سے اُن کا مقصد اِس حدیث کا مصداق معیّن کرنا ہوگا، لیکن جب یزید بن معاویہ سے قبل سنت نبوی میں کئی تبدیلیاں ہو چکی تھیں اور خود یزید کا اقتدار بھی اُنہیں تبدیلیوں کا نتیجہ تھا تو پھر کسی حدیث میں ایسے اضافے کیسے جائز ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے نبوی پیش گوئی واقعاتی حقائق کے مطابق نہ ہو۔ بلاشبہ بنوامیہ میں سے یزید بن معاویہ بھی تغییر سنت

کا مرتکب ہوا لیکن اس سلسلے میں وہ پہلا شخص نہیں ہے بلکہ پہلا شخص اُس کا باپ ہے۔ چنانچہ مشہور سلفی مصنف علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی یمانی مذکورہ اضافی الفاظ کے بعد لکھتے ہیں:

قُلْتُ : وَكَانَ يَقَعُ لَنَا أَنَّهُ مُعَاوِيَةُ ، لِأَنَّهُ بَدَّلَ كَثِيْرًا مِنَ السُّنَّةِ ، كَتَغْيِيْرِهِ سُنَّةَ "الْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ" بِاسْتِلْحَاقِ زِيَادِ بْنِ أَبِيْهِ ، وَاسْتَأْثَرَ عَلَى الْأَنْصَارِ وَغَيَّرَ وَصِيَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيهِمْ ، وَبَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ وَوَرَقٍ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا.

''میں کہتا ہوں: ہمارے سامنے حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد معاویہ ہے، اس لیے کہ اُنہوں نے بہت سی سنتوں کو تبدیل کیا، جیسا کہ حدیث "الْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ" کو زیاد ابن ابیہ کے استلحاق سے تبدیل کیا، انصار ؓ پر دوسروں کو ترجیح دی، اُن کے بارے میں وصیتِ نبوی ﷺ کو تبدیل کر دیا اور سونے اور چاندی کے برتن کو اُس کے اصل وزن سے زائد میں بیچا''۔

اس حدیث کی تشریح کے آخر میں علامہ صنعانی نے یہ بھی لکھا ہے:

وَوُرُوْدُ النَّصِّ بِأَنَّهُ ابْنُهُ لَا مَجَالَ لِلنَّظَرِ.

''نص کی موجودگی میں کہ اس سے اُن کا بیٹا مراد ہے، قیاس کی گنجائش نہیں''۔

(التنوير شرح الجامع الصغير ج٤ ص٣٤٤)

لیکن بادی النظر میں "يُقَالُ لَهُ يَزِيْدُ" کا تفسیری جملہ مدرج معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچھ محدثین نے نقل ہی نہیں کیا۔ چنانچہ امام ابن عدی جیسے ماہر محدث کے کلام سے بھی یہ تأثر ملتا ہے کہ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں اور نہ ہی یہ سیدنا ابوذر ؓ سے ثابت ہیں بلکہ یہ کسی اور شخص نے اپنی طرف سے وضاحتاً شامل کر دیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَفِي بَعْضِ الْأَخْبَارِ مُفَسَّرًا زَادَ يُقَالُ لَهُ : يَزِيْدُ.

''بعض روایات میں وضاحتی اضافہ ہے کہ اُس کو یزید کہا جائے گا''۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج٤ ص٩٧)

بعد میں اِن الفاظ کے شامل کرنے کی اہم دلیل ایک اور حدیث سے ملتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جب یزید بن ابوسفیان شام پر امیر تھا تو مسلمانوں نے ایک جنگ کی، اُس میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اُس میں ایک خوبصورت لڑکی تھی جو کسی مسلمان کے حصہ میں آئی۔ یزید بن

ابوسفیان نے اُس کو اپنے پاس منگوالیا، اُن دنوں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے، اُس شخص نے اُن کے ہاں شکایت کی تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اُس کی مدد کے لیے یزید بن ابی سفیان کے پاس گئے اور اُسے کہا کہ وہ لونڈی اس شخص کو واپس کر دو۔ یزید نے پس وپیش سے کام لیا تو اُنہوں نے فرمایا: اگر تم پس وپیش ایسا کرتے ہو تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

أَوَّلُ مَنْ يُبَدِّلُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ.

پہلا شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا وہ بنوامیہ سے ہوگا۔

یہ کہہ کر وہ چل دیے تو یزید بن ابی سفیان اُن کے پیچھے گیا اور کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ اس پر یزید نے وہ لونڈی اُس شخص کو لوٹا دی''۔

(تاريخ دمشق ج٦٥ ص ٢٥٠؛ إتحاف الخيرة المهرة ج٦ ص٤٠٨ حديث ٦١٦٠)

کیا ابوالعالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی؟

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت ابوالعالیہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے، لیکن یہ اُن کی مغالطہ آفرینی یا غلط فہمی ہے، کیونکہ اِن دونوں حضرات کی باہم ملاقات ثابت ہے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ خَالِدٌ أَبُو الْمُهَاجِرِ ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ : كُنْتُ بِالشَّامِ مَعَ أَبِي ذَرٍّ.

''ابوالمہاجر خالد حضرت ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: میں شام میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا''۔

(سير أعلام النبلاء ج٤ ص٢٠٩)

اس سے قبل امام ذہبی اُن کا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے سماع بھی نقل کر چکے ہیں، اُن کے الفاظ ہیں:

وَسَمِعَ مِنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ ، وَأُبَيٍّ ، وَأَبِي ذَرٍّ.

''اور اُنہوں نے سیدنا عمر، علی، اُبی بن کعب اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے''۔

(سير أعلام النبلاء ج٤ ص٢٠٧)

اِس سے معلوم ہوا کہ واقعی '' يُقَالُ لَهُ : يَزِيدُ'' کے الفاظ بعد کی ایجاد ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حدیث میں کسی اُموی شخص کو نامزد کیا ہوتا تو سیدنا ابوذر ﷺ جو اِس حد تک صاف اور واضح بات کرنے کے عادی تھے کہ توریہ، تعریض اور کنایہ وغیرہ کے روادار بھی نہیں تھے، وہ ضرور یزید بن ابی سفیان کو فرما دیتے کہ ہاں رسول اللہ ﷺ نے کسی یزید کا نام تو لیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ تم ہو یا کوئی اور۔ خیال رہے کہ سیدنا ابوذر ﷺ کا وصال ۳۱، یا ۳۲ھ میں ہوا تھا اور اُس وقت یزید بن معاویہ کی عمر چھ سات سال کی تھی اور وہ اُس وقت کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جب اُسے اقتدار ملا اور اُس کے پر پرزے نکلے یعنی اُس کی اصلیت ظاہر ہوئی تو یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بعض لوگوں نے "يُقَالُ لَهُ : يَزِيدُ" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا، ورنہ اصلاً یہ الفاظ سیدنا ابوذر ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

انتخاب کو وراثت میں کس نے بدلا؟

علامہ البانی ایسے سلفی محدث نے بھی اس اضافہ کو اپنی کتاب "السلسلة الصحيحة" میں لانے کی زحمت نہیں فرمائی اور اُنہوں نے کسی شخص کا نام لیے بغیر اُسی شخص کو سنتِ نبوی میں تبدیلی کرنے والا کہا ہے جس نے نظامِ انتخاب کو وراثت میں تبدیل کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے پہلے "مِنْ أَعْلَامِ نُبُوَّتِهِ ﷺ الْغَيْبِيَّةِ" (نبی کریم ﷺ کا غیبی خبریں دینا) کا عنوان قائم کیا ہے، پھر یہی حدیث نقل کر کے لکھا ہے:

> وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بِالْحَدِيثِ تَغْيِيرُ نِظَامِ اخْتِيَارِ الْخَلَافَةِ وَجَعْلِهِ وِرَاثَةً.
>
> "شاید اس حدیث سے مراد انتخابِ خلافت کو بدلنا اور اُسے موروثی بنانا ہے"۔

(السلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني ج ٤ ص ٣٢٩، ٣٣٠ حديث ١٧٤٩)

اِس تبدیلی کا بھیانک انجام

ظاہر ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد جس نے اقتدار کا رُخ طریقۂ انتخاب سے وراثت کی طرف موڑا وہ معاویہ بن ابی سفیان ہے اور اُن کا بیٹا یزید اُن کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ سنتِ نبوی کو تبدیل کرنے کا یہ اقدام کس قدر خطرناک اور بھیانک تھا؟ اس کا کچھ اندازہ فاضل دیوبند علامہ سعید احمد اکبرآبادی کے اِن الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعتِ خلافت لے کر اس طرزِ حکومت کو ایسا استوار کر دیا کہ آج تک اس کی بنیادیں قائم ہیں۔ اس وقت صحابہ میں اور ان

کے علاوہ تابعین میں بعض ایسے افراد موجود تھے کہ اگر حضرت معاویہ ان میں سے حضرت عمر کی طرح چند حضرات کا یا حضرت ابوبکر کی طرح کسی ایک شخص کا انتخاب فرما کر بطور وصیت ان کے حق میں خلافت کی سفارش کر جاتے تو بے شبہ وہ فساد پیدا نہ ہوتا جو یزید کو خلیفہ بنانے سے پیدا ہوا، اور جس کے باعث بادشاہت محض ایک خاندانی ورثہ ہو کر رہ گئی۔ خلیفہ کے لفظ میں دینی اقتدار کا مفہوم بھی شامل تھا، اس لیے بنوامیہ نے اس لقب کو ترک نہیں کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت اب ختم ہو چکی تھی اور یہ جو کچھ بھی تھا ایک فریب اصطلاح سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

امیر معاویہ نے جس طرح حکومت بجبر حاصل کی تھی، اسی طرح یزید کی بیعتِ خلافت بھی بجبر لی گئی، جو حضرات دل سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کو بھی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا پڑا، ملوکیت یا شخصی حکومت کا سب سے زیادہ برا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام میں حریتِ فکر اور آزادیٔ بیان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور قہر وغلبہ اور استبداد وتشدد کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ بنوامیہ میں ملوکیت کے یہ تمام جراثیم پائے جاتے تھے"۔

(مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۵۳)

یہاں پہلے سیدنا جابر بن عبداللہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وہ قول مدنظر رکھئے جو ہم اس سے قبل نقل کر چکے ہیں کہ اُنہوں نے خود بیعتِ معاویہ کو بھی ضلالت قرار دیا تھا اور پھر مجبوراً بیعت کر بھی لی تھی، اور پھر اندازہ لگائیے کہ جس شخص نے خود بھی جنگ وجدال کے ذریعے حکومت حاصل کی اور اپنے بیٹے کی بیعت بھی جبر واستبداد سے حاصل کر کے نظامِ خلافت کی انتخابی سنت کو جبر و وراثت میں تبدیل کر دیا، اُس کے بارے میں کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اُس کے حق میں "اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ" کے مشتمل الفاظ پر دعائے نبوی کی حدیث غیر موضوع ہے؟ کیا معاذ اللہ، یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ موصوف کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو دعا فرمائی تھی اُس کے اندر دوسری بدعات اور سب وشتم کے علاوہ خلافت کو ملوکیت میں بدلنے کی طاقت کی دعا بھی تھی؟

تقریرِ یزید میں ہمارے لوگوں کی نکتہ آفرینی

یزید پلید کی جس ولی عہدی اور جانشینی کو سلفی حضرات اور علماء دیوبند نے جبر، فساد اور سنت نبوی کی تبدیلی

تک تسلیم کیا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اُس تبدیلی کو کچھ نام نہاد عشاقانِ مصطفیٰ سنتِ انبیاء کہنے سے بھی باز نہیں آئے۔ چنانچہ امیر اہل سنت ایک مقام پر شیطانی وسوسہ اور بزعم خویش اُس کی بیخ کنی کی کوشش میں لکھتے ہیں:

''وسوسہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر فرمایا اور اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کرنا درست نہیں۔

جواب: میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! اس طرح کے اعتراض اور شیطانی وسوسے مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں کیونکہ پہلے خلیفہ کا دوسرے کو اپنی زندگی میں خلیفہ کرنا درست ہے چنانچہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وسوسے کی کاٹ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: خلافت کی سپردگی کے چند طریقے ہیں۔(۱) رائے عامہ سے خلیفہ بننا جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت (۲) پہلے خلیفہ کے انتخاب سے خلافت جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت (۳) خاص اہل حل وعقد کے انتخاب سے خلافت جیسے حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت۔

اگر مذکورہ اعتراض کی وجہ سے (حضرت) امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قصوروار ہیں تو یہی اعتراض حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر بھی آئے گا۔

اپنے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا کسی آیت یا حدیث کی رو سے ممنوع نہیں اگر ممنوع ہے تو وہ آیت یا حدیث پیش کرو۔ آج عام طور پر صوفیاء مشائخ سلاطین اپنی اولاد کو گدی نشین اپنا جانشین بناتے ہیں کیا ان مشائخ صوفیاء کرام کو فاسق کہو گے؟

غرض کہ اپنی اولاد کو اپنا جانشین کرنا کسی آیت وحدیث کی رو سے جرم نہیں۔ اس سے پہلے امام حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے خلیفہ بن چکے تھے، بیٹے کا خلیفہ بننا حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے شروع ہوا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی کہ مولیٰ میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو میرا وزیر بنا دے **وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ،هَارُوْنَ أَخِيْ ،اُشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ،وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ.** ترجمہ کنز الایمان۔ اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے، وہ کون میرا بھائی ہارون اس سے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ آپ کی یہ

دعا قبول فرمائی گئی رب نے آپ پر ناراضی نہ فرمائی کہ تم اپنوں کے لیے کوشش کیوں کرتے ہو۔

حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام نے رب العالمین سے فرزند مانگا اور دعا کی کہ وہ میرا بیٹا میرا جانشین ہو یہ دعا قبول ہوئی رب فرماتا ہے: فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ. ترجمہ کنزالایمان: ''تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھا لے، وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو۔''

غرض کہ اپنے فرزند اپنے بھائی اپنے اہلِ قرابت کو اپنا نائب کرنا نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ اس کی کوشش کرنا اس کی دعا کرنا انبیاء سے ثابت ہے''۔

(فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱)

امیر اہلِ سنت کی نکتہ آفرینی کا جائزہ

اس عبارت میں پانچ دلائل دیے گئے ہیں:

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا

۲۔ قرآن وسنت میں بیٹے کو خلیفہ بنانے کی ممانعت کا نہ ہونا

۳۔ صوفیاء مشائخ سلاطین کا اپنی اولاد کو گدی نشین اپنا جانشین بنانا

۴۔ بیٹے کا خلیفہ بننا حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے شروع ہوا۔

۵۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنے لیے اپنی اولاد کو بطور جانشین مانگنا۔

یہ پانچوں کے پانچوں دلائل نہ صرف یہ کہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں مردود و باطل بھی ہیں۔

۱۔ امیر اہلِ سنت کی سب سے پہلی دلیل ہے:

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا''۔

یہ دلیل اس لیے مردود و باطل ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے نہیں تھے، بلکہ اُن دونوں کا خاندان بھی ایک نہیں تھا۔ اول الذکر بنو عدی سے تھے اور ثانی الذکر بنو تیم سے، جبکہ وسوسہ یا اعتراض کی وجہ بیٹے کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنانا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ تنہا نہیں کیا تھا بلکہ اِس

سلسلہ میں اُنہوں نے متعدد اکابر صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ بھی کیا تھا۔

۲۔ امیر اہل سنت کی دوسری دلیل ہے:

''قرآن وسنت میں بیٹے کو خلیفہ بنانے کی ممانعت کا نہ ہونا''۔

یہ دلیل بھی مردود و باطل ہے، اس لیے کہ کتاب وسنت میں امانتوں کو لائق لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم ہے، اور معاویہ نے اپنے نالائق بیٹے کو اپنی وفات سے کئی برس قبل اپنا ولی عہد بنانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۵۱ھ میں اُنہوں نے بیعت یزید کے لیے شہروں کے دورے شروع کر دیے تھے اور اسی مقصد کی خاطر وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی آئے تھے۔

(تاریخ خلیفة بن خیاط ص ۲۱۳)

وہ مدینہ منورہ اور مکۃ المکرمہ میں تو اس مقصد کی خاطر ۵۱ھ میں آئے تھے مگر دوسرے مقامات پر وہ یہ کام اس سے قبل شروع کر چکے تھے، کیونکہ یزید کو ولی عہد بنانے میں اُنہوں نے مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ بھی قبول کیا تھا اور مغیرہ کی وفات ۵۰ میں ہوئی تھی، اور چونکہ اسی مشورہ کی بدولت مغیرہ کو تاحیات گورنری پر بحال کر دیا گیا تھا، لہٰذا ظاہر ہے کہ مغیرہ کی وفات یعنی [۵۰ھ] سے قبل ہی یزید کی ولی عہدی کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی گئی تھی۔ امام ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۵۶ھ میں لوگوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی اور اُس کی ابتدا مغیرہ بن شعبہ سے ہوئی تھی۔ جبکہ امام ابن اثیر اس سے قبل سنہ ۵۰ھ میں مغیرہ کی وفات لکھ چکے ہیں۔

(الکامل فی التاریخ ج۳ ص ۵۹، ۹۷)

حتیٰ کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَكَانَ مُعَاوِيَةُ قَدْ أَشَارَ بِالْبَيْعَةِ إِلىٰ يَزِيْدَ فِيْ حَيَاةِ الْحَسَنِ ، وَعَرَّضَ بِهَا وَلٰكِنَّهُ لَمْ يَكْشِفْهَا وَلَا عَزَمَ عَلَيْهَا إِلَّا بَعْدَ مَوْتِ الْحَسَنِ.

''معاویہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی حیات میں ہی یزید کی بیعت کی طرف اشارے اور کنائے کرتے تھے لیکن اُنہوں نے اس چاہت کا برملا اظہار اور عزم امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد کیا تھا''۔

(الاستیعاب ج۱ ص ۲۴۳)

یہ بات حق ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ معاویہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت پر خوش ہوئے تھے، جیسا

کہ ہم اس سے قبل ''کیا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت مصیبت نہیں تھی؟'' کے عنوان کے تحت بعض احادیث نقل کر چکے ہیں۔ امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۴۹ھ میں لکھی ہے۔

(الكامل في التاريخ ج٣ص٥٨؛البداية والنهاية ج٨ص٣٢)

جبکہ معاویہ کی وفات [۶۰ھ] میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کم از کم اپنی وفات سے دس گیارہ سال قبل ہی یزید خبیث کی بیعت کے لیے کوشاں ہو گئے تھے۔ ایمان وانصاف سے بتائیے کہ کیا اُس وقت یزید پلید سے بہتر لوگ موجود نہیں تھے؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو لائق حضرات کو چھوڑ کر نالائق شخص کو مسلمانوں کی باگ ڈور تھما دینا قرآن وسنت سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟

یاد رکھئے کہ اس ولی عہدی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند خال المومنین سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ہرقلی طریقہ قرار دیا تھا۔ جیسا کہ متعدد محدثین ومفسرین کرام نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(تفسير النسائي ج٢ص٢٩٠حديث٥٥١؛السنن الكبرى للنسائي ج١٠ص٢٥٧حديث١١٤٢٧؛ المستدرك ج٤ص٤٨٠وط:ج٥ص٤٧٨حديث٨٥٣٠؛تفسير ابن كثير ج٤ص١٧٢؛الكافي الشاف ص٢٥٥؛الدر المنثور ج٧ص٤٤٤وط:ج١٣ص٣٢٨؛فتح القدير للشوكاني ج٥ص٢٦؛ فتح البيان للقنوجي ج١٣ص٢٦؛روح المعاني ج١٤ص٣٢)

نیز خال المومنین (بشرط جواز) سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس ولی عہدی کو محبت پدری کا شاخسانہ بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اُن کے الفاظ ہیں:

وَمَا جَعَلَهَا مُعَاوِيَةُ إِلَّا كَرَامَةً لِوَلَدِهِ.

''معاویہ نے یہ معاملہ فقط اپنے بیٹے کے وقار کے لیے کیا ہے''۔

(تفسير ابن أبي حاتم ج١٠ص٣٢٩٥؛تفسير ابن كثير ج٤ص١٧١؛الكافي الشاف ص٢٥٥؛ تاريخ الخلفاء ص١٥٦)

اس حقیقت کو حافظ ابن کثیر نے یوں ادا کیا ہے:

وَذَاكَ مِنْ شِدَّةِ مَحَبَّةِ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ.

''اور یہ سب کچھ والد کی اپنے ولد (بیٹے) سے شدید محبت کے باعث تھا''۔

(البداية والنهاية لابن كثير ج٨ص١١٦)

اس جملہ کا ترجمہ علامہ عبدالرشید نعمانی کی عبارت کے ضمن میں یوں ہے:
''مگر معاویہ تو بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشنا چاہتے ہیں''۔

(حادثۂ کربلا کا پس منظر ص ۲۸۰)

علامہ ابن خلدون تک نے لکھا ہے:

ثُمَّ اقْتَضَتْ طَبِيْعَةُ الْمُلْكِ الانْفِرَادَ بِالْمَجْدِ وَاسْتِئْثَارِ الْوَاحِدِ بِهِ وَلَمْ يَكُنْ لِمُعَاوِيَةَ أَنْ يَدْفَعَ ذٰلِكَ عَنْ نَفْسِهِ وَقَوْمِهِ.

علامہ ابوالحسن علی ندوی نے ان الفاظ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''مگر سلطنت کا خاصہ یہی ہے کہ آدمی تنہا اپنے لیے اس کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کو اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، حضرت معاویہ کے اختیار میں نہ تھا کہ اس خاصیت کو اپنی ذات اور اپنی قوم سے الگ کر دیتے''۔

(مقدمة ابن خلدون ج ١ ص ٢١٨؛ المرتضى للندوي ص ٢٤٦)

غرضیکہ یہ ولی عہدی خواہش نفسانی پر مبنی تھی، اگر امیر اہل سنت کو اب بھی سمجھ نہ آئی ہو تو وہ ذرا حافظ ابن کثیر کی درج ذیل تصریح میں غور کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

''یزید کے لیے راہ ہموار کرنے پر سعید بن عثمان بن عفان نے معاویہ کو عتاب کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کی جگہ اُن کو مقرر کریں حتیٰ کہ یہ بھی کہا کہ میرے والد (عثمان غنی ﷺ) کی تم پر بڑی عنایتیں ہیں اور ان ہی عنایتوں کی بدولت تم اس مرتبہ کو پہنچے ہو، اور تم نے مجھ پر اپنے بیٹے کو مقدم کر دیا ہے؟ حالانکہ میں اپنے ماں باپ اور اپنی ذات کے لحاظ سے اُس سے بہتر ہوں۔ اس پر معاویہ نے جواباً کہا: تم نے جو مجھ پر اپنے باپ کے احسان کا ذکر کیا ہے تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور تمہارے باپ کا یزید کے باپ سے بہتر ہونا بھی حق بات ہے، اور تمہاری ماں کا یزید کی ماں سے بہتر ہونا بھی حق بات ہے کہ تمہاری ماں قرشیہ ہے اور یزید کی ماں کلبیہ ہے تو وہ اس سے بہتر ہے، اور رہ گیا تمہارا یزید سے بہتر ہونا:

فَوَ اللّٰهِ لَوْ مُلِئَتْ إِلَى الْغُوْطَةِ رِجَالاً مِثْلُكَ لَكَانَ يَزِيْدُ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْكُمْ كُلِّكُمْ.

''تو اللہ کی قسم اگر میرے سامنے غوطہ (شام میں ایک جگہ) کو تمہاری مثل شخصوں سے بھر دیا جائے

پھر بھی یزید مجھے ان سب سے زیادہ محبوب ہوگا''۔

(البداية والنهاية لابن كثير ج٨ ص ١١٥، ١١٦)

اِن عربی الفاظ میں غور فرمایئے کہ اُن کے جذبہ میں للٰہیت تھی یا خواہش؟ اگر خواہش تھی تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام تک کو ارشاد فرمایا ہے:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ.

''اے داود بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی''۔ (ترجمہ کنز الإیمان)

(ص: ٢٦)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ معاویہ کا اپنے بیٹے کو اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کرنے کی سعی کرنا خواہش نفسانی پر مبنی تھا تو پھر اُن کا یہ اقدام سراسر قرآن مجید کے خلاف ہوا، کیونکہ قرآن میں خواہشِ نفسانیہ کی اتباع سے ممانعت آئی ہے؟ اگر امیر اہل سنت کو انکار ہو کہ یہ خواہش نفسانی نہیں تھی تو پھر اُن سے سوال ہے کہ اُس ولی عہدی کی تکمیل کے لیے معاویہ نے رشوتیں کیوں دی تھیں؟ تفصیل کے لیے گزشتہ صفحات میں ''ہادی مہدی اور رشوت'' کا عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

نیز اِس خلافِ شرع کام کی تکمیل کے لیے موصوف نے صحابہ کرام ؓ کو دھمکیاں بھی دی تھیں اور کذب بیانی بھی کی تھی۔ اس سلسلے میں میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے معتمد علماء کرام کی تصریحات ''یزید کی بیعت اتنا آسان؟'' کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں۔

یزید کی ولی عہدی: خواہش یا سنت؟

ہمارے لوگوں نے تو یزید کی باطل ولی عہدی کو سنت انبیاء بنا ڈالا ہے، لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود یزید کے باپ کی زبان سے ''هـوىٰ'' (خواہش) کا لفظ صادر کرا دیا تھا۔ چنانچہ مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ لکھتے ہیں:

وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَقُولُ: لَوْلَا هَوَايَ فِي يَزِيدَ لَأَبْصَرْتُ طَرِيقِي.

''معاویہ یہ کہا کرتے تھے: اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میں اپنی راہ دیکھ لیتا''۔

(نسب قریش ص۱۲۷؛ تاریخ دمشق ج۶۵ ص۳۹۵)

''اپنی راہ دیکھ لیتا'' سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہے خواہش سے محفوظ رہتا اور اعتدال و میانہ روی قائم رکھ سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن عساکر کے ہاں لفظ ''طَرِيقِي'' کی بجائے لفظ ''قَصْدِيْ'' ہے، اور اس کا معنیٰ ہے ''میانہ روی''۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں اُن میں ایک نصیحت یہ بھی تھی:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِکَ. (لقمان: ۱۹)

''اور میانہ چال چل''۔ [ترجمہ کنزالإیمان]

مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اَلْقَصْدُ: اِسْتِقَامَةُ الطَّرِيْقِ... وَضِدُّ الإِفْرَاطِ.

''قصد کا معنیٰ ہے: سیدھی راہ اور یہ افراط کی ضد ہے''۔

(القاموس المحیط ص۱۳۲۸)

علامہ بلاذری نے تو ایسے الفاظ نقل کیے ہیں کہ کسی تشریح کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ وہ لکھتے ہیں کہ امیر شام نے بوقتِ وفات ایک مکالمہ میں مروان بن الحکم کو کہا تھا:

وَلَوْلَا هَوَايَ فِيْ يَزِيْدَ لَأَبْصَرْتُ رُشْدِيْ.

''اگر میری خواہش آڑے نہ آتی تو میں یزید کے معاملہ میں ہدایت کو پالیتا''۔

(أنساب الأشراف للبلاذري ج۵ ص۳۵)

یاد رہے کہ یہ جملہ ایک طویل روایت سے لیا گیا ہے اور اُس کی سند میں کلام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی وغیرہ کے نزدیک وہ روایت قابل قبول ہے۔ سو جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ موصوف کو اُن کے لختِ جگر یزید پلید کی محبت نے کہاں پہنچادیا؟ ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوىٰ فَيُضِلَّکَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

۳۔ امیر اہل سنت کی تیسری دلیل ہے:

''صوفیاء مشائخ سلاطین کا اپنی اولاد کو گدی نشین اپنا جانشین بنانا''۔

جنابِ والا صوفیہ، مشائخ اور سلاطین کے عمل سے شریعت نہیں بنتی، اور کسی بھی سچے صوفی نے کبھی بھی

دوسرے اہل لوگوں پر ترجیح دیتے ہوئے اپنی اولاد کو خلیفہ نہیں بنایا اور اگر کسی نام نہاد صوفی نے ایسا کیا ہو تو یقیناً اُس کا یہ اقدام عدل کے منافی ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

۴۔ امیر اہل سنت کی چوتھی دلیل ہے:

''بیٹے کا خلیفہ بننا حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے شروع ہوا''۔

جناب والا! اگر امیر اہل سنت بھی مغالطہ آفرینی سے کام لیں تو پھر غرباء اہل سنت کی راہنمائی کون کرے گا؟ یہاں بات ہو رہی ہے کہ ''باپ اپنے بیٹے کو خلیفہ بنائے'' بیٹا از خود بن جائے یا عوام اُسے منتخب کریں، یہ زیر بحث ہی نہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام نے قطعاً اپنے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا تھا، حتیٰ کہ اُنہیں درخواست کی گئی تھی کہ کسی کو اپنی زندگی میں اپنا خلیفہ مقرر فرما جائیں تو درخواست کے باوجود بھی اُنہوں نے صاف انکار فرما دیا تھا۔ چنانچہ امام احمد اور دوسرے محدثین کرام لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن سبع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا علی علیہ السلام کو بیان فرماتے ہوئے سنا: عنقریب ضرور میری یہ ڈاڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہوگی۔ لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین! ہمیں اُس بندے کے متعلق آگاہ فرمائیں ہم اُس کی نسل کو بھی مٹا دیں گے۔ فرمایا: پھر تو تم میرے غیر قاتل کو قتل کر دو گے۔

قَالُوْا اسْتَخْلِفْ عَلَيْنَا. قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ أَتْرُكُكُمْ إِلٰى مَا تَرَكَكُمْ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا فَمَا تَقُوْلُ لِرَبِّكَ إِذَا أَتَيْتَهُ؟ وَقَالَ وَكِيْعٌ مَرَّةً: إِذَا لَقِيْتَهُ؟ قَالَ: أَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ تَرَكْتَنِيْ فِيْهِمْ مَا بَدَا لَكَ، ثُمَّ قَبَضْتَنِيْ إِلَيْكَ وَأَنْتَ فِيْهِمْ، فَإِنْ شِئْتَ أَصْلَحْتَهُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَفْسَدْتَهُمْ.

''لوگوں نے عرض کیا: آپ ہم پر خلیفہ مقرر فرما دیں۔ فرمایا: نہیں، لیکن میں تمہیں اُس ذات کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد تمہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ اُنہوں نے عرض کیا: تو پھر جب آپ اپنے رب کے حضور جائیں گے تو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: میں عرض کروں گا: اے اللہ! تو نے مجھے اُن میں جب تک چاہا رکھا، پھر تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور تیری ذات اُن میں موجود رہی۔ پس تیری مشیت کہ تو اُنہیں سنوار دے یا اُنہیں بگاڑ پر رہنے دے''۔

(مسند أحمد بتحقيق الأرنؤوط ج۲ ص ۳۲۴ حديث ۱۰۷۸ وص ۴۵۰ حديث ۱۳۴۰؛ مسند أبي

يعلى ج١ ص٤٤٣ حديث ٥٩٠، وص ٢٨٤ حديث ١٣٤١؛ مسند البزار ج٣ ص٩٢، ٩٣ حديث ٨٧١؛ المصنف لابن أبي شيبة [محمد عوامة] ج٢٠ ص٦٠٩، ٦١٠ حديث ٣٨٢٥٣، وج٢١ ص١٧٤ حديث ٣٨٥٧٩؛ كشف الأستار عن زوائد البزار ج٣ ص٢٠٤، ٢٠٥ حديث ٢٥٧٢؛ أمير المؤمنين الحسن بن علي للصلابي ص١٩١)

امیر اہل سنت صاحب! جب آپ خود ہی امیر اہل سنت ہیں تو پھر آپ اپنی تحقیق پیش فرمائیں، بعض حکماء اہل سنت کی تحقیق پر اعتماد نہ فرمائیں۔ جنابِ والا! یہی وہ حکیم الامت ہیں جنہوں نے اپنی دو کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے کسی بھی سالے کو خال المومنین کہنا ممنوع قرار دیا اور جب بعض طلقاء کے دفاع میں کتاب لکھنے بیٹھے تو اُس وقت وہی ممنوع بات جائز ہوگئی۔ کیا دیانت داری اور خدا خوفی اسی کو کہتے ہیں؟؟

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری!

(بالِ جبریل ص٣٧)

عجیبہ

لطف کی بات یہ ہے کہ امیر اہل سنت کھینچ تان کر جس بات کو سنتِ انبیاء ثابت کرنے کی سعی نامشکور میں مشغول ہیں اُسی بات کو معاویہ بن ابوسفیان کے پوتے معاویہ بن یزید نے گناہ قرار دیا تھا اور اُس نے اپنے باپ یزید اور اپنے دادا معاویہ دونوں کو اپنی اپنی قبر میں گناہوں کی وجہ سے گرفتار کہا تھا۔ چنانچہ اُس نے الگ الگ اپنے باپ اور دادا کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں:

فَصَارَ فِيْ قَبْرِهٖ رَهِيْنًا بِذُنُوْبِهٖ.

''تو وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کے ساتھ گرفتار ہے''۔

(الصواعق المحرقة ص ٢٢٤، وط: ص ١٠٦؛ حياة الحيوان ج١ ص ٢٢١، ٢٢٢)

ناجائز دفاع میں مت ماری گئی

۵۔ امیر اہل سنت کی پانچویں دلیل ہے:

''انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنے لیے اپنی اولاد کو جانشین مانگنا''۔

دنیائے استدلال کے دھنی لوگو! ہوش وخرد کو حاضر رکھ کر دلیل اخذ کیا کرو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی اُس میں اُنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے لیے وزیر (بوجھ اُٹھانے والا) مانگا تھا۔ اُنہوں نے اپنے وصال کے بعد جانشین نہیں مانگا تھا۔ پھر اُنہوں نے یہ دعا اُس وقت مانگی تھی جب اُن کے ساتھ کوئی بھی دوسرا شخص معاون ومددگار نہیں تھا، وہ تن تنہا تھے، نہ اُس وقت تک اُنہوں نے کوئی تبلیغ فرمائی تھی، نہ اُن کی کوئی امت تھی اور نہ ہی اُنہیں کوئی کتاب ملی تھی۔ اُنہیں فرعونی چنگل سے بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے بھیجا جا رہا تھا تو اُنہوں نے اپنے لیے ایک معاون مانگ لیا تھا اور اُس کی ایک معقول وجہ بھی بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تھی۔ وہ یہ کہ بچپن میں انگارہ زبان پر رکھ دینے کی وجہ سے اُن کی زبان مبارک میں کچھ لکنت سی آ گئی تھی اس لیے اُنہوں نے عرض کیا تھا:

وَأَخِيْ هَارُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ.

''اور میرا بھائی ہارون، اُس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اسے میری مدد کے لیے رسول بنا کہ میری تصدیق کرے، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے''۔ [القصص: ٣٤]

بتایئے! اُنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے لیے مددگار مانگا تھا یا اپنے بعد اپنا جانشین مانگا تھا؟ اگر آپ کہیں کہ اپنے بعد جانشینی کے لیے مانگا تھا تو پھر آپ ''يَا عَلِيُّ! أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسیٰ '' کی کیا تاویل کریں گے؟ امیر اہل سنت صاحب! جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے اپنے بھائی کو بطور وزیر ومددگار مانگا تھا تو اُس وقت اُن کا تربیت یافتہ کوئی دوسرا شخص نہیں تھا، جبکہ یزید پلید کو جس وقت زبردستی ولی عہد بنایا جا رہا تھا تو اُس وقت اُس خبیث سے لاکھوں بہترین افراد موجود تھے۔

اسی طرح سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ اُنہیں کوئی ایسا لائق آدمی میسر نہیں تھا جو اُن کا اور بنی اسرائیل کا وارث بنتا۔ اُن کی دعا کے الفاظ جو جناب نے نقل کیے ہیں، یہ ہیں:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا. يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ.

''تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھالے، وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو''۔ [مریم: ٦]

اگر کہا جائے کہ نہیں اُس وقت دوسرے لائق لوگ بھی موجود تھے مگر اُنہوں نے اپنے خون کا نسبی رشتہ دار مانگا تھا تو میں کہوں گا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے نسبی رشتے دار کے طور پر بیٹا مانگا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نسبی رشتے دار کے طور پر بھائی مانگا تو پھر تو شیعہ لوگوں کا رونا دھونا حق قرار پائے گا، کیونکہ سیدنا علی علیہ السلام نہ صرف یہ کہ نسبی رشتے

داری میں نبی کریم ﷺ کے بھائی تھے بلکہ وہ مواخات کے لحاظ سے بھی دنیاوآخرت میں آپ کے بھائی تھے۔ نیز بچپن سے آغوش نبوت میں آنے اور داماد بننے کی وجہ سے بیٹے کی مانند بھی تھے۔ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟

متبعینِ سنت کون، خلفاء راشدین یا معاویہ؟

اگر ان آیات کو آپ کے استدلال کے مطابق ظاہر پر رکھا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سنت انبیاء پر خلفاء اربعہ ﷺ نے کیوں نہ عمل کیا؟ کیا اُنہیں قرآن سمجھ نہیں آیا تھا، اور اگر اُنہیں قرآن کی سمجھ تھی تو پھر اُنہوں نے قرآن مجید سے عمداً روگردانی کیوں کی؟ حالانکہ وہ چاروں حضرات صاحب اولاد تھے اور اُن سب کی اولاد اُن کے وصال کے وقت عاقل و بالغ تھی اور یزید پلید سے بھی بہتر تھی، آخر اُنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت سے کیوں منہ موڑا؟ نیز خود نبی کریم ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اس طریقہ پر عمل کیوں نہ فرمایا، جبکہ آپ کو قرآن مجید میں حکماً فرمایا گیا ہے کہ آپ اُن کی راہ چلو۔ چنانچہ سورۃ الأنعام آیت نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں [۱۷] انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں حضرت موسیٰ وزکریا علیہما السلام کے نام بھی ہیں، پھر فرمایا ہے:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ.

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم اُنہیں کی راہ چلو''۔ [الأنعام: ۹۰]

مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کوئی ایسی خوبی نہیں جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنایا نہ ہو، لہٰذا سوچ کر بتلائیے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ دعا اچھی تھی اور یقیناً اچھی تھی تو کیا حضور اکرم ﷺ نے اس پر عمل کیا اور اُن کی طرح دعا مانگی؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو بتائیے وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ قبول نہیں ہوئی تو درجِ ذیل حدیث کی تکذیب ہوتی ہے:

كُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ : مُجَابٌ.

''ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے''۔

(المستدرك للحاكم ج١ ص٣٦ حديث ١٠٩ وج٢ ص ٣٧٥ حديث ٣٩٩٦، وج٤ ص ٨٩ حديث ٧٠٩٤؛ تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار ج٦ ص ١٠٥ حديث ٤٦١٩؛ مشكاة المصابيح ص ٣٨ حديث ١٠٩)

اور اگر کہا جائے کہ دعا مانگی بھی گئی اور قبول بھی ہوئی تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ کس کے حق میں قبول ہوئی، اور

جس کے حق میں قبول ہوئی اُسے نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں نام زد فرما کر واضح کیوں نہ فرما دیا؟ اگر صحابہ کرام ﷺ پر دعا کا وہ مصداق شخص واضح تھا تو پھر سقیفہ بنوساعدہ میں بحث وتکرار کی نوبت کیوں آئی تھی؟

اتباع میں مقدم کون، آقا علیہ السلام یا سابقہ انبیاء علیہم السلام؟

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنے نبی (ﷺ) کی سنت پر کیوں نہ عمل کیا؟ جب ہمارے نبی کریم سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے اپنی جانشینی کے لیے بیٹا مانگا اور نہ ہی بیٹوں کی مانند داماد کو اور دوسری معتمد ہستیوں کو اپنی زندگی میں اپنا خلیفہ نام زد فرمایا تو آخر کیا مجبوری تھی کہ معاویہ نے نبی الانبیاء ﷺ کی سنت سے روگردانی کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کو اپنا لیا؟ ہمارے لیے اتباع میں مقدم امام الانبیاء والمرسلین سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں یا سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام؟ بگوش ہوش سنئے! نبی کریم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں:

وَالَّذِي نَفْسِيُ بِيَدِهٖ لَوْأَنَّ مُوْسیٰ كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا أَنْ يَّتَّبِعَنِيْ.

''اُس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُنہیں میری اتباع کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوتا''۔

(مسند أحمد ج۳ ص ۳۳۸،۳۸۷ وط: [شاکر] ج۱۲ ص ۸۶،۸۵ حدیث ۱۵۰۹٤، وج۱۱ ص ۵۰۰ حدیث ۱٤٥٦٥؛ مسند أبي يعلیٰ ج٤ ص ۱۰۲ حدیث ۲۱۳٥؛ شرح السنة ج۱ ص ۲۷۰ حدیث ۱۲٦؛ کشف الأستار ج۱ ص ۷۸، ۷۹ حدیث ۱۲٤؛ جامع بیان العلم وفضله ج۲ ص ۸۰٦،۸۰٥ حدیث ۱٤۹۷؛ مجمع الزوائد ج۱ ص ۱۷۳، وج۸ ص ۲٦۲ وط: بتحقیق حسین سلیم أسد ج۲ ص ۲٦٦ حدیث ۸۱۸،۸۱۷؛ إرواء الغليل للألباني ج٦ ص ۳٤ حدیث ۱٥۸۹)

ایک اور حدیث پاک میں ہے:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَصْبَحَ فِيْكُمْ مُوْسیٰ ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ، إِنَّكُمْ حَظِّيْ مِنَ الْأُمَمِ وَأَنَا حَظُّكُمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ.

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: اگر موسیٰ علیہ السلام اب تمہارے درمیان آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کی پیروی کرنے لگو تو کھلی گمراہی کے مرتکب ہوجاؤ گے،

بیشک امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو اور نبیوں میں سے میں تمہارا حصہ ہوں"۔

(مسند أحمد ج٣ص ٤٧١ حديث ١٥٨٠٨؛ المصنف لعبدالرزاق ج٦ص١١٣ حديث ١٠١٦٤؛ الجامع لشعب الإيمان ج٧ص ١٧٠، ١٧١ حديث ٤٨٣٦؛ مجمع الزوائد ج١ ص ١٧٤، وط: ج١ ص ٤٢١ حديث ٨١٠ وط: ج٢ ص ٢٦٧، ٢٦٨ حديث ٨١٩؛ جامع بيان العلم وفضله ج٢ ص ٨٠٥، ٨٠٦ حديث ١٤٩٥؛ إرواغ الغليل للألباني ج٦ ص ٣٧ حديث ١٥٨٩)

اس سے معلوم ہوا کہ امیر اہل سنت کے استدلال کے مطابق اُن کے ممدوح سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کو اپنا کر امام الأنبیاء ﷺ کی سنت سے روگردانی کے مرتکب ہوئے۔

تنبیہ

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سورۃ الفاتحہ میں انعام یافتہ ہستیوں کی راہ پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام انعام یافتہ طبقات میں سرفہرست ہیں، لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اصول میں دین ایک ہے مگر شریعتیں سب کی جدا جدا ہیں، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت پر عمل کر کے انعام یافتہ ہستیوں کی پیروی کی ہے۔

اتباعِ انبیاء یا قرآن سے روگردانی؟

اس سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ کہ امیر اہل سنت کے ممدوح (امیر شام) سے دو وجوہ سے قرآن کریم متروک ہو گیا۔

۱۔ اوّلاً اس طرح کہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو دیں اُسے لے لو، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت وسیرت کی صورت میں یہ طرز عمل عطا فرمایا کہ آپ نے کسی بھی شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا، لہٰذا امیر اہل سنت کے ممدوح نے امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی سنت سے منہ موڑ کر درحقیقت قرآن مجید سے روگردانی کی ہے۔

۲۔ ثانیاً اس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو اہل اسلام پر لازم فرمایا ہے، اور امیر اہل سنت کے ممدوح نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی سنت سے روگردانی کر کے بیک وقت ارشاد نبوی ﷺ اور قرآن مجید دونوں سے روگردانی کی ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہاں اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استدلال کو

مدنظر رکھا جائے تو مناسب ہوگا۔ امام بیہقی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دعویٰ فرمایا کہ تم جس چیز کے بارے میں چاہو مجھ سے پوچھو، میں تمہیں قرآن سے ثابت کردوں گا۔ لوگوں نے کہا: احرام کی حالت میں بھڑ (زنبور، پونڈ) کو مارنا جائز ہے؟ فرمایا: ہاں۔ اُنہوں نے عرض کیا: یہ قرآن میں کہاں ہے؟ فرمایا: قرآن میں آیا ہے: ﴿وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ [الحشر:] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تم میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ احرام میں بھڑ کو مارنے کا حکم فرمایا ہے''۔

(ملخصا: السنن الكبرى للبيهقي ج٥ ص ٢١٢، وط: ج٥ ص ٣٤٧ حديث ١٠٠٥٥، ١٠٠٥٦، ١٠٠٥٧؛ مناقب الشافعي للبيهقي ج١ ص ٣٦٢؛ مناقب الشافعي للرازي ص ٣٤٥، ٣٤٦؛ الإتقان للسيوطي ص ١٩٠٨)

خود قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے کہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے بعد ایمان لانے والے تمام لوگوں پر مہاجرین و انصار کی اتباع شرط ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ کی آیت [۱۰۰] میں تصریح ہے۔ تمام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مہاجر تھے اور اُن کے وصال سے پہلے اُن کے سامنے اُن کی عاقل و بالغ اولاد موجود تھی مگر اُنہوں نے اُن میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا، لہٰذا بعض طلقاء کا اپنے خبیث لڑکے کو اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کرنا قرآن، سنتِ نبوی ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ خیال رہے کہ فقط مجھ غریب پر بھڑاس مت نکالنا، کیونکہ مجھ سے پہلے بعض اکابر علماء کرام امیر شام کو تارکِ کتاب و سنت قرار دے چکے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاری وغیرہ۔ تفصیل کے لیے ہمارے رسالہ ''حديث: الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اتباعِ سنت یا فساد؟

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ جس ظالمانہ ولی عہدی کو امیر اہل سنت نے سنتِ انبیاء علیہم السلام لکھ مارا ہے اسی کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فساد کہا ہے اور جن بعض صحابہ نے اُس ولی عہدی کے لیے راہ ہموار کی تھی اُنہیں فسادی لکھا ہے۔ دیکھئے اُن کی کتاب ''مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِيْ أَيَّامِ السَّنَةِ'' یہ کتاب بعض علماء دیوبند کے ترجمہ کے ساتھ ''مومن کے ماہ وسال'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے ابتدائی صفحات میں ماہ محرم الحرام

کے واقعات کے ضمن میں یہ تصریح موجود ہے۔ نیز گذشتہ صفحات میں ''مغیرہ بن شعبہ سے تبادلۂ رشوت'' کے عنوان کے تحت بھی یہ اقتباس نقل کیا جاچکا ہے۔

اتباعِ سنت یا منافیِ ایمان؟

امیر اہل سنت نے جس ظالمانہ ولی عہدی کو سنتِ انبیاء قرار دے ڈالا، وہ تقرری خلاف شریعت تو ویسے بھی تھی لیکن امیر شام نے اُس کو خود پر مزید شدید کرلیا تھا۔ وہ اس طرح کہ اُنہوں نے سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کر کے اُخروی لحاظ سے اپنے آپ کو مزید پھنسالیا تھا۔ اُس معاہدہ میں دوسری شقوں کے ساتھ ایک شق یہ بھی تھی:

هٰـذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ ، صَالَحَهُ عَلٰى أَنْ يُسَلِّـمَ إِلَيْهِ وِلَايَةَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أَنْ يَّعْمَلَ فِيْهِمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَسِيْـرَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، وَلَيْسَ لِمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ أَنْ يَّعْهَدَ إِلٰى أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِه عَهْدًا ، بَلْ يَكُوْنُ الْأَمْرُ مِنْ بَعْدِهٖ شُوْرٰى بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

''یہ صلح نامہ ہے جس پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ صلح کی ہے، اُنہوں نے اس بات پر اُن سے صلح کی ہے کہ وہ مسلمانوں کی حکومت اُنہیں سونپ دیں گے، اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتابِ الٰہی، سنتِ نبوی اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے، اور معاویہ بن ابوسفیان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ کسی سے اپنے بعد ولی عہدی کا معاہدہ کریں بلکہ یہ معاملہ اُن کے بعد مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں طے ہوگا''۔

(الصواعق المحرقة ص ۳۹۸، ۳۹۹، وط: ص ۳۹۹)

اس عبارت میں اگر فقط اتنا مذکور ہوتا کہ معاویہ بن ابوسفیان کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے تو تب بھی معاویہ پر لازم ہوتا کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر نہ کریں، کیونکہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی اپنی اولاد کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا، لیکن اس عبارت میں تو باقاعدہ الفاظ شامل کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے بعد کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کریں گے، مگر افسوس کہ اُنہوں نے اپنی وفات سے کئی برس قبل اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی بیعت لینا شروع کر دی تھی۔ یوں وہ باقاعدہ ایک لکھے ہوئے معاہدے کو توڑ کر امانتِ

خلافت کو نااہل کے سپرد کرنے اور عہد شکنی دونوں گناہوں کے مرتکب ہو گئے تھے۔اب یہ علماء حق سے دریافت فرمایئے کہ معاہدہ کو توڑنے کے متعلق جو وعیدات شرعیہ آئی ہیں اُن کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے یا کوئی طبقہ اور فرد اُن سے مستثنیٰ بھی ہے؟ مثلاً ایک حدیث میں ہے:

لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهُ.

''وہ شخص ایمان دار نہیں جو امانت دار نہیں اور وہ دین دار نہیں جو وفادار نہیں''۔

(صحيح ابن حبان ج١ ص٤٢٢، ٤٢٣ حديث ١٩٤؛ الجامع الصغير حديث ٩٦٨٥)

ایک اور حدیث اِن الفاظ سے بھی آئی ہے:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اُس کے خلاف کرے اور جب اُسے امانت دی جائے تو خیانت کرے''۔

(بخاري ص ١١ حديث ٣٣)

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ.

''اگر چہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور خود کو مسلمان سمجھے''۔

(صحيح مسلم ص٤٧ حديث ١٠٩، ١١٠؛ مشكاة المصابيح ج١ ص٢٣ حديث ٥٥)

قارئین کرام! یہ مسئلہ علماء حق سے ضرور معلوم کیجئے گا، ممکن ہے کہ کسی عالمِ حق سے ایسے شخص کے استثنا کا حوالہ مل جائے جس نے سید الانبیاء ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہو، آپ کی زبانِ اقدس سے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' سنا ہو اور جواب میں ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہا ہو۔

حکومتی مناصب یا امانتِ الٰہیہ؟

''حکومت کے مناصب امانتِ الٰہی ہیں'' یہ عنوان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب نے سورۃ النساء کی آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾ [٥٨] کی تفسیر کرتے ہوئے قائم کیا ہے۔اس کے بعد اُنہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے''۔ پھر لکھا ہے:

''پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اُس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اُس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اُس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اُس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول [ﷺ] کی اور سب مسلمانوں کی''۔

(معارف القرآن للعثماني ج٢ ص٤٤٦، ٤٤٧)

مفتی صاحب کی نقل کردہ احادیث سے صحابی یا کوئی بھی مسلمان مستثنیٰ ہو تو مکتبِ فکر بریلوی کے امیر اہل سنت سے بالخصوص اور دوسرے تمام مکاتب فکر کے علماء سے بالعموم گذارش ہے کہ وہ اُس استثنا سے آگاہ ضرور فرمائیں!

کیا وہ یزید کے فسق وغیرہ سے بے خبر تھے؟

اکثر قدیم وجدید نام نہاد حکماءِ امت یزید پلید کو تقریباً دس سال قبل ولی عہد بنانے پر دفاعِ معاویہ میں کہتے ہیں کہ اُس وقت اُن پر یزید کا فسق وفجور عیاں نہیں تھا، اس لیے اُنہیں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاتا۔ اُن حکماء امت سے پوچھا جائے کہ کیا اُس وقت اُنہیں یہ معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا اُس وقت کے تمام اہل اسلام سے زیادہ لائق اور اہل تھا، یا اُنہیں یہ معلوم تھا کہ اُس دور میں اُن کے بیٹے سے زیادہ اہل کوئی شخص بھی موجود نہیں تھا؟ ذرا غور فرمائیے! مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کی پیش فرمودہ دوسری حدیث میں ہے کہ: ''جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اُس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اُس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول [ﷺ] کی اور سب مسلمانوں کی''۔ اگر اُنہیں یزید سے زیادہ اہل شخص کا علم تھا اور پھر بھی اُنہوں نے یزید کو اقتدار سونپ دیا تو وہ عمداً اللہ ﷻ، رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے خائن ہوئے اور اگر اُنہیں علم نہیں تھا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُنہیں سیدنا امام حسین، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر اور میزبانِ مصطفیٰ سیدنا ابو ایوب انصاری ﷺ

وغیرھم ایسے اہل حضرات کیوں نہ نظر آئے؟

قارئین کرام! آئندہ سطور میں اِس سوال کا جواب خود بعض وکلائے ملوکیت کی ایسی تحریر سے معلوم ہو جائے گا جس میں وہ اُن کا دفاع کرتے کرتے مذمت کر گئے۔

مسلم وغیر مسلم دونوں کے ہیرو

قارئین کرام! عجیب بات ہے کہ ایک طرف جس غیر مشروع ولی عہدی اور جبری خلافت کو ہمارے امیر اہل سنت اور بعض حکماءِ امت، سنتِ انبیاء قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، دوسری طرف اُسی بات کو غیر مسلم اقوام اپنے حق میں مفید سمجھتی ہیں اور محض اسی وجہ سے وہ معاویہ کو اپنا محسن اور ہیرو سمجھتے ہیں۔ اُن کا ماننا ہے کہ اگر معاویہ نہ ہوتے تو ہر جگہ اسلام اور عربیت پھیل جاتی۔ چنانچہ مصر کے مشہور ترین عالم علامہ محمد رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ أَحَدُ كِبَارِ عُلَمَاءِ الأَلْمَانِ فِي الْأَسْتَانَةِ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِينَ وَفِيهِمْ أَحَدُ شُرَفَاءِ مَكَّةَ : إِنَّهُ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نُقِيمَ تِمْثَالاً مِنَ الذَّهَبِ لِمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فِي مَيْدَانِ كَذَا مِنْ عَاصِمَتِنَا (بَرْلِين) قِيلَ لَهُ لِمَاذَا ؟ قَالَ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي حَوَّلَ نِظَامَ الْحُكْمِ الإِسْلَامِيِّ عَنْ قَاعِدَتِهِ الدِّيمُقَرَاطِيَةِ إِلَى عَصَبِيَّةِ الْغَلَبِ ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَعَمَّ الإِسْلَامُ الْعَالَمَ كُلَّهُ ، وَلٰكِنَّا نَحْنُ الأَلْمَانَ وَسَائِرُ شُعُوبَ أُورُوبَا عُرْباً مُسْلِمِينَ.

''جرمن کے بعض اکابر پروفیسرز نے عثمانیہ حکومت کے دار الخلافہ میں بعض اہل اسلام سے کہا اور اُن میں بعض شرفاء مکہ بھی موجود تھے: ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے کیپیٹل برلن کے فلاں چوک میں معاویہ بن ابوسفیان کا مجسمہ قائم کریں۔ اُن سے پوچھا گیا: کیوں؟ اُنہوں نے کہا: اس لیے کہ وہی تو ہیں جنہوں نے خلافتِ اسلامیہ کے نظام کا رُخ جمہوریت سے غلبۂ عصبیت کی طرف موڑا تھا، اور اگر وہ نہ ہوتے تو روئے زمین پر اسلام پھیل جاتا اور ہم جرمن اور یورپ کے تمام قبائل عرب مسلمان ہوتے''۔

(تفسیر المنار، ج ۱۱ ص ۲۲۲)

حال ہی میں بعض علماء میدانِ سیاست میں آئے ہیں اور اُن کا نعرہ ہے کہ اسلام جب تک تخت پر نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ اُن سے پوچھا جائے کہ اسلام کو تخت سے اتارا کس نے تھا؟ اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُسی نے اتارا

تھا جس کا طرز سیاست یورپ کے غیر مسلموں کو اور کرپٹ مسلم حکمرانوں کو آج تک برابر پسند ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے ملک پاک میں بعض حکمران عقائد کے لحاظ سے مولائی رہے ہیں مگر اُنہوں نے حکومت مولائی طرز پر نہیں کی۔ مولا علی علیہ السلام نے جس طرز پر حکمرانی فرمائی تھی اُس میں کسی نااہل آدمی کی گنجائش تھی اور نہ ہی کنبہ پروری کا تصور تھا، جبکہ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد سے لے کر آج تک (إلا ماشاء اللہ) ایسی مسلم حکومتیں چل رہی ہیں جو مسلم و غیر مسلم سب کو پسند ہیں۔ ہاں اگر کسی غیر مسلم یا کرپٹ مسلم لیڈرز کے نزدیک کوئی نظام مضر ہے تو وہ خلافتِ راشدہ کی طرز پر کتاب وسنت کا نظام ہے۔ جہاں سے بھی ایسے نظام کی آواز بلند ہو تو غیر مسلم اور کرپٹ مسلمان ایک ہو کر اُس آواز کو دبانے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ دے دلا کر وہ آواز دب جائے تو فبہا ورنہ گلا دبانے اور ابدی نیند سلانے میں بھی کوئی دیر نہیں کی جاتی۔ اگر ایسی آواز بلند نہ ہو تو پھر لاکھوں تو کیا کروڑوں عالموں، صوفیوں، نمازیوں اور حاجیوں کی عبادت شبادت اور جلسے جلوسوں سے اُنہیں کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ کرپٹ حکمران ایسے ہیجڑا صفت صوفیہ اور بکاؤ علماء کو اپنے خصوصی دڑبوں میں پالتے ہیں اور جب ضرورت پڑتی ہیں تو باہر نکال کر اُن سے اپنے حق میں چوں چوں کرا لیتے ہیں۔ آئے روز ہمارے دور کے کرپٹ حکمران جو صوفی ازم کا راگ الاپتے رہتے ہیں اس میں بھی اُن کی یہی حکمت کارفرما ہے۔ دوسری طرف علماء سوء اور نام نہاد صوفیہ ایسے بیوپاری حکمرانوں کے قصیدے پڑھتے رہتے ہیں اور اپنے پیٹ کی خدمت کو دین اسلام کی خدمت تصور کرتے ہوئے اُن کے لیے سینہ سپر رہتے ہیں۔ ایسے ہی بے ضمیر علماء و صوفیہ کے بارے میں مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خدا داد
ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(ضربِ کلیم ص ۳۵، ۳۶)

امیر اہل سنت کے ممدوح کے نزدیک بھی نمازی اور شب زندہ دار لوگ مضر نہیں تھے مگر اُنہیں وہ لوگ ہرگز پسند نہیں تھے جو اُن کی ملوکیت کے لیے خطرہ تھے۔ چنانچہ بعض طلقاء نے خود کہا تھا کہ اُنہوں نے جنگیں اس لیے نہیں برپا کیں کہ لوگ نماز و روزہ اور حج و زکاۃ ادا کریں بلکہ اس لیے بپا کیں کہ اقتدار حاصل کیا جا سکے، جیسا کہ ہم

اس سے قبل باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔

بنوامیہ کا وصیتِ نبوی ﷺ کی دھجیاں اڑانا

ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ سنت نبوی کو تبدیل کیا بلکہ سنت کی مخالفت کرتے ہوئے فرمانِ نبوی ﷺ کے برعکس بھی چلے تھے۔ چنانچہ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور حدیث ''إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ خَلِيفَتَيْنِ الخ'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وَمَعَ ذٰلِكَ فَقَابَلَ بَنُوْ أُمَيَّةَ عَظِيْمَ هٰذِهِ الْحُقُوْقِ بِالْمُخَالَفَةِ وَالْعُقُوْقِ ، فَسَفَكُوْا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ دِمَاءَهُمْ وَسَبَوْا نِسَاءَهُمْ وَأَسَرُوْا صِغَارَهُمْ وَخَرَبُوْا دِيَارَهُمْ وَجَحَدُوْا شَرَفَهُمْ وَفَضْلَهُمْ وَاسْتَبَاحُوْا سَبَّهُمْ وَلَعَنَهُمْ ، فَخَالَفُوا الْمُصْطَفٰى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم فِيْ وَصِيَّتِهٖ وَقَابَلُوْهُ بِنَقِيْضِ مَقْصُوْدِهٖ وَأُمْنِيَتِهٖ ، فَوَاخَجَلُهُمْ إِذَا وَقَفُوْا بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَيَا فَضِيْحَتُهُمْ يَوْمَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهِ.

''اس فرمان کے باوجود بنوامیہ نے مقابلہ کیا، ان کے عظیم حقوق کے برعکس چلے اور نافرمانی کی۔ پس اُنہوں نے اہل بیت کرام علیہم السلام کا خون بہایا، اُن کی خواتین اور بچوں کو قید کیا، اُن کے گھروں کو برباد کیا، اُن کے شرف وفضیلت کا انکار کیا اور اُن پر سب وشتم اور لعنت کو مباح کیا۔ سو اُنہوں نے مصطفیٰ ﷺ کی وصیت کی مخالفت کی اور آپ کے مقصود اور آرزو کے خلاف کیا۔ پس وہ کس قدر خجالت کا سامنا کریں گے جب آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور کتنا رُسوا ہوں گے جب آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے''۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۳ ص۱۵ حدیث ۲۶۳۱)

افسوس کہ جن لوگوں نے فرامینِ نبویہ ﷺ کو نہ صرف یہ کہ فراموش کر دیا بلکہ اُن فرامین کے برعکس کیا کچھ لوگ اُنہیں سے فیض لینے چلے ہیں۔ فیا للعجب!

تقریرِ یزید میں امام ابن حجر مکی کی تاویلات

علامہ ابن حجر مکی ایک طویل روایت میں یہ جملہ لائے ہیں کہ امیر شام نے کہا:

لَوْلَا هَوَايَ فِيْ يَزِيْدَ لَأَبْصَرْتُ قَصْدِيْ.

''اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میں راہِ اعتدال دیکھ لیتا''۔

(تطهير الجنان ص ۹۲؛ مختصر تطهير الجنان ص ۸۰)

مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اس جملے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اگر یزید کے ساتھ مجھے محبت نہ ہوتی تو تم میرے انصاف کی کیفیت دیکھتے''۔

(مناقب سیدنا امیر معاویہ ﷺ، ترجمہ تطہیر الجنان ص ۵۳)

مولوی محمد مجاہد عطاری نے اس جملے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میرا قصد ضرور بینا ہوتا''۔

(شانِ حضرت امیر معاویہ ﷺ، ترجمہ تطہیر الجنان ص ۹۵)

اول الذکر ترجمہ کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو اُس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چونکہ مجھے یزید سے محبت ہے، لہٰذا تمہیں میرے انصاف کی کیفیت دیکھنے کو نہیں ملے گی، اور ثانی الذکر ترجمہ کا مفہومِ مخالف واضح ترین ہے کہ یزید سے محبت کی وجہ سے میرا قصد بینا نہیں اندھا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اس جملے کی تشریح میں جو ابتدائی الفاظ لکھے ہیں اُن سے یہی مطلب واضح ہوتا ہے۔ یہاں ہم اُن کی مکمل عبارت علامہ عبدالشکور لکھنوی کے ترجمہ کے ساتھ مع تسہیل نقل کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُ : وَلَوْلَا هَوَايَ...الخ ، فِيهِ غَايَةُ التَّسْجِيلِ عَلٰى نَفْسِهِ بِأَنَّ مَزِيْدَ مَحَبَّتِهِ لِيَزِيْدَ ، أَعْمَتْ عَلَيْهِ طَرِيْقَ الْهُدٰى ، وَأَوْقَعَتِ النَّاسَ بَعْدَهُ مَعَ ذٰلِكَ الْفَاسِقِ الْمَارِقِ فِي الرِّدٰى ، لٰكِنَّهُ قَضَاءٌ اِنْحَتَمَ وَقَدَرٌ اِنْبَرَمَ فَسَلَبَ عَقْلَهُ الْكَامِلَ ، وَعِلْمَهُ الشَّامِلَ ، وَدَهَاءَهُ الَّذِيْ كَانَ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ ، وَزُيِّنَ لَهُ مِنْ يَزِيْدَ حُسْنُ الْعَمَلِ ، وَعَدَمُ الِانْحِرَافِ وَالْخَلَلِ ، كُلُّ ذٰلِكَ لِمَا أَشَارَ إِلَيْهِ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ ﷺ مِنْ أَنَّهُ : إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ إِنْفَاذَ أَمْرِهِ سَلَبَ ذَوِي الْعُقُوْلِ عُقُوْلَهُمْ ، حَتّٰى يَنْفَذَ مَا أَرَادَهُ تَعَالٰى ، فَمُعَاوِيَةُ مَعْذُوْرٌ فِيْمَا وَقَعَ مِنْهُ لِيَزِيْدَ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَهُ نَقْصٌ فِيْهِ ، بَلْ كَانَ يَزِيْدُ يَدُسُّ عَلٰى أَبِيْهِ مَنْ يُحَسِّنُ لَهُ حَالَهُ ، حَتّٰى اعْتَقَدَ أَنَّهُ أَوْلٰى مِنْ أَبْنَاءِ بَقِيَّةِ أَوْلَادِ الصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ ، فَقَدَّمَهُ عَلَيْهِمْ مُصَرِّحاً بِتِلْكَ الْأَوْلَوِيَّةِ ، الَّتِيْ تَخَيَّلَهَا مِمَّنْ سُلِّطَ عَلَيْهِ لِيُحَسِّنَهَا لَهُ ، وَاخْتَارَهُ لِلنَّاسِ

عَلٰى ذٰلِکَ ، إِنَّمَا هُوَ لِظَنِّ أَنَّهُمْ إِنَّمَا كَرِهُوا تَوْلِيَتَهُ لِغَيْرِ فِسْقِهِ ، مِنْ حَسَدٍ أَوْ نَحْوِهِ ، وَلَوْ ثَبَتَ عِنْدَهُ أَدْنٰى ذَرَّةٌ مِمَّا يَقْتَضِي فِسْقَهُ بَلْ وَإِثْمَهُ لَمْ يَقَعْ مِنْهُ مَا وَقَعَ ، وَكُلُّ ذٰلِکَ دَلَّتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ الْجَامِعَةُ الْمَانِعَةُ وَهِيَ قَوْلُهُ : وَلَوْلَا هَوَايَ فِي يَزِيْدَ أَبْصَرْتُ قَصْدِي ، فَتَأَمَّلْ ذٰلِکَ لِتُحِيطَ مِنْهُ بِمَا ذَكَرْتُهُ ، وَفُتِحَتْ لَکَ بَابَ مَا بَقِيَ فِي كَلَامِهِ مِنَ الإِشَارَاتِ وَالِاعْتِبَارَاتِ ، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ إِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ ، وَنَسْأَلُهُ أَنْ لَّا يُزَيِّنَ لَنَا مَا يَكُوْنُ سَبَبًا لِلانْحِرَافِ عَنْ سُنَنِ الْبُرْهَانِ وَالدَّلِيْلِ.

''حضرت معاویہ کا یہ کہنا کہ اگر یزید سے مجھے محبت نہ ہوتی...... یہ خود وہ اپنے نفس کو الزام دے رہے ہیں کہ یزید کی محبت نے بہت صاف باتوں کو مجھ پر تاریک کر دیا اور اسی وجہ سے اس فاسق نابکار کو خلافت ملی، جس سے لوگ ہلاکت میں پڑے مگر یہ ایک امر مقدور ہو چکا تھا، اسی وجہ سے ان کی عقل کامل اور ان کا علم شامل سلب ہو گیا اور ان کی اصابت رائے جو ضرب المثل تھی جاتی رہی اور یزید کی طرف سے ان کو حسن ظن پیدا ہوا اور اس کو تمام برائیوں سے پاک صاف سمجھ لیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بڑے عقل مندوں کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور جو خدا چاہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ پس یزید کے متعلق حضرت معاویہ سے جو کچھ واقع ہوا اس میں حضرت معاویہ معذور تھے کیونکہ یزید کی کوئی برائی حضرت معاویہؓ کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ یزید نے بہت سے لوگ اپنے والد کے پاس خاص اسی کام کے لیے مقرر کیے تھے کہ وہ یزید کے عمدہ حالات ان سے بیان کریں۔ اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ یزید کو دوسرے صحابہ کے بیٹوں سے افضل سمجھتے تھے، لہٰذا اُنہوں نے یزید کو سب پر ترجیح دی، اور لوگوں نے جو یزید کی خلافت سے ناپسندیدگی ظاہر کی تھی اس کی وجہ وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ یزید فاسق ہے بلکہ سمجھتے تھے کہ یزید سے لوگوں کو حسد ہے۔ حضرت معاویہؓ کے نزدیک یزید میں ذرہ برابر بھی فسق بلکہ کوئی گناہ ثابت ہو جاتا تو وہ ہرگز یزید کو خلیفہ نہ کرتے۔ حضرت معاویہ نے یہ بات ایک ایسی جامع و مانع کہی کہ اس سے تمام عقدے حل ہو گئے۔ ابھی ان کے کلام میں بہت سے اشارات باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ راہ راست کی ہدایت کرنے والا ہے اور ہم اُس

سے دعا کرتے ہیں کہ ایسی باتوں کو ہمارے دلوں میں مرغوب نہ کرے جن کے سبب سے ہم راہ راست سے ہٹ جائیں''۔

(تطهير الجنان واللسان ص ۹٤،۹٥؛ومختصر تطهير الجنان ۸۲،۸۳)

ہائے وکلائے ملوکیت کی بےبسی

افسوس کہ اِس کلام کے آخر میں جو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی ہے وہ دعا خود اُن کے حق میں قبول نہیں ہوئی، کیونکہ اُن کا یہ سارا کلام حقائق کے خلاف ہے۔ ہر چند کہ وہ عظیم عالم، فقیہ اور محدث تھے لیکن اُن سے اِس مسئلہ میں ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ اُنہوں نے یہ کتاب ایک بادشاہ ''ہمایوں اکبر سلطان الہند'' کی خواہش پر لکھی اور وہ اِس کتاب کا پیٹ بھرنے کی خاطر موضوع روایات اور باطل تاویلات وتلبیسات کا سہارا لیتے رہے۔

اگر کسی صاحب کو میرا یہ تبصرہ ناگوار محسوس ہو رہا ہو تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ اُن مقامات میں غور فرمائیں جن پر ہم نے لکیر کھینچ دی ہے۔ ہم باری باری اُن مقامات پر گفتگو کرتے ہیں اور اہل علم وانصاف سے اُن میں غور وفکر کرنے کی اپیل کرتے ہیں، اگر ہماری کوئی گذارش درست ہو تو قبول فرمایئے ورنہ دلائل کے ساتھ رد کرنا ہر ایک کا حق ہے۔

خواہش کا متبع بھی قابلِ مدحت؟

1۔ اُن خط کشیدہ باتوں میں سے پہلی بات وہ ہے جس کو امیر شام نے اِن الفاظ میں ادا کیا:

لَوْلَا هَوَايَ فِيْ يَزِيْدَ لَأَبْصَرْتُ قَصْدِيْ.

''اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میں راہِ اعتدال دیکھ لیتا''۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جب امیر شام خود اعتراف کر رہے ہیں کہ یزید کے معاملہ میں وہ خواہش کا شکار ہو گئے تو یہ بات قابل تعریف کیسے ہو گئی؟ قرآن وسنت میں ''هوى'' (خواہش) کی پیروی کی مذمت آئی ہے، حتیٰ کہ بعض احادیث میں اس کو منافی ایمان بھی فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ.

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی خواہش اُس چیز کے

تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا"۔

(شرح السنة ج١ ص١٤٥ حديث ١٠٤؛ كتاب السنة لابن أبي عاصم ص١٢ حديث ١٥؛ تاريخ بغداد ج٥ ص١٣٣؛ مختصر الحجة لأبي الفتح المقدسي ص٣١ حديث ٢٥؛ كتاب الأربعين البلدانية لأبي طاهر السلفي ص ١٧٧؛ جامع العلوم والحكم لابن رجب ج٢ ص٣٩٣، وط: ص ٨٢٤؛ مشكاة حديث ١٦٧؛ التعيين في شرح الأربعين للطوفي ص٣٣١)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ :هَوًى مُتَبَعٌ ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ.

"تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے، بخل جس کی اطاعت کی جائے اور خود پسندی"۔

(صحيح الجامع الصغير للألباني ج١ ص٥٨٣ حديث ٣٠٣٩؛ ضياء القرآن ج٥ ص٤٨٧)

قرآن مجید میں سورۃ النازعات کی آیت ۴۰، ۴۱ کا ترجمہ اور تفسیر بغور پڑھیے پھر خود فیصلہ کیجئے کہ علامہ ابن حجر مکی کے درج بالا کلام کی کیا حیثیت ہے؟ نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جس خواہش کی ابن حجر مکی کے ممدوح نے پیروی کی اُس کا نقصان فقط اُن کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ متعدی فساد تھا اور ہے۔ اس بات کو خود علامہ موصوف نے بھی تسلیم کیا ہے، جیسا کہ اُن کے کلام کے ترجمہ میں آپ یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں:

"یزید کی محبت نے بہت صاف باتوں کو مجھ پر تاریک کر دیا اور اسی وجہ سے اس فاسق نابکار کو خلافت ملی، جس سے لوگ ہلاکت میں پڑے"۔

میں پوچھتا ہوں: بعض طلقاء کی وہ تباہ کن خواہش جس کے اثرات تب سے اب تک مسلسل جاری ہیں، کیا اُس کا دفاع کرنا کتاب وسنت کا حکم ہے؟

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب!

2۔ اُن خط کشیدہ باتوں میں سے دوسری بات یہ ہے:

"یزید کی محبت نے بہت صاف باتوں کو مجھ پر تاریک کر دیا
اور اسی وجہ سے اس فاسق نابکار کو خلافت ملی"۔

غور فرمایئے! صرف ''صاف بات'' ہی نہیں بلکہ ''بہت صاف بات'' بھی موصوف پر تاریک رہی۔ اگر انکشافِ حق میں معاملہ اس قدر تاریک ہوجائے تو قرآن وسنت کی زبان میں اس کو نظر کا نہیں بلکہ بصیرت کا قصور فرمایا گیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

لَيْسَ الْأَعْمٰى مَنْ يَعْمٰى بَصَرُهٗ ، إِنَّمَا الْأَعْمٰى مَنْ تَعْمٰى بَصِيْرَتُهٗ.

''وہ اندھا نہیں جس کی آنکھیں اندھی ہوں، اندھا تو وہ ہے جس کی بصیرت اندھی ہو''۔

(نوادر الأصول ج۱ ص۳۷۱، وج٦ ص۱۵۷ حديث۱۳۸۷؛ شعب الإيمان ج۲ ص۱۲۷، الجامع لشعب الإيمان ج۲ ص٤۹۹، ۵۰۰ حديث۱۳۰۹؛ الدر المنثور ج٦ ص٦۲ وط: ج۱۰ ص۵۲۰؛ الجامع الصغير حديث۷۵٦۹)

اِس حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ.

''حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں''۔

(الحج: ٤٦)

جب خواہشات کی پیروی میں دل اندھے ہوجاتے ہیں تو پھر انسان عقل وعلم کے باوجود اندھا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ.

''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا اور اللہ نے اُسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اُس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، تو اللہ کے بعد کون اسے راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے''۔[ترجمة: كنز الإيمان]

(الجاثية: ۲۳)

جبکہ قلبِ بینا پر حق بالکل اُسی طرح واضح ہوجاتا ہے جس طرح آنکھ کے سامنے آفتاب۔ چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی لکھتے ہیں:

وَالْقَلْبُ يُبْصِرُ الْحَقَّ كَمَا تُبْصِرُ الْعَيْنُ الشَّمْسَ.

”قلب (بینا) حق کو یوں دیکھتا ہے جس طرح آنکھ آفتاب کو دیکھتی ہے“۔

(إغاثة اللهفان ج١ ص ٨٠)

ایک اور مقام پر علامہ موصوف قلبِ بینا کی شان میں لکھتے ہیں:

إِذَا قَوِيَ نُورُهُ وَإِشْرَاقُهُ انْكَشَفَتْ لَهُ صُوَرُ الْمَعْلُومَاتِ وَحَقَائِقُهَا عَلٰى مَا هِيَ عَلَيْهِ.

”جب دل کا نور اور اس کی چمک قوی ہو جائے تو اس پر معلومات کی صورتیں اور اُن کی حقیقتیں یوں منکشف ہو جاتی ہیں جیسا کہ وہ ہوتی ہیں“۔

(إغاثة اللهفان ج١ ص ٢١)

اسی حقیقت کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے:

دل زندہ و بیدار ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

(بالِ جبریل ص ١٣٣)

سو قابلِ تعریف شخص وہ ہوتا ہے جس کا قلب اتنا بینا ہو کہ اُس پر اُس کا اپنا اور دوسروں کا دنیوی اور اُخروی نفع و ضرر اپنی اصل صورت میں یوں واضح ہو جائے جس طرح آنکھ کے سامنے آفتاب، اور جس شخص کا دل اندھا ہو تو وہ قابلِ تعریف نہیں ہوتا کیونکہ دل کا اندھا پن آنکھ کے اندھے پن سے زیادہ مضر ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی لکھتے ہیں:

فَالْقَلْبُ يَرىٰ وَيَسْمَعُ وَيَعْمٰى وَيَصِمُّ ، وَعَمَاهُ وَصَمَمُهُ أَبْلَغُ مِنْ عَمَى الْبَصَرِ وَصَمَمِه.

”پس قلب دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی، اندھا بھی ہوتا ہے اور بہرا بھی، اور اُس کا اندھا پن اور بہرا پن، آنکھ کے اندھے پن اور کان کے بہرے پن سے زیادہ مضر ہوتا ہے“۔

(مدارج السالكين لابن قيم ج٦ ص ٣٤٠٠)

اب ایک طرف یہ قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور اقوال کو رکھیں اور دوسری طرف علامہ ابن حجر مکی کے اُن الفاظ کو رکھیں جو اُنہوں نے اپنے ممدوح کے حق میں یوں ادا کیے ہیں:

بِأَنَّ مَزِيْدَ مَحَبَّتِهِ لِيَزِيْدَ ، أَعْمَتْ عَلَيْهِ طَرِيْقَ الْهُدٰى .

''یعنی یزید کی محبت نے بہت صاف باتوں کو اُن پر تاریک کر دیا''۔

اور اِن الفاظ کو بھی:

فَسَلَبَ عَقْلُهُ الْكَامِلُ ، وَعِلْمُهُ الشَّامِلُ ، وَدَهَاءَهُ الَّذِيْ كَانَ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ .

''پس ان کی عقل کامل اور علم شامل سلب ہو گیا اور ان کی اصابت رائے جو ضرب المثل تھی جاتی رہی''

اور پھر نتیجہ نکالیں کہ علامہ ابن حجر مکی اپنے ممدوح وموصوف کی فضیلت ثابت کر رہے ہیں، اُن کا دفاع کر رہے ہیں یا اُلٹا اُن کے خلاف ثبوت مہیا کر رہے ہیں؟

محبت اندھا کر دیتی ہے

3۔ اُن خط کشیدہ باتوں میں سے تیسری بات یہ ہے:

> ''اسی وجہ سے ان کی عقل کامل اور ان کا علمِ شامل سلب ہو گیا اور ان کی اصابت رائے جو ضرب المثل تھی جاتی رہی اور یزید کی طرف سے ان کو حسن ظن پیدا ہوا اور اس کو تمام برائیوں سے پاک صاف سمجھ لیا''۔

پہلے اس کلام کو بار بار پڑھیے پھر درج ذیل حدیث میں غور فرمایئے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ.

''کسی چیز کو تیرا (حد سے زیادہ) چاہنا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے''۔

(سنن أبي داود ج ٥ ص ٢١٨ حديث ٥١٣٠)

پھر وہاں ایک محبت نہیں بلکہ کئی محبتیں جمع ہو گئی تھیں: مال کی محبت، جاہ وجلال کی محبت، اپنے ہی خاندان (بنواُمیہ) میں اقتدار کے تسلسل کی محبت اور اولاد کی محبت۔ ﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ یہ تمام محبتیں وہ ہیں جن کا سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ٢٤ میں ذکر ہے۔ جب یہ ساری محبتیں جمع ہو گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ موصوف کی بصیرت سلب ہو گئی اور اُن سے قرآن وسنت اور خلفاء راشدین ﷺ کا اُسوہ سب کچھ متروک ہو گیا۔

تقدیر کا بہانہ

4۔ اُن خط کشیدہ باتوں میں سے چوتھی بات یہ ہے:

''حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بڑے عقل مندوں کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور جو خدا چاہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے''۔

اِس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حسبِ دستور ناجائز دفاع میں یہ فاش غلطی ہوگئی کہ اُنہوں نے اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لیے جو حدیث نقل کی ہے وہ موضوع وجعلی ہے۔اس حدیث کو امام قضاعی نے روایت کیا ہے۔

(مسند الشهاب ج٢ ص ٣٠١ حديث ١٤٠٨)

اس میں ایک راوی محمد بن سعید المؤدب ہے۔امام ذہبی نے لکھا ہے:

''میں اس کو نہیں جانتا اور یہ ایک منکر روایت لایا ہے، پھر یہی روایت نقل کر کے فرمایا: یہ آفت مؤدب نے خود یا اُس کے شیخ نے ڈھائی ہے''۔

میزان الاعتدال ج٦ ص ٣٢٥)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس بات کو مقرر رکھا ہے۔

(لسان الميزان ج٧ ص ٤٨٢)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو دیلمی سے روایت کیا ہے اور اس پر کوئی حکم نہیں لگایا لیکن امام مناوی اور سلفی عالم محمد بن اسماعیل صنعانی نے لکھا ہے:

فِيهِ سَعِيْدُ بْنُ سَمَّاکِ بْنِ حَرْبٍ مَتْرُوْکٌ کَذَّابٌ ، فَکَانَ الْأَوْلٰی حَذْفَهٗ مِنَ الْكِتَابِ.

''اس کی سند میں سعید بن سماک بن حرب متروک اور جھوٹا ہے، اس حدیث کا کتاب سے حذف ہونا مناسب تھا''۔

(فيض القدير ج١ ص ٢٦٧، ٢٦٨ حديث ٤٠٦؛ التنوير في شرح الجامع الصغير للأمير الصنعاني ج١ ص ٥٤١، ٥٤٢ حديث ٤٠٥)

اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو پھر بھی علامہ ابن حجر مکی کے استدلال پر چند سوالات وارد ہوتے:

۱۔ اوّلاً یہ کہ ایسی سہولت بھری تاویلات فقط صحابی کہے جانے والے بعض طلقاء کے لیے ہی ہیں یا دنیا بھر کے تمام تباہ کن اقدامات اور باطل فیصلے کرنے والے دوسرے بادشاہوں اور باقی لوگوں کے لیے بھی ہیں؟

۲۔ ثانیاً یہ کہ اگر یہ تاویلات سب کے لیے ہیں تو پھر انسان کے مکلف و مختار ہونے کا کیا مطلب ہے، کتاب وسنت کے نازل ہونے کا کیا فائدہ ہے اور اوامر و نواہی کا کیا مقصد ہے؟ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں، اے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش، ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

(ضربِ کلیم ص ٦٤، کلیاتِ اقبال اردو ص ٥٢٦)

۳۔ ثالثاً یہ کہ جنابِ معاویہ کی وفات ٦٠ ھ میں ہوئی اور وہ پچاس ہجری سے قبل مخفی طریقوں سے اور پچاس ہجری کے بعد علی الاعلان بیعتِ یزید کے لیے کوشاں ہو گئے تھے۔ کیا اُن کی عقل کامل اور علم شامل مسلسل دس سال سے زائد عرصہ تک سلب ہی رہا؟

۴۔ رابعاً یہ کہ اُنہوں نے یزید کی ولی عہدی کے لیے رشوتیں دیں، جیسا کہ ہم اسناد حسنہ اور صحیحہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کیا ایسے تمام امور بھی اُن کے علمِ شامل اور عقلِ کامل کے سلب ہو جانے کی وجہ سے سرزد ہوتے رہے؟

دو تقدیروں کا ٹکراؤ، زبردست تماشا!

۵۔ خامساً یہ کہ اگر اِس موضوع حدیث کو اور علامہ ابن حجر ہیتمی کی باطل تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ اُن کے اپنے موقف سے ٹکراتی ہے بلکہ اُن کی پیش کردہ دوسری موضوع حدیث سے بھی ٹکراتی ہے، اور پھر اُن دونوں موضوع حدیثوں کا ٹکراؤ دو تقدیروں کے ٹکراؤ کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ وہ کیسے؟ آیئے! یہ عاجز تفصیل پیش کرتا ہے:

علامہ موصوف کے نزدیک موضوع حدیث "اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا" صحیح ہے۔ اُنہوں نے یہ حدیث نقل کر کے کہا ہے کہ اگر معاویہ اِس لائق نہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ اُن کے لیے دعا ہی کیوں کرتے؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فَتَأَمَّلْ هٰذَا الدُّعَاءَ مِنَ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ [ﷺ]، وَأَنَّ أَدْعِيَتَهُ لِأُمَّتِهِ لَاسِيَّمَا أَصْحَابُهُ مَقْبُوْلَةٌ غَيْرُ مَرْدُوْدَةٍ، تَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ اِسْتَجَابَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا الدُّعَاءَ لِمُعَاوِيَةَ، فَجَعَلَهُ هَادِيًا لِلنَّاسِ مَهْدِيًّا فِيْ نَفْسِهِ، وَمَنْ جَمَعَ لَهُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الْمَرْتَبَتَيْنِ، كَيْفَ يُتَخَيَّلُ فِيْهِ مَا تَقُوْلُهُ عَلَيْهِ الْمُبْطِلُوْنَ وَوَصَمَهُ بِهِ الْمُعَانِدُوْنَ، مَعَاذَ اللّٰهِ، لَايَدْعُوْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهٰذَا الدُّعَاءِ الْجَامِعِ لِمَعَالِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، الْمَانِعِ لِكُلِّ نَقْصٍ، نَسَبَتْهُ إِلَيْهِ الطَّائِفَةُ الْمَارِقَةُ الْفَاجِرَةُ إِلَّا لِمَنْ عَلِمَ ﷺ أَنَّهُ أَهْلٌ لِذٰلِكَ، حَقِيْقٌ بِمَا هُنَالِكَ.

فَإِنْ قُلْتَ: هٰذَانِ اللَّفْظَانِ ـ أَعْنِيْ هَادِيًا مَهْدِيًّا ـ مُتَرَادِفَانِ أَوْمُتَلَازِمَانِ، فَلِمَ جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا؟ قُلْتُ: لَيْسَ بَيْنَهُمَا تَرَادُفٌ وَلَا تَلَازُمٌ، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَكُوْنُ مُهْتَدِيًا فِيْ نَفْسِهِ، وَلَايَهْتَدِيْ غَيْرُهُ بِهِ..... فَلِأَجْلِ هٰذَا طَلَبَ ﷺ لِمُعَاوِيَةَ حَيَازَةَ هَاتَيْنِ الْمَرْتَبَتَيْنِ الْجَلِيْلَتَيْنِ حَتّٰى يَكُوْنَ مَهْدِيًّا فِيْ نَفْسِهِ هَادِيًا لِلنَّاسِ، وَدَالًّا لَهُمْ عَلٰى مَعَالِي الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ.

"آپ صادق ومصدوق ﷺ کی اِس دعا میں غور کریں، بلاشبہ آپ کی دعائیں امت کے لیے خصوصاً آپ کے صحابہ کے لیے مقبول ہیں مردود نہیں، تو جان جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا معاویہ کے حق میں قبول فرمائی تو اُنہیں لوگوں کو ہدایت کرنے والا اور فی نفسہ ہدایت یافتہ بنادیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے یہ دونوں مرتبے جمع فرمادے تو اُس کے بارے میں وہ خیالات کیونکر درست ہو سکتے ہیں جو اُن کے خلاف باطل پرست لوگ بناتے اور معاندین اُن سے منسوب کرتے ہیں؟ معاذ اللہ۔ رسول اللہ ﷺ ایسی دعا جو دنیا وآخرت کی فضیلتوں کو جامع ہو اور ہر ایسے نقص کی مانع ہو جو بے دین وفاجر لوگ اُن کی طرف نسبت کرتے ہیں ہرگز نہیں مانگیں مگر اُس شخص کے لیے جس کے بارے میں آپ ﷺ کو علم ہو کہ وہ اس دعا

کا اہل اور حقیقی معنیٰ میں حق دار ہے۔

اگر تم کہو کہ یہ دونوں لفظ "هادي" اور "مهدي" مترادف اور متلازم المعنیٰ ہیں تو پھر حضور ﷺ نے انہیں جمع کیوں فرمادیا؟ میں کہتا ہوں: اِن دونوں کے درمیان کوئی ترادف اور تلازم نہیں ہے، کیونکہ کبھی انسان خود تو ہدایت یافتہ ہوتا ہے لیکن دوسرے اُس سے ہدایت نہیں پاتے، اور کبھی وہ دوسروں کو ہدایت کرنے والا ہوتا ہے اور خود ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ پس اس وجہ سے آپ ﷺ نے معاویہ کے لیے یہ دونوں جلیل القدر مرتبے اکٹھے مانگ لیے تاکہ وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں اور لوگوں کو بھی ہدایت کرنے والے ہوں اور اُنہیں بلند اخلاق اور اعمالِ حسنہ پر اُبھارنے والے ہوں"۔

(تطهير الجنان ص ٤٩، ٥٠، ومترجم تطهير الجنان للمفتي عبد الشكور لكهنوي ص ٢٧)

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ اِس کلام میں اُن دو باتوں پر خصوصی توجہ فرمائیں جن پر علامہ ابن حجر مکی نے زیادہ زور دیا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ نبی کریم ﷺ دعا مانگتے ہی اُس شخص کے لیے تھے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس دعا کا اہل اور مستحق ہے۔ یہ جملہ خود اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی دُعا اُس بندے کی تقدیر کے مطابق ہوگی، کیونکہ ایک تو آپ ﷺ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے تھے اور دوسرا آپ پر اپنی امت کے احوال بھی منکشف کردیے گئے تھے اور تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو دعا قبول نہیں فرمانا ہوتی تھی اُسے مانگنے سے پہلے ہی منع فرمادیتا تھا، لہٰذا بقول علامہ ابن حجر مکی اگر یہ دعا قبول ہوئی تو تقدیر کے مطابق تھی بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جس کے حق میں جس طرح الفاظِ نبوی ﷺ صادر ہوگئے وہی اس کی تقدیر بن گئی۔

دوسری بات یہ کہ علامہ ابن حجر مکی نے لفظ "هادي" اور "مهدي" کے مترادف المعنیٰ کی بحث چھیڑ کر اس بات کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ جب معاویہ کے حق میں یہ دعا ہوگئی تو وہ لازماً بیک وقت ھادی اور مہدی دونوں فضیلتوں کے حامل ہوگئے اور ہر اُس نقص سے منزہ و مبراء ہوگئے جو اُن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

اب آپ پہلے اِس دعا میں مع تشریح غور فرمائیے پھر یزید پلید کے تقرر کے وقت معاویہ پر جو صاف باتیں تاریک ہوگئیں اور اُن کا علم شامل اور عقلِ کامل سلب ہوگئی، جس کو خود علامہ موصوف نے ہی بیان فرمایا ہے، میں غور

کرتے ہوئے خود بھی انصاف فرمایئے اور دُکلائے ملوکیت سے بھی پوچھئے کہ اُس وقت حضور اکرم ﷺ کی اُس جامع و مانع دعا کی مقبولیت کہاں گئی تھی؟ اُن سے پوچھئے کہ جب تم خود یزید خبیث کو فاسق مارق (بے دین) تسلیم کر رہے ہو اور معاویہ کو اُس کے تقرر کا فاعل بھی مان رہے ہو تو پھر بیک وقت ہادی اور مہدی ہونا اور ایسے تقرر کا فاعل ہونا جب اُن پر راہِ ہدایت تاریک ہوگئی تھی، آخر اِن دونوں باتوں کا اجتماع کیونکر ممکن ہے؟

اگر وہ پھر کہیں کہ تقدیر آڑے گئی تو اُنہیں بتایئے کہ دعا تقدیر کو ٹال دیتی ہے اور اِس پر حسبِ ذیل احادیث دلیل ہیں:

۱۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أُدْعُوا، فَإِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ.

''دعا مانگا کرو، کیونکہ دعا قضا کو ٹال دیتی ہے''۔

(كتاب الدعاء للطبراني ج١ ص٧٩٨ حديث ٢٩)

۲۔ سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ.

''قضا کو دعا ہی ٹال سکتی ہے''۔

(سنن الترمذي ج٤ ص١٨ حديث ٢١٣٩؛ كتاب الدعاء للطبراني ج١ ص٧٩٨ حديث ٢٩)

۳۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ.

''تقدیر کو دعا ہی ٹال سکتی ہے''۔

(المستدرك ج١ ص٤٩٣؛ شرح مشكل الآثار ج٨ ص٧٩ حديث ٣٠٦٩)

امام حاکم و ذہبی دونوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بتلایئے جب ایک صالح مسلمان کی دعا سے تقدیر ٹل جاتی ہے تو جو لوگ حدیث ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا وَاهْدِ بِهِ'' (اے اللہ! اُس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے اور دوسروں کو اُس کے ذریعے ہدایت دے) کو صحیح مانتے ہیں، وہ بتلائیں کہ سید الانبیاء والمرسلین اور محبوبِ رب العالمین ﷺ کی دعا معاویہ کے حق میں کیوں قبول نہ ہوئی؟ کیا یہی سمجھا جائے کہ دو تقدیروں کا ٹکراؤ ہو گیا تھا اور حضور ﷺ کی مانگی ہوئی دعا مسترد ہو گئی تھی؟

قارئین کرام! غلط غلط اور باطل باطل ہی رہتا ہے، خواہ اُس کو ثابت کرنے اور منوانے کے لیے قدآور لوگ تلبیسات وتاویلات کا سہارا لیں یا قطری خط کی طرح موضوع وجعلی احادیث لے آئیں۔ فَتَدَبَّرُوْا!

نگاہِ باپ میں یزید کی اچھائی کا راز

٦۔ علامہ ابن حجر مکی کی باتوں میں سے ساتویں بات یہ ہے:

"یزید نے بہت سے لوگ اپنے والد کے پاس خاص اسی کام کے لیے مقرر کیے تھے کہ وہ یزید کے عمدہ حالات ان سے بیان کریں۔ اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ یزید کو اور (دوسرے) صحابہ کے بیٹوں سے افضل سمجھتے تھے، لہٰذا اُنہوں نے یزید کو سب پر ترجیح دی"۔

شاباش، شاباش! محدثانہ، عالمانہ اور فقیہانہ بصیرت کا کمال ہے! کیا یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس اقتباس میں مذکور ہے اس کا تعلق نقل سے ہے یا عقل سے؟ اگر نقل سے ہے تو پھر یہ کہاں لکھا ہوا ہے اور یزید کی اُس کے باپ سامنے ایسی تعریف کرنے والے لوگ کون تھے؟ آیا وہ یزید کے ننھیال سے تھے جو کہ عیسائی تھے یا اُس کے ددھیال سے اموی لوگ تھے؟ اور اگر یہ نقل نہیں بلکہ عقلی اختراع ہے تو پھر بتائیے کہ ملوکیت کے جواز کے لیے اس قدر عقلی پاپڑ بیلنے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا شریعت میں اس پر کسی قسم کے اجر وثواب کی بشارت آئی ہے؟

ووٹرز کی تقریر احادیث پر بھی حاوی؟

حد ہوگئی کہ علامہ ابن حجر مکی نے یہاں تک لکھ دیا کہ یزید کی شان میں خوشامدی لوگوں کی تعریفی تقریریں معاویہ پر اس قدر اثر انداز ہوئیں کہ وہ محض اُن کے تعریفی کلمات کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اپنے بیٹے کو تمام صحابہ کی اولاد سے افضل سمجھ بیٹھے بلکہ اُس خبیث کو اُن سب پر ترجیح بھی دے ڈالی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ووٹرز کی تعریف کی بنا پر یزید کی اِس افضلیت اور ترجیح کو فقط معاویہ کی وفات کے آخری سال سے جوڑا جائے تو اُس وقت صحابہ کی اولاد ہی نہیں بلکہ خود صحابہ کرام ﷺ بھی موجود تھے، جیسا کہ خال المؤمنین (اگر جائز ہو تو) حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، انس بن مالک ﷺ اور سیدنا امام حسین علیہ السلام وغیرہ۔ یزید کے ووٹرز کی تعریفوں سے نگاہِ معاویہ میں یزید اِن سب سے افضل کیسے ہوگیا؟ اور اگر یزید کی ولی عہدی کی کوششوں کا تعلق اِس سے پہلے سمجھا جائے اور یہی حقیقت ہے کہ معاویہ نے پچاس ہجری سے بھی پہلے یزید کو ولی عہد بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی اور اُس وقت عشرہ مبشرہ میں سے ایک سے زائد حضرات اور دوسرے اکابر ﷺ بھی موجود تھے تو پھر بتلائیے بقول علامہ ابن حجر مکی اگر معاویہ

کو یزید خبیث ایسے سب حضرات سے افضل نظر آتا تھا تو اِس کو معاویہ کی نظر کا کمال سمجھا جائے، یزید پلید کے دوٹرز کی تقاریر اور ورکری کا کمال سمجھا جائے یا "النُّكْتَةُ بَعْدَ الْوُقُوعِ" کی طرح علامہ ابن حجر مکی کی تحریر کا کمال سمجھا جائے؟

قارئین کرام! جب بعض طلقاء کے ناجائز دفاع میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محدث اور فقیہ دلائل سے اس قدر تہی دست ہیں تو پھر خود اندازہ فرمائیے کہ اِس ناجائز دفاع میں ہمارے دور کے اُمراء یا واقعی علماء کی کیا حیثیت ہے کہ وہ کوئی کام کی بات لاسکیں؟

خواہش پرست سے محبت؟

علامہ ابن حجر مکی نے خود لکھا ہے کہ امیر شام پر خواہش نے ہدایت کا راستہ تاریک کر دیا تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر خواہش پرست سے تو محبت ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا.

''اور اُس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اُس کا کام حد سے گذر گیا''۔

(الکھف: ۲۸)

موصوف سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت سے قبل اشاروں اور کنایوں میں یزید پلید کی ولی عہد کی بات کیا کرتے تھے اور اُن کی شہادت کے بعد کھلم کھلا دھن، دھونس اور دھمکیوں کے ذریعے اُس کی ولی عہدی کی بیعت لیتے تھے۔ کم وبیش مسلسل چودہ برس تک وہ اِس خواہش کی پیروی میں رہے اور بالآخر اِس کو عملی جامہ پہنا کر ہی دم لیا، سو جب وہ ایک ناجائز خواہش کی تکمیل میں اتنا عرصہ مگن رہے تو پھر اُن کے دفاع میں اس قدر جتن کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اُن کے قول وعمل کو اُسوہ بنانا مطلوب ہے؟ خدا جانے کہ لوگوں کو ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ﴾ اور ﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ﴾ [الفرقان: ۴۳] اور ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ [الجاثیۃ: ۲۳] وغیرھا آیات کیوں نہیں سمجھ آتیں؟ کیا کتاب وسنت میں کہیں یہ تصریح آئی ہے کہ صحابی کہا جانے والا کوئی انسان واقعی کسی انفرادی ہی نہیں بلکہ قومی وملی بربادی پر مبنی بدترین خواہش کی پیروی کرے تو وہ اِس قسم کی آیات سے مستثنیٰ ہے اور اُس کا دفاع کرنا لازم ہے؟

امیر اہل سنت فیض دہندہ یا فیض جوئندہ؟

امیر اہل سنت نے اپنی کتاب کا پیٹ بھرنے کے لیے امیر شام کے مکمل خانوادہ کے حالات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، حتیٰ کہ اس سلسلے میں اُنہوں نے اُن کی بیوی اور یزید پلید کی ماں (میسون بنت بحدل کلبیہ) کا بھی فیضان بیان کر دیا ہے اور اُس کے بھاری القابات وصفات قلم بند کی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"میسون بنت بحدل کلبی: اللہ ﷻ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو بے پناہ فہم وفراست اور تقویٰ وپرہیزگاری جیسی صفات سے نوازا تھا۔ شریعت کے معاملے میں آپ رحمۃ اللہ علیہا بے حد محتاط تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کا شمار تابعیات میں ہوتا ہے چنانچہ حضرت سیدنا حسن بن محمد صغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میسون بنت بحدل امیر معاویہ کی زوجہ ہیں اور تابعیات میں شامل ہیں"۔ (البدایۃ والنہایۃ، العباب الزاخر)

(فیضان امیر معاویہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ص ٣٤،٣٥)

پہلے تو امیر اہل سنت سے یہ پوچھا جائے کہ میسون بنت بحدل کے بارے میں جو کچھ اُنہوں نے ذکر کیا ہے، وہ تاریخ ہے یا قرآن وحدیث؟ اگر تاریخ ہے تو پھر میسون ایسی نہیں تھی جس طرح وہ اُسے ثابت کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض امیر اہل سنت کا ہی فیضان ہے۔ اُنہوں نے حافظ ابن کثیر کے حوالے سے جو مفہوم ادا کیا ہے اُس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

وَكَانَتْ حَازِمَةً عَظِيمَةَ الشَّأْنِ جَمَالًا وَّرِيَاسَةً وَعَقْلًا وَدِينًا.

"وہ دانا، عظیم الشان، خوبصورت، سردارہ، عقل منداور دین دار تھی"۔

(البداية والنهاية بتحقيق محسن التركي ج١١ ص٤٦٣)

یہ حافظ ابن کثیر کی طرف سے ایسی فیاضی ہے جو خود اُن کے اپنے مندرجات کے خلاف ہے۔ خصوصاً "وَدِيْنًا" کا لفظ۔ حافظ ابن کثیر کے جو مآخذ ہیں اُن میں یہ الفاظ نہیں ہیں، ماسوا اس کے کہ تاریخ دمشق میں فقط لفظ "لَبِيبَةً" (زیرک) موجود ہے۔ خدا جانے کہ ابن کثیر کے قلم کو کیا ہو جاتا ہے کہ جب وہ بنو امیہ کے بارے میں لکھ رہے ہوں تو اُن کا قلم پھیلتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر وہ امیر شام کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نقل کر رہے تھے تو اُن کے قلم نے "كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ" کے الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیے۔ یہاں بھی اُن کے قلم نے ایک

زبردست فیاضی کی ہے۔ پہلے اُنہوں نے اپنے طور پر میسون کی دین داری رقم فرمائی پھر لکھا:

فَلِهٰذَا أَوْلَى اللّٰهُ اِبْنَهَا يَزِيْدَ الْخِلَافَةَ بَعْدَ أَبِيْهِ.

''پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس کے بیٹے یزید کو اُس کے باپ کے بعد خلافت سونپی''۔

(البداية والنهاية بتحقيق أكرم عبداللطيف البوشي ج۸ص ۲۱۰،وبتحقيق محسن التركي ج۱۱ ص۴٦۳،ومترجم اردو ج۸ص ۱۸۹)

اس کے برعکس جب وہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے بارے میں کچھ لکھ رہے ہوں تو اُن کا قلم جرح پر اتر آتا ہے۔ اس کی کچھ غیر مبہم اور واضح مثالیں مجھ عاجز کی تالیف ''**شرح كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين**'' میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہما کے مابین مفاضلہ کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

امیر اہل سنت حافظ ابن کثیر سے بھی آگے نکل گئے اور اُنہوں نے تین مرتبہ میسون کے نام ساتھ ''**رحمة الله تعالىٰ عليها**'' لکھ کر اُسے مزید فیضان سے نواز دیا۔

میسون بنت بحدل اور اس کے سرتاج کا تقویٰ؟

قارئین کرام! آیئے ہم آپ کے سامنے میسون اور اُس کے شوہر کے تقویٰ کا حال اُسی کتاب سے پیش کرتے ہیں جس کا امیر اہل سنت نے حوالہ دیا۔ اُس کتاب کے اُسی مقام کی اگلی سطور آپ خود کتاب کھول کر دیکھ لیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ جس عورت کو ابن کثیر اور ہمارے لکیر کے فقیر امیر اہل سنت اس قدر پارسا بنا کر پیش کر رہے ہیں، کیا واقعۃً وہ ایسی پارسا تھی؟ ہرگز نہیں تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امیر شام نے میسون کی موجودگی میں ایک اور عورت سے شادی کی تو میسون کو اُس کے جسم کا معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ میسون نے اُس عورت کی شرمگاہ تک کا معائنہ کیا۔ چنانچہ ابن کثیر ہی لکھتے ہیں:

> ''اور اُنہوں [معاویہ] نے نائلہ بنت عمارہ الکلبیہ سے بھی نکاح کیا جس کا حُسن اُنہیں اچھا لگا اور اُنہوں نے میسون بنت بحدل سے کہا: جا کر اپنی عم زادی کو دیکھو۔ وہ اندر گئی تو معاویہ نے اُس سے اُس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: وہ حسن و جمال میں کامل ہے لیکن میں نے اس کی ناف کے نیچے ایک تل دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کا خاوند قتل ہو جائے گا اور اُس کا سر

اس کی گود میں رکھا جائے گا تو حضرت معاویہ نے اسے طلاق دے دی اور اُن کے بعد حبیب بن
سلمہ فہری نے اس سے نکاح کر لیا پھر اس کے بعد نعمان بن بشیر نے اُس سے نکاح کیا اور قتل ہو
گئے اور اُن کا سر اُس کی گود میں رکھا گیا''۔

(البداية والنهاية مترجم اردو ج٨ ص١٨٩، وبتحقيق أكرم عبداللطيف البوشي ج٨ ص٢١٠، و بتحقيق محسن التركي ج١١ ص٤٦٣)

کیا عورت کا عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے؟

اس عبارت میں دو ایسی باتوں کا ذکر ہے جو شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبها الصلاۃ والتسلیم کے خلاف ہیں:

۱۔ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسری عورت کی ناف کے نیچے دیکھے۔ چنانچہ دعوتِ اسلامی کی تحقیق کے ساتھ، امیر اہل سنت کے حسبِ منشا اُنہی کے مکتبہ سے شائع ہونے والی کتاب میں مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صحیح مسلم میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد دوسرے مرد کی ستر کی جگہ نہ دیکھے اور نہ عورت دوسری عورت کی ستر کی جگہ دیکھے''۔

(بہار شریعت تخریج شدہ ج٣[الف]ص٤٤١؛ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر إلى العورات، حدیث٨٤[٣٣٨]، مکتبة المدینة، باب المدینة، کراچی)

علامہ اعظمی آگے چل کر مسائل فقہیہ میں مسئلہ نمبر ۴ کے تحت لکھتے ہیں:

''عورت کا عورت کو دیکھنا، اس کا وہی حکم ہے جو مرد کو مرد کی طرف نظر کرنے کا ہے، یعنی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی''۔

(بہار شریعت تخریج شدہ ج٣[الف]ص٤٤١، الهداية، کتاب الكراهية، فصل فی الوطء والنظر واللمس، ج٢ ص٣٧٠، مکتبة المدینة، باب المدینة، کراچی)

نکاح سے قبل تو شریعت کی طرف سے نکاح کا ارادہ رکھنے والے مرد کو بھی اجازت ہے کہ وہ عورت کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے مگر یہ کس شریعت میں جائز ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد کوئی شخص اپنی پہلی بیوی کو حکم دے کہ وہ اندر جا کر نئی منکوحہ کو ٹٹول کر دیکھے؟ تقویٰ کی پیکر میسون نے ناف کے نیچے اتنا ٹٹول کر تو دیکھا تھا کہ تل کو بھی تاڑ لیا

تھا۔اس سے ہر عقل مند مگر باحیا مسلمان میسون اور اُن کے شوہر کے اعلیٰ تقویٰ کا اندازہ کر سکتا ہے۔اگر آپ کو بھی یہ اندازہ ہو چکا ہو تو ایک مرتبہ پھر امیر اہل سنت کے درجِ ذیل الفاظ میں غور کیجئے:

''اللہ عزوجل نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو بے پناہ فہم و فراست اور تقویٰ و پرہیز گاری جیسی صفات سے نوازا تھا۔شریعت کے معاملے میں آپ رحمۃ اللہ علیہا بے حد محتاط تھیں''۔

(فیضان امیر معاویہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ص ۳۵)

سبحان اللہ، یہ ہے ''بے پناہ فہم و فراست اور تقویٰ و پرہیز گاری'' خود انصاف فرمائیے کہ امیر اہل سنت اس خانوادہ کے فیض دہندہ ہیں یا فیض جوئندہ؟

کیا اُم یزید میسون غیب دان تھی؟

۲۔ مذکورہ بالا عبارت میں دوسری خلافِ شرع بات یہ ہے کہ میسون نے اپنی بن جانے والی سوکن نائلہ بنت عمارہ الکلبیہ کی ناف کے نیچے تل دیکھ کر اپنے شوہر معاویہ بن ابوسفیان کو بتایا کہ اس کے تل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شوہر قتل کیا جائے گا اور اُس کا سر اس کی گود میں رکھا جائے گا۔اس پر امیر شام نے اس حد تک یقین کر لیا کہ اُسی وقت نائلہ کو طلاق دے ڈالی، حالانکہ نائلہ معاویہ کے بعد حبیب بن سلمہ فہری کی زوجہ رہی مگر وہ قتل ہوا اور نہ ہی اُس کا سر نائلہ کی گود میں رکھا گیا۔خدا جانے کہ معاویہ قتل سے اس قدر کیوں ڈر گئے تھے؟اگر وہ قتل ہو جاتے تو حق کی راہ میں ہی قتل ہوتے، چونکہ وہ پیکرِ حق تھے اور مردانِ حق ہمیشہ باطل قوتوں کے ہاتھوں ہی قتل ہوا کرتے ہیں اور شہداء میں شامل ہو جاتے ہیں جو انعام یافتہ طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔شہادت اس قدر عظیم الشان رتبہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

''میں پسند کرتا ہوں کہ راہِ حق میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر......''۔

(بخاري ص ۱۲ حدیث ۳٦؛ مسلم ص ۹۰۷ حدیث ۱۸۷٦)

مگر افسوس کہ اُنہوں نے اپنی بیوی کی غیبی خبر پر یقین کر لیا اور ''کَامِلَةُ الْجَمَال'' خاتون کے ساتھ نکاح کر لینے کے بعد اُس کی ناف کے نیچے ایک تل کو سببِ قتل یقین کرتے ہوئے اُسے چلتا کیا۔گویا اُن پر اُن کی بیوی کی غیب دانی کا سکہ چل گیا اور ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' کا اثر رہ گیا۔یہاں حافظ ابن کثیر اور امیر اہل سنت سے پوچھا جائے کہ کیا جسم پر تل کے ذریعے غیبی امور پر آگاہی ہو سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو شرعی لحاظ سے اُس پر

یقین کرنے کا کیا حکم ہے؟

''أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ ''پرعمل فرمایئے!

نیز امیر اہل سنت کے نزدیک زبانِ زدعام روایت ''أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ'' (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، سوتم جس کی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤگے) صحیح ہوتو وہ ذرا وضاحت فرمادیں کہ اس روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر اہل اسلام امیر شام اور بقول آپ کے اُن کی بے پناہ پرہیزگاریوی کے اُسوہ پر عمل کی نیت سے کسی لڑکی کے ساتھ نکاح سے قبل ہی نہیں بلکہ نکاح ہوجانے کے بعد اُس کی ناف کے نیچے تک کے مقام کو دیکھ لیا کریں اور اگر وہاں کوئی تِل شِل موجود ہوتو اُسے چلتا کیا کریں تو کتنا ثواب ملے گا اور ہدایت کا کون سا درجہ حاصل ہوگا؟

کسی شرعی عذر کے بغیر طلاق کا حکم

اِس سلسلے میں بلا تمہید تین احادیث پیش خدمت ہیں۔ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔ ''حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! کوئی چیز اللہ (ﷻ) نے غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ روئے زمین پر پیدا نہیں کی اور کوئی شے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہ کی۔

۲۔ ''حضور ﷺ نے فرمایا: تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

۳۔ ''حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اُس کے نزدیک وہ ہے جس کا فتنہ بڑا ہوتا ہے۔ اُن میں ایک آکر کہتا ہے میں نے یہ کیا، یہ کیا۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں نے مرد اور عورت میں جدائی ڈال دی۔ اسے اپنے قریب کرلیتا ہے اور کہتا ہے: ہاں تو ہے''۔

(بہار شریعت ج۲ (الف) ص۱۰۸، ۱۰۹، ملخصا، مکتبۃ المدینۃ، باب المدینۃ کراچی)

اب یہ وضاحت تو امیر اہل سنت ہی کرسکتے ہیں کہ اُن کی فیض دہندہ ہستی نے محض ایک تِل کی وجہ سے جو طلاق دی وہ طلاقِ احسن تھی، طلاقِ حسن تھی، طلاقِ بدعی تھی یا پھر اجتہاد تھا، اور اگر اجتہاد تھا تو کون سا، دو اجروں والا

یا ایک اجر والا؟

کیا مرد کو خصی کرنا جائز ہے؟

البدایہ والنہایہ کے اسی مقام پر شاید میسون کے تقویٰ کو ظاہر کرنے کے لیے ایک اور واقعہ بھی منقول ہے، ذرا وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

> ”ایک روز حضرت معاویہؓ اس کے ہاں آئے تو اُن کے ساتھ ایک خصی خادم بھی تھا، اس نے اُس سے پردہ کیا اور کہنے لگی آپ کے ساتھ یہ کون شخص ہے؟ اُنہوں نے کہا: یہ خصی ہے اس کے سامنے آجاؤ۔ اس نے کہا: اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے مثلہ اُسے حلال نہیں کر سکتا، اور اس نے اُس سے حجاب کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اُس نے معاویہ سے کہا: محض آپ کا اسے مثلہ کر دینا ہرگز وہ چیز اس پر حلال نہیں کرتا جو اللہ نے اس پر حرام کی ہے“۔

(البداية والنهاية مترجم اردو ج۸ ص ۱۸۹)

یہ ترجمہ جس عبارت کا ہے اُس کے یہ الفاظ ”إِنَّ مُجَرَّدَ مُثْلَتِکَ لَهُ لَنْ تُحِلَّ مَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ“ (آپ کا اس کا مثلہ کر دینا ہرگز وہ چیز اس پر حلال نہیں کرتا جو اللہ نے اس پر حرام کی ہے) بتا رہے ہیں کہ اُس شخص کو امیر شام کے حکم سے خصی کیا گیا تھا، لہٰذا دیکھنا ہوگا کہ شرعاً کسی شخص کو خصی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس بارے میں متعدد احادیث میں آیا ہے کہ کچھ صحابہ کرام ﷺ نے جذبۂ عبادت و ریاضت سے سرشار ہو کر از خود چاہا کہ وہ خصی ہو جائیں، نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی تو آپ نے منع فرما دیا۔ اس سلسلے میں سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، ابو ہریرہ اور دوسرے حضرات کے اسماء مبارکہ ملتے ہیں۔ بخاری شریف ”کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء“ میں اِن احادیث کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی احادیث کے پیش نظر تمام فقہی مذاہب میں خصی ہونے کو حرام مانا گیا ہے۔ چنانچہ امام قرطبی مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

هٰذَا النَّهْيُ عَلٰى تَحْرِيْمٍ وَلَا خِلَافَ فِيْ تَحْرِيْمِ ذٰلِکَ فِيْ بَنِيْ آدَمَ.

”یہ ممانعتِ تحریمی ہے اور نسل آدم [علیہ السلام] میں اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے“۔

(المفهم شرح صحيح مسلم ج٤ ص ٩٣؛ فتح الباري ج ١١ ص ٣٣٨)

حافظ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الِاخْتِصَاءَ فِي الآدَمِيِّ حَرَامٌ مُطْلَقًا.

''آدمی کو خصی کرنا مطلقاً حرام ہے''۔

(عمدة القاري ج٢٠ ص١٠٢)

علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''انسان کو خصی کرنا حرام ہے، اسی طرح ہیجڑا کرنا بھی''۔

(بہار شریعت ج٣ ص٥٩٠)

علماءِ حنابلہ اور نجدی علماء نے بھی اس تحریم کو ہر حال میں مقرر رکھا ہے۔

(فتاوى اللجنة الدائمة ج١٨ ص٣٤)

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں خصی خادم رکھنے والے پہلے شخص معاویہ ہی ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اُن کی اوّلیات کے بیان میں زبیر بن بکار سے نقل کرتے ہیں:

وَأَوَّلُ مَنِ اتَّخَذَ الْخُدَّامَ الْخِصْيَانَ فِي الإِسْلَامِ.

''وہ اول شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں خصی نوکر رکھے''۔

(سير أعلام النبلاء ج٣ ص١٥٧؛ الأوائل للعسكري ص٢٤٧؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص٣٣٢)

قارئین کرام! یہ تفصیل امیر اہل سنت سے معلوم کیجئے کہ امیر شام بعض لوگوں کو خصی کرا کر شرعی لحاظ سے عملِ حلال بجا لاتے تھے یا حرام کے مرتکب ہوتے تھے، یا پھر یہ اُن کی مجتہدانہ بصیرت کا شاہکار تھا؟ نیز اُن سے یہ بھی پوچھئے کہ کوئی ھادی اور مہدی ہونے کے باوجود فعل حرام کا مرتکب ہوسکتا ہے؟

میسون بنت بحدل کا خاندان

قرائن و احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خصی شخص کو ساتھ لے آنے پر میسون بنت بحدل کا اپنے شوہر پر چڑھائی کرنے کا سبب اُس کی پارسائی نہیں تھا بلکہ وہ اِس عمل سے اپنے خاوند کو خفت سے دوچار کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے کہ وہ ایک عیسائی عورت تھی اور اُس کا امیرِ شام کے نکاح میں آنا عیسائی حکمتِ عملی کے تحت تھا، اور حکمتِ عملی جس کو نظریۂ ضرورت بھی کہہ دیا جاتا ہے، اُس میں قلبی پسند کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، لہٰذا یہ اُس کا اور اُس کے

خاندان کا قلبی نہیں بلکہ عقلی فیصلہ تھا۔ یوں سمجھئے کہ وہ محض فرزندِ ابوسفیان کے عقد نکاح میں نہیں بلکہ امیر شام کے نکاح میں دی گئی تھی۔ وہ اِس عقد میں خود کو قیدی محسوس کرتی تھی لیکن مقصد برآری تک اُسے اُس قید میں رہنا ضروری تھا۔ وہ مقصد مسلمانوں کے رازوں سے آگاہ ہونا اور اپنی جسمانی زمین میں ایک مسلم حاکم کی تخم ریزی کر کے مسلمانوں کے معاملات میں شریک ہونا تھا۔ اس کی توضیح کے لیے درجِ ذیل سطور میں غور فرمایئے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اہل کتاب سے اجتناب کیوں؟

ہر چند کہ اہل کتاب کی عورتوں سے بشرطیکہ وہ اپنی کتاب پر قائم ہوں شادی کرنا جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ اہل کتاب اُس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک کہ بندہ اُن کے مذہب کا پیروکار نہ ہو جائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ.

''اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم اُن کے دین کی پیروی نہ کرو''۔

(البقرة: ۱۲۰، ترجمة كنز الإيمان)

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے امور سے دور رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن قتیبہ دینوری سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

''عیاض بن ابی موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو فرمایا کہ کاتب کو بلاؤ تاکہ ہمیں وہ دستاویزات پڑھ کر سنائے جو شام سے آئی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا: وہ مسجد میں نہیں آئے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وہ جنبی ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: نہیں، لیکن وہ عیسائی ہے۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بلند کر کے اُن کی ران پر اس قدر زور سے مارا کہ قریب تھا کہ اُن کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ پھر فرمایا: اللہ تمہیں مارے تمہیں کیا ہو گیا، کیا تم نے اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى أَوْلِيَآءَ﴾ (اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ) [المائدة ۵۱] تم نے کسی مسلمان کو کیوں نہ کاتب بنایا؟ اس پر ابوموسیٰ نے کہا: اُس کا دین اُس کے ساتھ ہے اور ہمیں اُس کی کتابت سے سروکار ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَا أُكْرِمُهُمْ إِذْ أَهَانَهُمُ اللّٰهُ ، وَلَا أُعِزُّهُمْ إِذْ أَذَلَّهُمُ اللّٰهُ ، وَلَا أُدِيْنُهُمْ إِذْ أَقْصَاهُمُ اللّٰهُ.

''میں اُن کی تکریم نہیں کرتا جب اللہ نے اُن کی توہین فرمائی ہے، میں اُنہیں عزت نہیں دیتا جب اللہ نے اُنہیں ذلیل کیا ہے اور میں اُنہیں قریب نہیں کرتا جب اللہ ﷻ نے اُنہیں دور کیا ہے''۔

(عيون الأخبار ج١ ص٤٣؛ تاريخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص١١٩؛ محض الصواب في مناقب عمر بن الخطاب، لابن المبرد ص ٥١٤)

امام ابن سعد لکھتے ہیں:

''ابو ہلال الطائی سیدنا عمر ﷺ کے ایک غلام سے روایت کرتے ہیں، جس کا نام اُسق تھا۔ اس نے کہا: میں عمر بن خطاب کا غلام تھا اور میں عیسائی تھا۔ وہ مجھے اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے اور فرماتے تھے:

إِنَّکَ لَوْ أَسْلَمْتَ اسْتَعَنْتُ بِکَ عَلٰی أَمَانَتِي ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِي أَنْ أَسْتَعِيْنَ بِکَ عَلٰی أَمَانَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَسْتَ عَلٰی دِيْنِهِمْ ، فَأَبَيْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ : ﴿لَا إِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾.

''اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اپنی امانتوں کے معاملہ میں مدد حاصل کروں گا، کیونکہ میرے لیے حلال نہیں ہے کہ میں تم سے مسلمانوں کی امانتوں میں مدد لوں جبکہ تم اُن کے دین پر نہیں ہو، میں نے انکار کر دیا تو اُنہوں نے فرمایا: ﴿دین میں کوئی زبردستی نہیں﴾''۔

(الطبقات الكبرى لابن سعد ج٨ ص٢٧٩؛ سنن سعيد بن منصور ج٣ ص٩٦٢؛ كتاب الأموال لأبي عبيد ج١ ص٨٣ حديث ٩٠؛ كتاب الأموال لابن زنجويه ج١ ص١٤٥؛ الكشف والبيان للثعلبي ج٧ ص١٢٥؛ الإصابة ج١ ص٣٣٨؛ الدر المنثور ج٣ ص١٩٩؛ محض الصواب في مناقب عمر بن الخطاب ص ٥١٤)

امام ابن ابی شیبہ اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

''ابو الدھقانہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر ﷺ کو عرض کیا گیا: یہاں حیرہ کا باشندہ ایک لڑکا رہتا ہے اُس جیسا محافظ اور اچھا لکھنے والا نہیں دیکھا گیا۔ اگر آپ چاہیں تو اُسے اپنا منشی رکھ

پس، جب بھی آپ کو ضرورت ہوگی تو وہ موجود ہوگا۔ سیدنا عمر ﷛ نے فرمایا:

قَدْ اِتَّخَذْتُ إِذَنْ بِطَانَةً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

''تب تو میں یقیناً غیر مسلم کو اپنا راز دار بنا بیٹھوں گا''۔

(المصنف لابن أبي شيبة ج٨ص٦٥٨، وط: ج٨ص٤٧٢ حديث ٢٦٣٧٧؛ تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم ج٣ص٧٤٣؛ عيون الأخبار لابن قتيبة ج١ص٤٣؛ تفسير القرآن العظيم لابن كثير ج٢ص١٠٧؛ الدر المنثور ج٣ص٧٣٨)

لفظِ ''بِطَانَةً'' سے سیدنا عمر ﷛ نے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِكُمْ لاَ يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ.

''اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو وہ کسر نہ اُٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں، وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے، ظاہر ہو چکا ہے بغض اُن کے مونہوں سے اور جو چھپا رکھا ہے اُن کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے، ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو''۔ (آل عمران: ١١٨)

ایسے ہی خدشات کے پیش نظر سیدنا عمر ﷛ کتابی عورتوں سے شادی سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ حضرت شقیق سے روایت کرتے ہیں:

''سیدنا حذیفہ ﷛ نے ایک یہودیہ عورت سے شادی کی تو سیدنا عمر ﷛ نے اُن کی طرف لکھ بھیجا کہ اس کو طلاق دے دو۔ اُنہوں نے واپس لکھ بھیجا کہ اگر وہ حرام ہے تو میں اُسے طلاق دے دیتا ہوں۔ سیدنا عمر ﷛ نے پھر لکھ بھیجا کہ میں اسے حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے خدشہ ہے کہ تم اُن سے برائی لے بیٹھو گے''۔

(المصنف لابن أبي شيبة ج٩ص٨٥ حديث ١٦٤١٧؛ أحكام القرآن للجصاص ج٣ص٣٢٣؛ السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٧ص ١٧٢ وط: ج٧ص ٢٨٠ حديث ١٣٩٨٤؛ جامع الآثار القولية والفعلية الصحيحة لعمر بن الخطاب، للعاطف بن عبد الوهاب حماد ص١٩١)

امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے کہ سیدنا عمر ﷛ نے جو خط لکھا اُس میں مذکور تھا:

طَلِّقْهَا ! فَإِنَّهَا جَمْرَةٌ.

''اس کو طلاق دے دو! وہ انگارہ ہے''۔

(المصنف للإمام عبدالرزاق ج٦ص٧٨حديث١٠٠٥٧، وج٧ص١٧٧ حديث١٢٦٦٨)

مذکورہ بالا روایت کی طرح اس روایت میں بھی تبادلۂ خطوط کا ذکر ہے اور یہ منقول ہے کہ سیدنا حذیفہ ﷛ نے اس حکم پر طلاق نہ دی لیکن بعد میں طلاق دے دی تھی۔ بعد میں طلاق کیوں دی ہوگی؟ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر ﷛ نے سخت تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اُس میں کئی بار تبادلۂ خطوط کے بعد مذکور ہے:

اعْزِمُ عَلَيْكَ أَنْ لَا تَضَعَ كِتَابِيْ حَتّٰى تُخَلِّيَ سَبِيْلَهَا ، فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَقْتَدِيَ بِكَ الْمُسْلِمُوْنَ فَيَخْتَارُوْا نِسَاءَ أَهْلِ الذِّمَّةِ لِجَمَالِهِنَّ ، وَكَفٰى بِذٰلِكَ فِتْنَةً لِنِسَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ.

''میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم میرا خط پڑھ کر رکھنے سے پہلے اُس عورت کو چلتا کرو، مجھے خوف ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی میں ایسا کرنے لگ گئے تو وہ ذمیوں کی عورتوں کو اُن کے بناؤ سنگھار کی وجہ سے پسند کرنے لگیں گے اور مسلمانوں کی خواتین کے لیے یہ فتنہ کافی ہوگا''۔

(كتاب الآثار للإمام محمد ج١ ص٣٩٤ حديث٤١٢)

امام ابن الہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کا جواز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَمِنَ الْمُتَزَوِّجِيْنَ حُذَيْفَةُ وَطَلْحَةُ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ ، وَغَضِبَ عُمَرُ فَقَالُوْا : نُطَلِّقُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ . وَ إِنَّمَا كَانَ غَضَبُهُ لِخَلْطَةِ الْكَافِرَةِ بِالْمُؤْمِنِ وَخَوْفِ الْفِتْنَةِ عَلَى الْوَلَدِ ، لِأَنَّهُ فِيْ صِغَرِهِ أَلْزَمَ لِأُمِّهِ.

''اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنے والوں میں حضرت حذیفہ، طلحہ اور کعب بن مالک ﷛ کے نام آتے ہیں۔ سیدنا عمر ﷛ اُن پر غضب ناک ہوئے تھے تو انہوں نے عرض کیا تھا: امیر المومنین ہم طلاق دے دیتے ہیں۔ سیدنا عمر ﷛ کا غصہ فقط ایک غیر مسلمہ کے ساتھ مومن کے گھل مل کر رہنے کی اور بچے پر خوفِ فتنہ کی وجہ سے تھا، کیونکہ بچے کا بچپن اُس کی ماں کے ساتھ

وابستہ ہوتا ہے"۔

(فتح القدير شرح الهداية ج٣ ص ٢٢٠)

اِن تمام احادیث میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اگرچہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو حرام نہیں فرمایا لیکن دوسری خرابیوں کے اندیشے کی وجہ سے اس کو اتنا ناپسندیدہ قرار دیا کہ جن صحابہ کرامؓ نے اُن کے دور میں ایسے نکاح کیے تھے اُنہیں اُن عورتوں کو چھوڑنا پڑا۔ آپ بار بار غور فرمایئے کہ آخر سیدنا عمرؓ نے کتابی عورت کے ساتھ نکاح کو کبھی فتنہ، کبھی برائی کا سبب اور کبھی انگارہ کیوں فرمایا ہوگا؟

حلال بوجوہ حرام بھی ہوسکتا ہے

مذکورالصدر تفصیل سے آپ جان چکے ہیں کہ کتابی عورتوں سے نکاح مطلقاً حرام نہیں ہے، لیکن اگر دوسری خرابیوں کے پیدا ہوجانے کا خدشہ ہو تو پھر نہ صرف یہ کہ ناجائز ہوسکتا ہے بلکہ حرام بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر ایسی عورت سے کوئی مسلم حکمران نکاح کرنا چاہے اور خدشہ ہو کہ اُس عورت کے ذریعے مسلمانوں کے سربستہ راز غیر مسلموں تک پہنچنا آسان ہوجائیں گے تو ایسی صورت میں اُس سے نکاح حرام ہوجائے گا۔ چنانچہ سورۃ المائدہ کی جس آیت میں کتابی عورتوں سے شادی کرنے کو حلال کہا گیا ہے، اُسی کی تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

> "اہل کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہ نکاح جائز ہے بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو، اور خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ اُن کے جال میں پھنس کر اپنے دین اور دنیا کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہو جائے گی۔ جو چیز شرعاً حلال ہو مگر اس حلال سے منتفع ہونے (فائدہ اُٹھانے) میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہوجاتا ہے"۔

(معارف القرآن للكاندهلوي ج٢ ص٤٤٦)

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> "جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہٖ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لیے اور

اپنی اولاد کے لیے بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے لیے ازروئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی، ان کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے''۔

(معارف القرآن للعثماني ج۳ ص ٦٢)

اس سلسلے میں پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب نے بہت خوب لکھا ہے:

''یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہودی یا نصرانی ہونا اُس کی حرمت کا باعث نہیں، لیکن اگر اُس کی وجہ سے اور خرابیاں رونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی اُن کے گھروں میں وہی طرز معاشرت داخل ہو گئی۔ وہی بے پردگی، وہی غیر مردوں سے اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی، اور پھر یہی اثر اُن کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ یہودی اور نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر ان وجوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے''۔

(ضياء القرآن ج١ ص٤٤٣)

امیر شام اور اہلِ کتاب

قارئین کرام! آپ سے التماس ہے کہ ایک طرف آپ مذکور الصدر مفسرین کرام کی مشاہدات و تجربات پر مبنی تحریر کو اپنے سامنے رکھیں اور دوسری طرف سیدنا عمرؓ کے فراست پر مبنی ارشادات کو اپنے سامنے رکھ کر سوچیں کہ اگر کسی شخص کو تمام عالم اسلام پر حکومت کرنے کا موقعہ مل جائے اور پھر کوئی کتابی عورت نکاح کے ذریعے اُس کے بستر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ کیا کیا گل کھلائے گی؟

سیدنا عمرؓ نے تو اہل اسلام کے رازوں کے افشاء کے خدشہ کے پیش نظر چھوٹی یا بڑی کوئی بھی ذمہ داری کسی غیر مسلم کو سونپنا گوارا نہ فرمائی، لیکن معاویہ نے وزیر، شاہی طبیب، مشیر اعلیٰ اور درباری شاعر تک اہل کتاب لوگوں بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اہل حدیث سلفی عالم مولانا محمد اسحاق مدنی صاحب لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ کے عیسائی وزیر و درباری:

۱۔ یوحنا وزیر تعلیم

۲۔ ابن اثال شاہی طبیب

۳۔ سرجون بن منصور رومی عیسائی، مشیر اعلیٰ۔

۴۔ ابن اخطل (بلکہ اخطل) درباری شاعر''۔

(مقصد حسین ؓ ص ۲۹۲)

ابن آثال کا امیر شام کے لیے مفید ہونا

دوسرے نمبر پر جس شاہی طبیب (ابن آثال، یا: اُثـال) کا اور تیسرے نمبر پر جس مشیر اعلیٰ کا ذکر ہے، یہ دونوں امیر شام کے دنیوی اقتدار کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے تھے۔ ابن آثال انتہائی قابل طبیب تھا، یہ معاویہ کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکنے والے سر برآوردہ لوگوں کو خاموش طریقے سے قبرستان تک پہنچاتا تھا، جبکہ سرجون بن منصور عیسائی جنگی حربوں کا ماہر تھا، وہ اسلحہ کے ذریعے مخالفین معاویہ کو ٹھکانے لگانے کا مشورہ دیتا تھا۔ یہاں ہم پہلے شاہی طبیب کا ذکر کرتے ہیں پھر شاہی مشیر کے بارے میں بتائیں گے۔ علامہ احمد بن قاسم خزرجی المعروف بابن ابی اصیبعہ متوفی ۶۶۸ھ طبیبوں کے تعارف پر مبنی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''ابن آثال متقدمین اطباء میں سے ممتاز حیثیت کا حامل طبیب تھا، یہ دمشق کا باشندہ تھا اور نصرانی المذہب تھا۔ جب معاویہ بن ابوسفیان بادشاہ بنے تو اُس کو اپنا خاص طبیب بنالیا اور اُس کو مراعات سے نوازا۔ وہ بہت زیادہ اس کو طلب کرتے تھے، اُس سے محبت کرتے تھے اور دن رات اُس کے ساتھ گپ شپ کرتے تھے۔ ابن آثال مفردات، مرکبات اور اُن کی توانائی و تاثیر سے مکمل باخبر تھا، اور اُن میں سے جو ادویات زہر قاتل تھیں اُن کا ماہر تھا۔ (اگلے الفاظ کی عربی ملاحظہ فرمایئے)

وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَقْرُبُهُ لِذٰلِکَ كَثِيْرًا ، وَمَاتَ فِيْ أَيَّامِ مُعَاوِيَةَ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ مِنْ أَكَابِرِ النَّاسِ وَالْأُمَرَاءِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِالسَّمِّ.

''اور معاویہ اسی وجہ سے اُسے بہت قریب رکھتا تھا، اور معاویہ کے دور میں مسلمانوں

کے بہت سے اکابر اور قائدانہ صلاحیت کے حامل لوگ زہر سے وفات پاگئے''۔

(عيون الأنباء في طبقات الأطباء ج١ ص١١٦، ١١٧)

اس کے بعد ابن ابی اصیبعہ نے طویل سند کے ساتھ عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو زہر دیے جانے کا واقعہ لکھا ہے، جسے ہم اُن سے قبل کی کتب سے نقل کر رہے ہیں۔ امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ "ذِكْرُ وَفَاةِ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

وَكَانَ سَبَبُ مَوْتِهِ أَنَّهُ كَانَ قَدْ عَظُمَ شَأْنُهُ عِنْدَ أَهْلِ الشَّامِ، وَمَالُوا إِلَيْهِ لِمَا عِنْدَهُمْ مِنْ آثَارِ أَبِيْهِ، وَلِغِنَائِهِ فِيْ بَلَادِ الرُّوْمِ، وَلِشِدَّةِ بَأْسِهِ، فَخَافَهُ مُعَاوِيَةُ وَخَشِيَ مِنْهُ، وَأَمَرَ ابْنَ أُثَالٍ النَّصْرَانِيَّ أَنْ يَحْتَالَ فِيْ قَتْلِهِ، وَضَمِنَ لَهُ أَنْ يَضَعَ عَنْهُ خِرَاجَهُ مَا عَاشَ، وَأَنْ يُوَلِّيَهُ جِبَايَةَ خِرَاجِ حِمْصَ. فَلَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَانِ مِنَ الرُّوْمِ دَسَّ إِلَيْهِ ابْنُ أُثَالٍ شَرْبَةً مَسْمُوْمَةً مَعَ بَعْضِ مَمَالِيْكِهِ، فَشَرِبَهَا فَمَاتَ بِحِمْصَ، فَوَفٰى لَهُ مُعَاوِيَةُ بِمَا ضَمِنَ لَهُ.

''اُن کی وفات کا سبب یہ تھا کہ اہل شام میں اُن کی عظمت و مقبولیت بڑھ گئی تھی، وہ اُن کی طرف مائل ہو گئے تھے، اس لیے کہ اُن کے والد کے بھی شام میں اچھے اثرات تھے اور خود اُن کی بھی بلادِ روم میں اچھی کارکردگی تھی، اور اُن کی بہادری بھی اس مقبولیت کا سبب تھی۔ پس معاویہ اُن سے خائف ہو گئے اور ڈر گئے، اور اُنہوں نے ابن آثال نصرانی کو حکم دیا کہ وہ اُن کے قتل کا کوئی حیلہ کرے، اور اُس سے وعدہ کیا کہ تاحیات اُسے ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا اور حمص کا Revenue Officer (افسرِ مال) بھی اُسے بنا دیا جائے گا۔ پس جب عبدالرحمان بن خالد بن ولید روم سے واپس آئے تو ابن آثال نے اُنہیں اُن کے بعض غلاموں کے ساتھ زہریلا شربت پلا دیا تو وہ حمص میں ہی وفات پا گئے تھے اور معاویہ نے ابن آثال کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا''۔

(الكامل في التاريخ ج٣ ص١٥١؛ تاريخ الطبري ج٥ ص٢٢٧؛ مرآة الزمان لسبط ابن الجوزي ج٧ ص٩٥؛ زبدة الحلب من تاريخ حلب ص٢٤)

امیر شام کے دل میں یوں تو حضرت عبدالرحمان بن خالد کی مقبولیت کھٹکتی ہی رہتی تھی مگر اُس وقت تو حد ہی

ہوگئی تھی جب لوگوں نے اُنہیں اُن کی توقع کے برعکس جواب دیا تھا۔ چنانچہ امام ابن عبدالبر، امام ابن اثیر جزری اور دوسرے حضرات اُس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عبدالرحمان بن خالد بن ولید قریش کے شہ سواروں اور بہادروں میں سے تھے، وہ حسنِ ہدایت، فضیلت والے اور صاحب کرم تھے مگر اپنے بھائی مہاجر بن خالد کی ضد میں سیدنا علی علیہ السلام اور بنو ہاشم سے منحرف تھے، جبکہ حضرت مہاجر بن خالد سیدنا علی علیہ السلام کے محبّ تھے اور جنگ جمل و صفین میں اُن کے ساتھ تھے اور عبدالرحمان معاویہ کے ساتھ تھے۔ پھر جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا ارادہ کیا تو لوگوں کو خطاب میں کہا: اے اہل شام! میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری اجل قریب آن لگی ہے اور میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو ولی عہد بنا دوں تاکہ تمہارا نظام چلتا رہے، لہٰذا تم مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو۔ اِس پر سب کے سب نے بیک آواز کہا: ہم عبدالرحمان بن خالد کو پسند کرتے ہیں۔ یہ جواب معاویہ کو ناگوار گذرا تو اُنہوں نے اس کو اپنے دل میں رکھ لیا، پھر عبدالرحمان بیمار ہوئے تو معاویہ نے اپنے طبیب ابن آثال کو حکم دیا کہ وہ اس کا کام تمام کر دے۔ اُس نے اُنہیں زہر پلا دیا تو اُن کا انتقال ہوگیا''۔

(الاستيعاب ج١ ص٤٩٩؛ أسد الغابة ج٣ ص٤٣٦؛ أنساب الأشراف للبلاذري ج٥ ص١١٨؛ الأوائل للعسكري ص٢٣٤؛ المنتظم لابن الجوزي ج٥ ص٢١٧؛ مرآة الزمان لسبط ابن الجوزي ج٧ ص٩٥؛ عيون الأنباء في طبقات الأطباء ج١ ص١١٧؛ الوافي بالوفيات ج١٨ ص٨٦؛ العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين ج٥ ص٣٤٩؛ شذرات الذهب ج١ ص٢٣٩)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابن آثال نے یہ کام معاویہ کے امر سے کیا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے''۔

(البداية والنهاية ج١١ ص١٧٤)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن کثیر اور اُن کی مانند دوسرے وکلاءِ طلقاء کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ واقعہ محض ''قِيلَ'' یا ''قَالُوا'' صیغہ ہائے تمریض سے منقول نہیں بلکہ بعض حضرات نے اس کی مکمل سند بھی نقل کی ہے، جیسا کہ ابن عساکر اور ابن ابی اصیبعہ، جبکہ سبط ابن الجوزی نے اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، لہٰذا حافظ ابن کثیر اگر اس کی سند

پر جرح کر کے کوئی حکم لگاتے تو اُن کا قول قابلِ قبول ہوتا۔ تعجب ہے کہ اکثر مقامات پر حافظ ابن کثیر بعض طلقاء کے ناجائز دفاع میں اعتدال کی حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ نیز جب وہ اُن ہی لوگوں کی تعریف کرتے ہیں تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور صحیح و سقیم میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ اُن کے وہ الفاظ پڑھ چکے ہیں جو اُنہوں نے میسون کے بارے میں اپنی طرف سے لکھ ڈالے۔ ایک مرتبہ پھر اُن الفاظ میں غور فرما کر ابن کثیر کی دیانت داری کا اندازہ کیجئے! وہ اُم یزید میسون بنت بحدل کے جعلی تقویٰ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَلِهٰذَا أَوْلَى اللّٰهُ ابْنَهَا يَزِيْدَ الْخِلَافَةَ بَعْدَ أَبِيْهِ.

''پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس کے بیٹے یزید کو اُس کے باپ کے بعد خلافت سونپی''۔

(البداية والنهاية بتحقيق أكرم عبداللطيف البوشي ج٨ ص ٢١٠، وبتحقيق محسن التركي ج١١ ص٤٦٣، ومترجم اردو ج٨ ص١٨٩)

میں پوچھتا ہوں: کیا ابن کثیر کو الہام ہوا کہ یزید خبیث کو اُس کی ماں میسون کے تقویٰ کی بدولت خلافت ملی تھی؟ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے، کیا اُس نے نمرود و فرعون کو اُن کی ماں کے تقویٰ کی وجہ سے ملک دیا تھا؟ ابن کثیر وغیرہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبدالرحمان بن خالد کو زہر دیے جانے کا واقعہ صحیح ہے، اور اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ معاویہ کو ہر وہ شخص کھٹکتا تھا جس کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ اُن کے مرنے کے بعد اُسے اقتدار سونپا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت پر خوش ہوا تھا جیسا کہ ہم سنن ابی داود وغیرہ کے حوالے سے صحیح حدیث نقل کر چکے ہیں، لہٰذا دونوں واقعات میں اگر کوئی عقل مند اور انصاف پسند شخص غور کرے گا تو دونوں میں علت واحدہ اُسے ضرور اِس حقیقت تک پہنچا دے گی کہ کیوں حضرت عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو زہر دلایا گیا؟

عیسائیوں کی اقتدارِ بنو امیہ میں شرکت

سرجون بن منصور عیسائی امیر شام کا وزیر مالیات اور مشیر اعلیٰ تھا۔ چنانچہ ابن کثیر وغیرہ لکھتے ہیں:

وَكَانَ كَاتِبَهُ وَصَاحِبَ أَمْرِهِ سَرْجُوْنُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الرُّوْمِيُّ.

''اور معاویہ کا وزیر مال اور مشیر اعلیٰ سرجون بن منصور رومی تھا۔

(البداية والنهاية [قطر] ج٨ ص٨ وص٢١١؛ أثر أهل الكتاب في الفتن ص٤٣٦)

میدان کربلاء میں اہل بیت کرام علیہم السلام پر مظالم ڈھانے کے لیے کون سا شخص کارآمد ثابت ہوگا؟ اس سلسلے میں اسی ملعون کے مشورے پر عمل کیا گیا تھا۔ جب سیدنا مسلم بن عقیل بن ابی طالب ﷺ پر گرفت کرنے میں حضرت نعمان بن بشیر ﷺ نے عمداً نرمی کا مظاہرہ کیا تو اُنہیں معزول کر کے اُن کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقرر کرنے کے بارے میں سوچ و بچار شروع ہوئی تو یزید نے اسی خبیث کے مشورہ پر اُن کی جگہ پر عبیداللہ بن زیاد کو بھیجا تھا۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فَعَزَلَ النُّعْمَانَ عَنِ الْكُوْفَةِ وَضَمَّهَا إِلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ مَعَ الْبَصْرَةِ، وَذٰلِكَ بِإِشَارَةِ سَرْجُوْنَ مَوْلٰى مُعَاوِيَةَ ، وَكَانَ يَزِيْدُ يَسْتَشِيْرُهُ ، فَقَالَ سَرْجُوْنُ: أَكُنْتَ قَابِلًا مِنْ مُعَاوِيَةَ مَا أَشَارَ بِهِ لَوْكَانَ حَيًّا ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ: فَاقْبَلْ مِنِّيْ فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلْكُوْفَةِ إِلَّا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ فَوَلِّهُ إِيَّاهَا.

''پس یزید نے نعمان کو کوفہ سے معزول کر دیا اور بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری بھی عبید اللہ بن زیاد کو دے دی، اور یہ معاویہ کے دوست سرجون بن منصور کے اشارے سے کیا۔ یزید اُس سے مشورہ لیتا تھا، سرجون نے یزید کو کہا: اگر معاویہ زندہ ہوتے اور وہ آپ کو اس بارے میں کوئی اشارہ کرتے تو آپ قبول کرتے؟ اُس نے کہا: ہاں۔ سرجون نے کہا: پھر میرا مشورہ بھی قبول کیجیے! کوفہ کو عبیداللہ بن زیاد ہی ٹھیک کر سکتا ہے، لہٰذا اُسے ہی وہاں کا گورنر بنائیے''۔

(البداية والنهاية ج٨ص ٢٢١، وط: ج١١ ص٤٨١؛ أثر أهل الكتاب في الفتن ص٤٣٦؛ شرح أربعين إمام حسين ﷺ للعبد الله دانش ص٢١٣)

اس سے معلوم ہوا کہ سرجون بن منصور نے یزید کو اپنے بچے کی طرح سمجھا اور یزید نے اُس کو اپنے باپ کی طرح سمجھا اور باپ کی طرح اُس کی فرمانبرداری کی۔

کیا اُمِ یزید (میسون) مسلمان تھی؟

ہمارے مؤرخین اور علماء انساب میں سے کسی نے بھی میسون کے مسلمان ہونے کی تصریح نہیں کی، ماسوا اِس کے کہ علامہ صغانی لاہوری نے اُسے تابعیہ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُنہوں نے فقط اصطلاحی طور پر لکھا ہے، ورنہ عندالشریعہ تو اُس کے شوہر بھی تابعین بالاحسان میں سے نہیں تھے، جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں

اور ہماری کتاب "الصحابۃ والطلقاء" میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔اس کے برعکس اُس کے عیسائی ہونے کے شواہد زیادہ ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر رضوان علی ندوی مشہور مؤرخ فلپ ہٹی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"یزید کی ماں کے حوالے سے یہ بات تمام قدیم عربی تواریخ میں لکھی ہوئی ہے کہ وہ شام کے عرب قبیلے بنی کلب (جس کے اکثر لوگ قدیم سے عیسائی ہو گئے تھے) کے ایک سردار کی بیٹی میسون بنت بحدل تھی۔ ہمارے مؤرخ اس کے مذہب کی تصریح نہیں کرتے لیکن لبنان کے اس عیسائی عرب نے تصریح کی ہے کہ وہ نصرانی تھی"۔

(حدیث قسطنطنیه، حقائق واوهام، ص۱۱۸)

علامہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا درست ہے کہ اکثر کتب میں میسون کے مذہب کی تصریح نہیں ملتی، تاہم ظاہر یہ ہے کہ وہ عیسائی ہی تھی۔ چنانچہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ دکتور جمیل عبداللہ مصری امیر شام کے طرف دار ہونے کے باوجود لکھتے ہیں:

أَمَّا الزَّوَاجُ بِالْكِتَابِيَاتِ زَمَنَ الْأُمَوِيِّيْنَ فَقَدْ اِزْدَادَ وَأَفَادَتْ هٰذِهِ الظَّاهِرَةُ فِيْ تَحْقِيْقِ شَيْءٍ مِنَ التَّجَانُسِ وَالتَّمَاثُلِ بَيْنَ جَمَاعَاتِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُسْلِمِيْنَ. وَفِيْ زَمَنِ الرَّاشِدِيْنَ تَزَوَّجَ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ هِنْدَ بِنْتَ فَرَافِصَةَ النَّصْرَانِيِّ الْكَلْبِيِّ وَتَزَوَّجَ عُثْمَانُ أُخْتَهَا نَائِلَةَ فَكَانَ دَوْرُ كَلْبِ الْقَبِيْلَةِ النَّصْرَانِيَةِ فِي الْمُؤَامَرَةِ الرَّهِيْبَةِ الَّتِيْ أَلَمَّتْ بِالْمُسْلِمِيْنَ وَالْاِنْشِقَاقِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ، وَقَدْ حَاوَلَ مُعَاوِيَةُ بِدَوْرِهِ أَنْ يُؤَكِّدَ اِتِّصَالَهُ بِقَبِيْلَةِ كَلْبٍ، فَخَطَبَ نَائِلَةَ فَرَفَضَتْ لِيَتَزَوَّجَ مَيْسُوْنَ بِنْتَ بَحْدَلَ مِنْ هٰذِهِ الْقَبِيْلَةِ النَّصْرَانِيَةِ.

"باقی رہا اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کا معاملہ تو وہ اُمویوں کے دور میں بڑھ گیا تھا اور اِس کھلم کھلا شادی بیاہ کی وجہ سے مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہم جنسی اور باہمی گھچا پچ بڑھ گئی تھی۔ خلفاء راشدین کے دور میں سعید بن العاص نے ہند بنت فرافصہ نصرانیہ کلبیہ سے شادی کی تھی اور حضرت عثمان ﷺ نے اُس کی بہن نائلہ سے شادی کی تو قبیلہ کلبیہ کی خوفناک معاملات میں مشاورت شامل ہوگئی، جس نے مسلمانوں کو تکلیف سے دوچار کیا اور سیدنا علی ﷺ اور معاویہ کے مابین دراڑ پیدا کردی۔ معاویہ نے اپنے دور میں اسی ذریعے سے قبیلہ بنو کلب

سے دوستی کو مضبوط کرتے ہوئے نائلہ سے منگنی کی پھر وہ ترک کر دی گئی تا کہ وہ اُسی نصرانی قبیلے کی دوسری عورت میسون بنت بحدل سے نکاح کریں‘‘۔

(أثر أهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية ص ٤٢١)

ایوانِ شام میں میسون کی آمد اور اُس کے اثرات

معلوم ہوا کہ جس طرح اقتدارِ بنوامیہ کے لیے ابن آثال اور سرجون بن منصور عیسائی کی حرکات جاری رہیں اسی طرح اُم یزید میسون بنت بحدل کی حرکات بھی کارفرما رہیں۔ اگر امیر شام کے ایوان کے باہر عیسائی اور یہودی مشینری کام کر رہی تھی تو اُن کے ایوان کے اندر بھی یہی ذہانت مصروفِ سازش تھی۔

امت کی بدقسمتی دیکھئے کہ ایک طرف شر القبائل قبیلہ (بنوامیہ) تخت پر تھا تو دوسری طرف اُن کی کابینہ میں اور گھر میں دشمنانِ اسلام عیسائی اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے، گویا ﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ والا معاملہ تھا۔ خود سوچئے کہ جب ماحول ایسا ہو تو پھر اسلام کی خیر اور مسلمانوں کے نبی کی آل کی خیر کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

غافل لوگ سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب کی عورتیں مسلمانوں کے شاہی محلات میں محض خاتونِ خانہ کی حیثیت سے آتی ہیں لیکن فاروقِ اعظم ﷛ کے خدشات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ایسی عورتوں کا آنا یا بھیجا جانا گہری سازشوں کا نتیجہ ہوتا ہے، خصوصاً کلیدی عہدے رکھنے والے مسلمانوں کے گھروں میں ایسی عورتوں کے ورود کے پیچھے دوررَس سازش ہوتی ہے، اسی لیے زبانِ فاروقی نے ایسی عورت کو ”جَمْرَةٌ“ انگارہ قرار دیا تھا۔

کیا ایوانِ شاہی میں میسون کا آنا اتفاقی تھا؟

مت خیال کیجئے کہ میسون کا ایوانِ شاہی میں وُرود اُس کا یا اُس کے سربراہان کا قلبی فیصلہ تھا نہیں بلکہ یہ اُن کا عقلی فیصلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مقصد کی تکمیل کی خاطر آ تو گئی تھی مگر ہمہ وقت شاہی محل میں رہنے کے باوجود بے قرار رہتی تھی، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی، یہی وجہ ہے کہ اُسے اُس کا دیہاتی ماحول اور وہاں کا معاشقہ مضطرب رکھتا اور بعض اوقات اُس کی قلبی کیفیت زبان کے ذریعے ظاہر بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن عساکر اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں کہ وہ یوں گنگناتی تھی:

لَبَيْتٌ تَخْفِقُ الْأَرْوَاحُ فِيهِ ... أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ قَصْرٍ مُنِيفِ

’’ایسا گھر جس کے جھروکوں سے ہوائیں شائیں شائیں کرتی ہوں، مجھے بلند و بالا محل سے زیادہ محبوب ہے

وَكَـلْـبٌ يَـنْـبَـحُ الطُّـرَّاقَ عَـنِّـي   أَحَـبُّ إِلَـيَّ مِـنْ قِـطٍّ أَلُـوفِ

اور ایسا کتا جو رات کو مجھ پر بھونکے، وہ مجھے محبت کرنے والی بلی سے زیادہ محبوب ہے

وَبَـكْـرٌ يَتْبَـعُ الْأَظْعَـانَ صَـعْـبٌ   أَحَـبُّ إِلَـيَّ مِـنْ بَـغْـلٍ زَفُـوْفِ

اور ایسا جوان اونٹ جس کا اونٹنی کے پیچھے چلنا مشکل ہو، مجھے تیز دوڑنے والے خچر سے زیادہ محبوب ہے

وَخَـرْقٌ مِـنْ بَـنِـيْ عَـمِّـيْ نَـحِيْفٌ   أَحَـبُّ إِلَـيَّ مِـنْ عِـلْـجٍ عَـلِيْفِ

اور میرے چچا کی اولاد سے ایک کمزور اور بےوقوف آدمی، مجھے موٹے اور پیٹو شخص سے زیادہ محبوب ہے

وَأَصْـوَاتُ الـرِّيَـاحِ بِـكُـلِّ فَـجٍّ   أَحَـبُّ إِلَـيَّ مِـنْ نَـقْـرِ الـدُّفُـوْفِ

اور ہر طرف سے آندھی کی آوازوں کا آنا مجھے دف کی آواز سے زیادہ محبوب ہے"۔

(تاریخ دمشق ج٧٠ ص١٣٤؛ خزانة الأدب ج٨ ص٥٠٣، ٥٠٤)

بعض کتب میں چوتھے شعر کے الفاظ یوں ہیں:

وَبَـعْـلٌ مِـنْ بَـنِـيْ عَـمِّـيْ ضَـعِيْفٌ   أَحَـبُّ إِلَـيَّ مِـنْ مَـلِكٍ عَـنِيْفِ

''اور میرے چچا کی اولاد سے کمزور شوہر مجھے طاقتور بادشاہ سے زیادہ محبوب ہے"۔

(موسوعة الوفا في أخبار النساء، للقاسم عاشور ص١٣٤)

میسون بنت بحدل کے اِس عربی منظوم کلام میں شاہی محل میں رہنے کے باوجود ایک طرف جس بے قراری کا اور دوسری طرف عشق کی چنگاری کا جو ذکر ہے، اُس کو اُردو زبان میں یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

میں خیال ہوں کسی اور کا، مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ میرا عکس ہے، پسِ آئینہ کوئی اور ہے
میں کسی کے دستِ طلب میں ہوں تو کسی کے حرفِ دعا میں
میں نصیب ہوں کسی اور کا، مجھے مانگتا کوئی اور ہے
عجب اعتبار و بے اعتباری کے درمیان ہے زندگی
میں قریب ہوں کسی اور کے، مجھے جانتا کوئی اور ہے

(سلیم کوثر)

مفاضلہ و موازنہ اور ہجر و فراق پر مبنی یہ اشعار ایک مرتبہ امیر شام نے خود سن لیے تو بہت برہم ہوئے اور اُسی

لیے اُس کو طلاق دے دی اور کہا:

''اے بنت بحدل! تو خوش نہیں ہے، حتیٰ کہ تو نے مجھے ''علج'' (موٹا) کہہ دیا ہے۔ اپنے میکے چلی جا، پس اُسے طلاق دے دی اور وہ اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئی۔ اس موقعہ پر امیر شام نے اُسے کہا: ''كُنْتِ فَبِنْتِ'' (تم تھی پھر جدا ہوگئی) اُس نے کہا: ''وَاللّٰهِ مَا سُرِرْنَا إِذَا كُنَّا وَلَا أَسِفْنَا إِذَا بِنَّا'' (خدا کی قسم! ہم ہونے پر خوش تھے اور نہ ہی جدائی پر افسردہ ہیں) کہا جاتا ہے کہ اُس وقت یزید اُس کے شکم میں تھا پھر اُس نے اُسے دیہات میں جا کر جنم دیا''۔

(خزانة الأدب ج٨ص٥٠٦؛تاريخ دمشق ج٧٠ص١٣٤)

میسون کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہا'' وغیرہ لکھنا کیسا؟

میسون کے پیٹ سے یزید کے علاوہ دوسری اولاد کا قول درست نہیں ہے۔ امیر اہل سنت نے ''الکامل فی التاریخ'' کے حوالے سے یزید کے علاوہ میسون کے پیٹ سے تین اور بچوں کا جو ذکر کیا ہے وہ درست نہیں۔ امام ابن اثیر نے فقط ''امۃ رب المشارق'' کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی صیغۂ تمریض سے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَقِيْلَ: وَلَدَتْ بِنْتًا اِسْمُهَا أَمَةُ رَبِّ الْمَشَارِقِ.

''کہا گیا ہے: میسون نے ایک لڑکی جنی تھی جس کا نام امۃ رب المشارق تھا''۔

(الكامل فى التاريخ ج٣ص٣٧٢)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَذْكُرْهَا هِشَامٌ فِيْ أَوْلَادِ مُعَاوِيَةَ.

''ہشام نے اُس کا ذکر اولادِ معاویہ میں نہیں کیا''۔

(تاريخ الطبري ج٥ص٣٢٩)

علامہ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کا جی بھر گیا تھا۔ اُن کے الفاظ ہیں:

تَزَوَّجَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ مَيْسُوْنَ بِنْتَ بَحْدَلِ الْكَلْبِيَّةَ أُمَّ يَزِيْدَ فَبَقِيَتْ عِنْدَهُ مُدَيْدَةً، فَسَئِمَتْهُ، فَأَنْشَأَتْ تَقُوْلُ وَحَنَّتْ إِلَىٰ وَطَنِهَا.

''معاویہ بن ابوسفیان نے میسون بنت بحدل اُم یزید سے شادی کی تو وہ اُن کے ساتھ

مختصر سی مدت رہی، پھر اُس کا جی بھر گیا تو وہ وطن کو یاد کر کے اشعار کہتی تھی"۔

(تاریخ دمشق ج ۷۰ ص ۱۳۳)

خدا جانے کہ امیر اہل سنت نے کس حکمت کے پیش نظر لکھ دیا کہ معاویہ کی اکثر اولاد میسون سے ہے، جبکہ یہ الفاظ کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھے؟ شاید وہ اُس کا معاویہ کے ساتھ زیادہ عرصہ رہنا ثابت کر کے اُس کے لیے "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا، یا رضی اللہ عنہا" کے الفاظ کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہوں لیکن اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اُم یزید مسلمہ نہیں تھی اور اُس کے نام ساتھ "رضی اللہ عنہا" وغیرہ الفاظ لکھنا نواصب کا طریقہ ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر رضوان علی ندوی لکھتے ہیں:

"خدا برا کرے نواصب کا، جو محض بغضِ حسین کی وجہ سے ایک صحرائی خانہ بدوش عیسائی عورت کو جناب سیدہ میسونہ رضی اللہ عنہا لکھتے ہیں"۔

(حدیث قسطنطنیه ،حقائق و أوهام ص ۱۱۹)

تعجب ہے کہ کچھ مدعیانِ عشق قربِ معاویہ کی وجہ سے میسون کو تو "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا" کے الفاظ سے نوازتے ہیں مگر جس ہستی کو نبی کریم ﷺ کے بچپن سے لے کر آپ کی عمر کے پچاسویں سال تک قربت حاصل رہی، جنہوں نے آقا کی مسلسل حفاظت فرائی، آپ کو اولاد سے زیادہ چاہا، آپ کے مشن کی کامیابی کے لیے قربانیاں دیں، شعب ابی طالب کی محصوری اور فاقے کاٹے، اپنی ساری اولاد کو آپ کا ہمنوا بنایا، آپ کی شان میں قصیدے لکھے، توحید الٰہی پر منظوم کلام چھوڑا اور دنیا و آخرت کی عزت کو آپ کے ساتھ وابستگی پر موقوف قرار دیا، نہ جانے اُنہیں کیوں نہیں کسی قسم کے ترحّم اور ترضّی وغیرہ کا مستحق سمجھا جاتا۔ فیا للأسف!

جب اندر باہر اہل کتاب تو نتیجہ؟

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ امیر شام کی کابینہ میں اہل کتاب شامل تھے اور ابھی آپ نے پڑھا کہ اُن کے بستر تک بھی اہل کتاب پہنچے ہوئے تھے۔ سو ایک طرف امیر شام کی رات کا آخری حصہ اپنی اُس عیسائی بیوی کے ساتھ گذرتا تھا جس کی غیبی خبروں تک وہ یقین کرتے تھے تو دوسری طرف اُن کی رات کا اول حصہ عیسائی دانشوروں کے ساتھ گذرتا تھا۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے استاذ دکتور جمیل عبداللہ مصری لکھتے ہیں:

وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَجْلِسُ كَثِيْرًا مَعَ أَهْلِ الْكِتَابِ يُحَدِّثُوْنَهُ فَيَسْتَفِيْدُ مِنْ أَحَادِيْثِهِمْ فِيْ

تَسۡيِيۡرِ سِيَاسَتِهٖ.

''معاویہ بکثرت اہل کتاب کے ساتھ بیٹھتے تھے، اہل کتاب انہیں باتیں بتاتے تو وہ اپنی سیاست چلانے میں اُن کی باتوں سے مستفید ہوتے تھے''۔

مزید لکھا ہے:

سَامَرُوۡا مُعَاوِيَةَ اللَّيَالِيَ الطِّوَالَ.

''وہ معاویہ کے ساتھ طویل راتوں میں گفتگو کرتے''۔

(أثر أهل الكتاب فى الفتن والحروب الأهلية ص٤٧٨)

معاویہ جب راتوں کی طویل گفتگو کے بعد اُن اہل کتاب کی مجلس سے اُٹھ کر گھر آتے تو انہیں اُن کے بستر پر ایک خوبصورت کتابی عورت ملتی، یہی وہ عورت تھی جس نے یزید خبیث جیسے بچے کو جنم دیا تھا۔ پھر بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یزید پلید کا تربیت کنندہ اور مؤدب بھی عیسائی تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر جمیل عبداللہ مصری لکھتے ہیں:

فَكَانَ مُؤَدِّبُ يَزِيۡدَ بۡنَ مُعَاوِيَةَ نَصۡرَانِيًّا.

''پھر یزید بن معاویہ کا مؤدب بھی ایک نصرانی تھا''۔

(أثر أهل الكتاب فى الفتن ص٤٣٧)

ذرا سوچئے کہ اِس مؤدب کو کس نے مقرر کیا ہوگا؟ یزید کے ننھیال نے یا معاویہ نے؟ اگر یزید کے ننھیال نے مقرر کیا ہوگا تو اس میں یزید کے والد کی مرضی شامل ہوگی یا نہیں؟ اگر یزید کے والد کی رضا شامل نہ سمجھی جائے تو پھر اُن کا اپنی اولاد کی تربیت سے یکسر غافل ہونا لازم آتا ہے اور اگر اُن کی مرضی شامل سمجھی جائے تو پھر ''وَاهۡدِ بِهٖ'' (اُس کے ذریعے اوروں کو ہدایت دے) کی تاثیر پر سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ بہرحال کاشانۂ معاویہ کے باہر بھی اہل کتاب، اُس کے اندر بھی اہل کتاب، بچے کی شکل میں جو انہیں ثمرہ ملا اُس میں بھی اہل کتاب شامل اور بچے کی تربیت میں بھی اہل کتاب شامل تو پھر خود سوچئے کہ نتیجہ کیا برآمد ہوگا؟ جو نتیجہ برآمد ہوا اس کا کچھ اندازہ آپ علماء دیوبند میں سے ایک ایسے عالم دین کی تحریر سے لگا سکتے ہیں جو امیر شام کا دفاع کرنے کے باوجود یوں لکھ گئے:

''حضرت معاویہ نے اپنے زمانے میں دیوان خراج میں کام کرنے کے لیے بعض نصرانی منصرموں (انتظامی معاملات کو چلانے والے) اور کاتبوں کی خدمات حاصل کیں، چنانچہ شہر حمص کے خراج کی وصولی کے لیے ابنِ اثال نصرانی کو رکھا، نیز سرجون بن منصور رومی مسیحی

حضرت معاویہ کے دیوانِ خراج کا کاتب تھا۔ یہ شخص حضرت معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبدلملک بن مروان کے زمانے تک شام کے دیوان خراج کا منتظم اعلیٰ رہا، (کتاب الوزراء جہشیاری) اوراس کے ماتحت نصرانی عملہ کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لیے اس کا اثر ورسوخ بڑھا اور یزید کا مشیر بھی بن گیا، اور وہ اپنے عمال وامراء کے عزل ونصب میں اس سے مشورہ کرنے لگا، یہ قدیم رومی حکومت کا زمانہ دیکھنے والا کاتب اپنے مذہب پر قائم تھا اور بظاہر مسلمان حکومت کا ملازم بن کر بباطن روم کی مسیحی حکومت کا طرف دار تھا اوران رومی ممالک پر اسلامی فتوحات سے راضی نہ تھا۔ ایسا آدمی کب صحیح مشورہ دے سکتا تھا اوراسلامی معاملات خصوصاً مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی میں امن وصلح کی بات کیسے کرسکتا تھا، وہ تو لڑاؤ اور حکومت کرو کی قدیم رومی پالیسی کا آدمی تھا۔ چنانچہ اُس نے اوراُس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے ایسے موقع کو غنیمت سمجھا، جس میں ایک طرف عرب کی سب سے بڑی طاقت (بنوامیہ) ہو، اوردوسری طرف خاندانِ رسالت اور اُس کے طرف دار دینی جذبہ کے ساتھ ہوں''۔

(سيدنا علي وحسين رضي الله عنهما، للقاضي أطهر مبارك پوري ص١٧٦، ١٧٧)

اس کے بعد قاضی صاحب نے بطورِ نتیجہ ابن زیاد کی کوفہ میں تقرری کے مشورہ کا اورامام عالی مقام کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ قاضی صاحب کے خط کشیدہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ اُنہوں نے اپنی تحریر میں بنوامیہ کو عرب کی طاقت کہا ہے جبکہ اہل بیت کرام علیہم السلام اوراُن کے طرف داروں کو دینی جذبے کے حاملین کہا ہے۔

کیا اہل کتاب کی دوستی بے غرض بھی ہوتی ہے؟

پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ امیر شام نے اپنی حکومت کی مضبوطی کے لیے بنوکلب قبیلہ سے دوستی کی اور پھر اُسی قبیلہ سے شادی بھی کی۔ اہل بصیرت مسلمان بتائیں کہ کیا کبھی اہل کتاب نے کسی مسلم حکومت کے ساتھ بلا غرض دوستی کی ہے؟ کیا اُنہوں نے کسی مسلم حاکم کی بے لوث وبے غرض مدد [support] کی ہے؟ کیا ہمارے دور کے اہل کتاب نے عراق کے مقابلہ میں کویت کی مدد بلا غرض کی؟ کیا وہ سعودیہ کی مدد بلا غرض کررہے ہیں؟ کیا وہ روس کے مقابلہ میں پاکستان کی مدد بلا غرض کرتے رہے؟ پھر کیا وہ طالبان کے مقابلہ میں پاکستان کی مدد بلا

غرض کررہے ہیں؟ کیا وہ پاکستان یا کسی بھی مسلم ریاست کے لبرل اور دین بیزار لوگوں کی حمایت بلاغرض کرتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو پھر وہ امیرِ شام کے ساتھ بے لوث دوستی کیوں کرتے اور بلاغرض وغش اُن کے نکاح میں اپنی بچیاں کیوں دیتے؟ اہل کتاب کے تمام اقدامات کے پیچھے اُن کے اہداف ومقاصد ہوتے ہیں اور حکومتِ معاویہ کے ساتھ بھی اُن کے مفادات وابستہ تھے اور وہ اُن کے حصول میں کامیاب بھی ہوئے تھے۔ چنانچہ اہل حدیث سلفی عالم دین علامہ عبداللہ دانش لکھتے ہیں:

''قیصر روم اپنی چال چلتا رہا۔ بڑی اسکیم کے تحت امیر معاویہ کے گھر عیسائی عورت میسون کو مسلمان بنا کے داخل کیا اسی سے یزید پیدا ہوا جس کی پرورش عیسائی قبیلے کے ننھیال میں ہوئی۔ اس نومسلم بیوی کو امیر معاویہ نے طلاق بھی دے دی تھی۔ عیسائیوں کی گہری سازش تھی کہ مرکزی مسلم حکومت میں اپنے مشنری لوگ داخل کرے۔ انہی میں سے یہ خصوصی مشیر ''سرجون'' بھی تھا۔ جس نے یزید کو ابنِ زیاد کا مشورہ دے کر گورنرِ کوفہ بنایا اور میدان کربلا میں خادان نبوت کو کچل دیا اور عیسائی دنیا اپنے مباہلہ کی ہزیمت کا انتقام لینے میں کامیاب ہوئی''۔

(شرح اربعین امام حسین ﷺ ص، ۲۱۳)

علامہ حافظ محمد ظفر اللہ شفیق دیوبندی لکھتے ہیں:

''موَرخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ شام کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے شام کے سب سے طاقت ور قبیلے بنوکلب کی ایک خاتون میسون (Maysun) سے شادی کی، یزید انہی کے بطن سے پیدا ہوا میسون خود تو مسلمان ہوگئی تھی، لیکن ان کے عزیز واقارب بدستور عیسائی رہے۔ یزید ایک طرف اپنے گھر میں اسلامی معاشرت اور عربی تہذیب کی خوبیاں دیکھتا تو دوسری طرف جب وہ ننھیال جاتا تو عیسائی تہذیب وتمدن کے مظاہر دیکھتا تھا، وہیں اس نے گھڑ سواری اور شاعری سیکھی۔

یہاں تک خیریت تھی، لیکن آگے بڑھ کر اس نے ایسے مشاغل بھی سیکھ لیے جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی سیرت میلی ہوتی چلی گئی''۔ (ماہ نامہ ''اردو ڈائجسٹ'' مارچ ۲۰۰۴ء ص: ۸۵)

عیسائی تہذیب وتمدن سے آشنائی کا یہ ثمر تھا کہ اتنے اہم معاملے میں یزید نے ایک مسیحی مشیر سے

مشورہ کیا اور پھر اس پر عمل بھی کیا۔

واقعات کی ان کڑیوں کو ملایا جائے تو خیال آتا ہے کہ کربلا میں مسیحیوں نے ایک تو مباہلے کی ہزیمت کا انتقام لیا، دوسرے وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر دیا، اور یہ سب کچھ اُن کے ہاتھوں سے کروایا، جو اپنے کہلاتے ہیں۔ اسی کا نام سازش ہے، نصرانی سازش!''۔

(امام حسین ﷺ اور واقعہ کربلا، ص: ۳۷۲)

اِن دونوں حضرات کا لکھنا کہ میسون مسلمان ہوگئی تھی، محلِ نظر ہے۔ اگر اُس کا بظاہر مسلمان ہونا ثابت ہو بھی جائے تو کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ اہل کتاب اپنے مفادات کی خاطر سب کچھ کر لیتے ہیں۔

''جَمْرَةٌ'' (انگارہ) شعلہ کیسے بنا؟

اب آپ سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ کے اُس ارشاد میں ایک مرتبہ پھر غور فرمایئے جو ہم کچھ سطور قبل نقل کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے اہل کتاب کی عورت سے شادی کو '' جَمْرَةٌ '' (انگارہ) فرمایا تھا۔ یہ فرمان بالکل حق ثابت ہوا، چنانچہ میسون کے جسم سے نکل کر وہ انگارہ ایسا شعلہ بنا کہ اہل بیت نبوت کو جلا کر رکھ دیا، واقعۂ حرہ میں مدینہ منورہ کو تاراج کیا گیا، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے اور کئی روز تک اذان ونماز معطل رہی اور پھر مکۃ المکرمہ پر حملہ کر کے کعبہ معظمہ پر منجنیق سے پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ غلافِ کعبہ اور دوسرے تبرکات جل کر راکھ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اُس یزید کے ہاتھوں ہوا جو میسون جیسی '' جَمْرَةٌ '' کا شعلہ تھا۔ تعجب ہے کہ امیر اہل سنت اُسی میسون کو ''رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا'' کے الفاظ سے نواز رہے ہیں۔

ذرا سوچئے تو سہی کہ اہلِ کتاب، بنوامیہ، معاویہ اور میسون کے ملاپ سے یزید کی شکل میں کیسا شعلہ پیدا ہوا کہ اُس سے خیمۂ اسلام میں ایسی آگ بھڑک اُٹھی جو اَب تک بجھنے کا نام نہیں لے رہی اور روز بروز پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری دیوبندی لکھتے ہیں:

''افسوس کہ حضرت معاویہ کی آنکھ بند ہوتے ہی شام کی طرف سے ہِـرَقْـلِـیت اور رومی طرزِ سیاست اسلام پر حملہ آور ہوئی اور اُن اُغیلمہ (چھوکروں) کے اثر واقتدار کے دوش پر اسے پروان چڑھنے کا زرّیں موقع ہاتھ آ گیا، جو بنوامیہ کی نئی حکومت کے قیام وبقا کے لیے یزید، مروان، عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد کی طرح مسیحی سیاست دانوں کو بھی کام میں لائے، جس کا نہایت مکروہ

ظہورواقعۂ کربلا کی شکل میں ہوااور مسیحیت نے وہ کام کیا کہ آج تک اسلامی دنیا دست وگریبان نظر آرہی ہے"۔

(سيدنا علي وحسين رضي الله عنهما ١٧٥، ١٧٦)

قاضی اطہر صاحب سے دریافت کیا جائے کہ بنوامیہ اور مسیحیت کے اِس بم کا موجد کون ہے؟ جنابِ والا! جس کو آپ بچانا چاہتے ہیں اُنہوں نے ہی یہ بم بنایا تھا، بعد والوں نے صرف اُس کا بٹن آن کیا تھا اور اُن کی آنکھیں بند کرنے کے چھ ماہ بعد وہ سب بربادی ہوگئی تھی جو آپ لکھ چکے ہیں۔

سوچ کر بتایئے! ہمارے پچھلے تیس چالیس سالہ دور میں پاکستان میں لسانی بنیادوں پر جو بے دریغ قتل وغارت گری ہوئی، کیا اُس کا سبب فقط وہ چھوکرے ہیں جو کلاشنکوف اور گن چلاتے رہے یا وہ گرو گھنٹال بھی ہیں جو ایسے لوگوں کو پیدا کر گئے؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل کتاب تو ہمارے دشمن ہیں ہی مگر جن مسلم حکمرانوں کے ذریعے اہل کتاب اپنی مکروہ پالیسیاں میدانِ عمل میں لاتے ہیں وہ مسلم حکمران بھی ہمارے اسی طرح دشمن ہیں۔ خود انصاف فرمایئے! حال ہی میں (2017ء میں) اہل کتاب کی خواہش وایماء پر مسئلۂ ختم نبوت پر جو حملہ کیا گیا، کیا اُس جرم میں ہمارے حکمران برابر کے شریک نہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے علماء کرام اور اہل اسلام عوام کا اہل کتاب کی اُس سازش کی وجہ سے حکومت پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانا اور اُس پر آگ بگولا ہونا کیسا؟

کاش! فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات پر عمل کیا جاتا اور اہل کتاب کو اپنے قریب نہ کیا جاتا اور اُن کی عورتوں کو اپنے گھروں میں نہ لایا جاتا تو اُمتِ مسلمہ کو تب سے اب تک یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا" پر کلام کا خلاصہ

حدیث "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ" کے موضوع ہونے پر جو تفصیلی دلائل پیش کیے گئے، آخر میں ایک مرتبہ اُن کے خلاصہ میں غور فرمالیجئے

۱۔ اسلام میں مسلم خواتین کو لونڈی بنانا اور اُنہیں بازار میں برائے فروخت کھڑا کرنا

۲۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن وغیرہ مقامات پر افعال قبیحہ کا ارتکاب کرنا

۳۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نابالغ بھتیجوں کو ناحق قتل کرانا

۴۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی شہادتِ فاجعہ کو مصیبت نہ سمجھنا

۵۔ اُن کی وصال کی خبر پر خوش ہونا

۶۔ اُنہیں انگارہ کہنے والے کو ڈانٹنے کی بجائے پیسے دینا

۷۔ ممانعتِ نبوی ﷺ کے باوجود سونا، ریشم اور درندوں کی کھالوں کا استعمال کرنا

۸۔ انصار رضی اللہ عنہم کے بارے میں نصیحتِ نبوی ﷺ کے باوجود اُن پر دوسروں کو ترجیح دینا

۹۔ میزبانِ مصطفیٰ ﷺ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر جفا کرنا اور بے اعتنائی کر کے اُن کی توہین کرنا

۱۰۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف دھوکہ کی نسبت کرنے پر خاموش رہنا

۱۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھمکیاں دینا

۱۲۔ اپنے سے سابق بعض صحابہ کرام کو غصے کے ساتھ پاگل کہنا

۱۳۔ حدیث نبوی کو "ھنة" فساد کی بات کہنا

۱۴۔ رشوت لینا دینا (مغیرہ بن شعبہ سے تبادلۂ رشوت کرنا)

۱۵۔ باطل طریقے سے مال کھانا

۱۶۔ ناحق قتل کرنا

۱۷۔ بیعتِ یزید کے معاملہ میں کھلے بندوں جھوٹ بولنا

۱۸۔ شراب پینا

۱۹۔ عیدین سے پہلے اذان کی بدعت کا مرتکب ہونا

۲۰۔ تکبیراتِ عیدین میں کمی کرنا

۲۱۔ خطبۂ عید کو نمازِ عیدین پر مقدم کرنا

۲۲۔ مساجد کے منبروں پر سب وشتم اور لعنت کرنا کرانا

۲۳۔ یزید کی ولی عہدی میں قرآن وسنت اور خلفاء راشدین کی خلاف ورزی کرنا

۲۴۔ نکاح کے بعد اور وطی سے قبل بیوی کے پورے جسم کا معائنہ کرانا

۲۵۔ بیوی کی شرمگاہ کے نیچے تل کی وجہ سے اُسے طلاق دے دینا

۲۶۔ جسم پر تل کی وجہ یزید کی ماں میسون کا غیبی خبر دینا اور موصوف کا اُس پر یقین کرنا

۲۷۔ فقط میسون کی خبر کی وجہ سے اپنی تازہ منکوحہ کو طلاق دے ڈالنا

۲۸۔ آدمیوں کو خصّی کرانا

۲۹۔ قرآن مجید کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اہل کتاب کو اپنا رازدار بنانا

۳۰۔ نصرانی طبیب سے مسلمانوں کے سربرآوردہ لوگوں کو زہر دلا کر اُنہیں راہ سے ہٹانا

ایمان وانصاف سے بتایئے کہ جس شخص کے حق میں ھادی اور مہدی ہونے کی دعائے نبوی ﷺ کا دعویٰ کیا گیا ہو، کیا اُس سے درجِ بالا کبائر، ارتکابِ حرام، منافی عدل وانصاف معاملات اور بدعات پر مبنی اُمور سرزد ہو سکتے ہیں؟

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد کیسے بنے؟

کیا وجہ ہوئی کہ امیر شام کا شمار صحابی، کاتب وحی، خال المومنین اور حضور ﷺ کے نمازی ہونے کے باوجود خلفاء راشدین میں نہیں ہو سکا، جبکہ اُن کی وفات سے ایک یا تین سال بعد پیدا ہونے والا بنو امیہ ہی کا ایک شخص ۹۹ھ میں ۳۵ یا ۳۸ سال کی عمر میں خلیفہ بنا اور دو ڈھائی سال کے اندر اندر عدل وانصاف اور رشد وہدایت پر مبنی ایسا نظام دے دیا کہ امت مسلمہ بالاتفاق اُنہیں سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفۂ راشد تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ افضل یا معاویہ؟

کیا یہ لمحۂ فکریہ نہیں کہ معاویہ بیس سال گورنر اور بیس سال مکمل حاکم یعنی سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی مکمل عمر سے بھی زیادہ عرصہ حکومت کرنے کے باوجود خلافتِ راشدہ کی طرح نظام نہ دے سکے جبکہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سال میں اُس مبارک دور کو لوٹا دیا تو لوگ یہ سمجھنے، کہنے اور پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا معاویہ؟ اہل دانش سمجھتے ہیں کہ ذہنوں میں اِس سوال کا پیدا ہونا معمولی بات نہیں بلکہ بہت اہم بات ہے اور پھر اس کا زبانوں پر آنا اُس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا:

تُرَابٌ دَخَلَ فِيْ أَنْفِ مُعَاوِيَةَ [رضی اللہ عنہ] مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خَيْرٌ أَوْ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ.

''غبار جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں معاویہ [رضی اللہ عنہ] کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبد

العزیز رحمہ اللہ سے بہتر یا افضل ہے''۔

(الشريعة للآجري ج٥ ص٢٤٦٦؛ فيضان امير معاويه ص١٩٥)

''الشریعة للآجري'' کے معلق کے بقول اس قول کی سند میں بعض مجہول ومتروک راوی ہیں، لیکن میں کہتا ہوں: یہ امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ایسے دانا شخص کا قول ہو نہیں ہوسکتا۔ ذرا سوال وجواب میں غور تو فرمایئے! سوال مطلقاً صحابی اور تابعی کے مفاضلہ پر مبنی نہیں، کیونکہ یہ تو بچوں کو بھی معلوم ہے کہ صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے، بلکہ سوال ایسی دو شخصیتوں کے متعلق ہے جو اپنے اپنے وقت میں اقتدار پر رہیں۔

مثلاً آج اگر سوال کیا جائے کہ بحیثیت عدل وامانت اور رشد وہدایت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت افضل تھی یا معاویہ کی تو کیا جواب ہوگا؟ اگر جواباً کہا جائے کہ معاویہ کے بیس سالہ اقتدار سے عمر بن عبدالعزیز کے دو ڈھائی سال افضل تھے تو پھر سوال قائم ہوجائے گا کہ ایسا کیوں ہوا؟

اِس کو یوں سمجھئے کہ اگر واقعی کسی شخص کو حضور اکرم ﷺ کی معیت میں کسی غزوہ میں شریک ہونا نصیب ہوا ہو اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگا نہ ہو، وہ نماز میں آپ کا مقتدی بنا ہو، کاتب وحی رہا ہو، اپنی آنکھوں سے عدالتِ مصطفوی ﷺ کا مشاہدہ کرتا رہا ہو، پھر وہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کا مشاہدہ بھی کرتا رہا ہو اور اِس کے باوجود رشد وہدایت اور عدل وانصاف میں اُس کا تقابل ایک تابعی سے کیا جانے لگے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ''گل وچ ہورائے''۔

اس حقیقت یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر کائنات پست وبالا میں عظیم ترین ادارہ کے تعلیم یافتہ کسی شخص کا تقابل بعد کے ایسے نوجوان سے کیا جانے لگے جس کو اُس ادارہ میں قدم رکھنا بھی نصیب نہ ہوا ہو تو اِس میں قصور کس کا ہوگا، ادارہ کا یا اُس شخص کا؟ مطلب یہ ہے کہ بعد والے نوجوان کو نہ اُس معلّمِ کائنات ﷺ کی صحبت وتربیت نصیب ہوئی اور نہ ہی اُس کو اُس دور کے طلبہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے طلبہ کی سنگت ومعیت نصیب ہوئی، بس وہ فقط اُس ادارہ کا کورس دوسرے حضرات سے پڑھ سن کر عدل ورشد کی ایسی سند لینے میں کامیاب ہوگیا جس سے اُس کے بعض پیشرو محروم رہے تو پھر ''گل وچ ہورائے'' والا معاملہ ہے کہ نہیں؟

قارئین کرام! اگر آپ ''گل وچ ہورائے'' کو جاننا چاہتے ہیں تو امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ (١) کے

---

(١) صفحہ ٤٧، اور ٤٨ پر امام ابن المبارک رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی گذر چکا ہے، اُسے دوبارہ دیکھ لیجئے۔

قول کے مقابلہ میں سیدنا ابن عباس اور سیدنا مقداد بن اسود ﷺ کے اُن ارشادات میں غور فرمائیں جو ہم کتابِ ھٰذا کے مقدمہ میں صفحہ [۲۲] پر نقل کر چکے ہیں۔

خلافتِ راشدہ سے کیوں محروم؟

مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''منہاج نبوت پر خلافتِ حقہ راشدہ تیس سال رہی، کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷺ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی، پھر امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافتِ راشدہ ہوئی اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے''۔

(بهارِ شريعت ج ۱ حصه (الف) ص ۲۵۷، مكتبة المدينة، كراچي)

بتایئے! وہ خلافتِ راشدہ کی فہرست میں آنے سے کیوں رہ گئے؟ میرا ایمان ہے کہ اگر حدیث ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا...'' غیر موضوع ہوتی تو پھر اُن سے بڑا خلیفۂ راشد کوئی نہ ہوتا، کیونکہ صحیح یا موضوع ایسی جامع دعا خلفاء راشدین ﷺ میں سے کسی کے حق میں بھی منقول نہیں، لیکن سب سے بڑھ کر تو کجا اُن کا شمار تو خلفاء راشدین میں ہی نہیں ہوتا، جبکہ اُن سے چالیس سال بعد اقتدار پانے والے خلفاء راشدین ﷺ میں شمار ہوتے ہیں۔

بار بار غور فرمایئے کہ صحابیت، وحی کی کتابت، خال المؤمنین کی نسبت اور ''**اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ**'' دعا کی مقبولیت کہاں گئی؟

حدیثِ اُم حرام اور امیرِ شام

سیدتنا ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے منقول صحیحین کی ایک حدیث سے امیر شام کے لیے منقبت بلکہ جنت ثابت کی جاتی ہے، اُس سے نظریں چرا کر آگے نکل جانا میرے ضمیر کے بھی خلاف ہے اور امانت داری کے بھی منافی ہے، اس لیے میں آخر میں اُس پر گفتگو کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چونکہ اُس حدیث کو مؤلفینِ ''فیضانِ امیر معاویہ'' نے بھی مع تشریح درج کیا ہے، لہٰذا اُنہی کے الفاظ ہی نقل کیے دیتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت سیّدتنا اُمِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، اُن (مجاہدین) کے لیے (جنت) واجب ہے۔ (بخاري: كتاب الجهاد والسير، باب ماقيل

فی قتال الروم،۲/۲۸۸حدیث:۲۹۲٤)

حضرت سیّدنا مُہلّب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: اس روایت سے حضرت سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے سمندری راستے سے پہلا جہاد کیا تھا، جس کی اللہ ﷻ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو خواب میں بشارت دی تھی اور جن لوگوں نے حضرت سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرچم تلے جہاد کیا تھا ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اوّلین قرار دیا، علماءِ سیرت نے لکھا ہے کہ یہ مجاہدین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھے۔ حضرت سیّدنا زبیر بن ابی بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے قُبرص میں جہاد کیا تھا اور سیّدنا عُبَادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت سیّدتنا اُمِّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ جب وہ سمندری سفر سے واپسی میں بحری جہاز سے اتریں تو خچر پر سوار ہوئیں اور اس سے گر کر شہید ہوگئیں۔ ابن الکلبی نے بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ اٹھائیس ہجری میں ہوا تھا۔'' (شرح ابن بطال، کتاب الجهاد والسير، باب الجهاد والشهادة الخ، ١١/٥، تحت الحديث ٢٩٢٤)

(فیضانِ امیر معاویہ ص ۱۷۲)

اِن حضرات نے بخاری کے جس مقام سے یہ حدیث لی ہے اُس کا مکمل حوالہ اِنہوں نے دے دیا ہے، ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھ لیں۔ اس مقام پر جو سند ہے اُس میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے جتنے راوی ہیں سب کے سب شامی ہیں۔ چنانچہ امام عینی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

الإِسْنَادُ كُلُّهُ شَامِيُّوْنَ.

''اس کی سند کے تمام کے تمام راوی شامی ہیں''۔

(عمدة القاري ج١٤ ص ٢٧٧؛ فتح الباري ج٧ ص ١٩٥)

بعض حمصی بھی ہیں، چنانچہ خالد بن معدان اور ثور بن یزید دونوں حمصی ہیں اور ہم اِس قبل ابن زیاد الہانی کے حالات میں لکھ چکے ہیں کہ حمص کے لوگ سب سے بڑھ کر سیدنا علی ؓ کے دشمن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤخر

الذکر یعنی ثور بن یزید کو اگر چہ حدیث میں ثقہ کہا گیا ہے مگر اُس کا شمار دشمنانِ علی میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ابن سعد، حافظ ابن عساکر، حافظ جمال الدین مزی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

''اس کا دادا جنگِ صفین میں حمایتِ معاویہ میں لشکرِ مرتضوی کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس لیے وہ جب بھی سیدنا علی ﷺ کا ذکر کرتا تو کہتا: ''لَا أُحِبُّ رَجُلًا قَتَلَ جَدِّيْ'' (میں اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا''۔

(الطبقات الكبرى لابن سعد ج٩ ص ٤٧١؛ تاريخ دمشق ج١١ ص ١٨٦؛ تهذيب الكمال ج٤ ص ٤٢١؛ تهذيب التهذيب ج١ ص ٥١٣؛ مختصر تاريخ دمشق ج٥ ص ٣٥١)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمنِ علی تھا اور کتابِ ھٰذا کے شروع میں آپ امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کرام کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں کہ سیدنا علی علیہ السلام کے دشمن اُس شخص کو چڑھاتے رہتے تھے جس نے سیدنا علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی تھی، تاہم چونکہ یہ بخاری کا راوی ہے لہٰذا ''اتھے دَم مارن دی کیا مجال؟'' بخاری میں تو جس راوی کا نام آ گیا وہ سندِ عصمت پا گیا، البتہ بخاری میں ائمہ اہل بیت کی کوئی گنجائش نہیں حتیٰ کہ وہ ہستی (امام جعفر صادق علیہ السلام) جو صدق وصفا کی وجہ سے صادق کہلاتی تھی، امام بخاری نے اُن سے بھی روایت نہیں لی۔

مہلّب کی بیان کردہ مکمل تشریح قبول ہے؟

مؤلفینِ ''فیضانِ امیر معاویہ'' نے اِس حدیث کی تشریح میں ابن بطال کے حوالہ سے جو مہلّب کی تشریح پیش کی ہے، کیا وہ مکمل تشریح اُنہیں قابلِ قبول ہوگی؟ مہلّب اِس حدیث کی رو سے فقط معاویہ کا نہیں بلکہ یزید پلید کی فضیلت کا بھی قائل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

قَالَ الْمُهَلَّبُ : فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ ، وَمَنْقَبَةٌ لِوَلَدِهِ يَزِيْدَ ، لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ.

''مہلّب نے کہا: اِس حدیث میں معاویہ کی منقبت ہے، کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں سمندری غزوہ کیا، اور اُن کے بیٹے یزید کی منقبت ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے مدینۂ قیصر کا غزوہ کیا''۔

(فتح الباري ج٧ ص ١٩٦؛ عمدة القاري ج ١٤ ص ٢٧٨)

مہلّب کا یہ قول علامہ ابن بطال نے بھی نقل کیا ہے۔

(شرح صحیح البخاري لابن بطال ج٥ ص١٠٧)

مؤلفینِ ''فیضانِ امیر معاویہ'' کی لغزش

علامہ ابن بطال نے معاویہ اور یزید دونوں کی فضیلت میں مہلب کا یہ قول اُس حدیث کے تحت نقل کیا ہے جو ''بَابُ مَا قِيلَ فِي قِتَالِ الرُّومِ'' میں ہے یعنی حدیث نمبر ۲۹۲۴۔ مؤلفینِ ''فیضانِ امیر معاویہ'' نے اپنی کتاب میں حدیث تو یہی نقل کی ہے مگر شرح ایک اور حدیث کی درج کر دی ہے اور حوالہ حدیث نمبر ۲۹۲۴ کا دیا ہے۔ اُن کے درج کردہ حوالہ کا باقی حصہ تو صحیح ہے لیکن حدیث کا نمبر صحیح نہیں ہے، اِن حضرات نے ابن بطال کی جو لمبی شرح نقل کی ہے وہ بخاری کی حدیث ۲۹۲۴ کے تحت نہیں بلکہ حدیث نمبر ۲۷۸۸ کے تحت ہے۔ فی الجملہ یہ کہ انہوں نے ''فیضانِ امیر معاویہ'' میں جو حدیث نقل کی ہے اُس کی تشریح میں مہلّب نے معاویہ کے ساتھ اُن کے بیٹے یزید کی بھی منقبت بیان کی ہے، لہٰذا اِن سے معلوم کیا جائے کہ کیا وہ یزید کی فضیلت کے بھی قائل ہیں؟ اگر قائل ہوں تو پھر ''قَدْ أَوْجَبُوا'' کا جو معنیٰ اُنہوں نے کیا ہے وہ یزید کے لیے بھی ماننا پڑے گا، اور یہ مقام ایسی کھائی ہے جس میں ''فیضانِ امیر معاویہ'' کے مؤلفین سے قبل بہت لوگ گر چکے ہیں۔

مکمل ۳۲ سال معاف، کیا پاکستانی عدالت ہے؟

یہ بات حق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۸ھ میں امیر شام کا بحری بیڑے پر غزوہ کرنا اُن کی ایک خوبی ہے لیکن اس غزوہ میں شرکت کو اُن کے لیے وجوب جنت کا سبب کہنا کس دلیل کی بنا پر ہے؟ ۲۸ھ سے لے کر ۶۰ھ تک ۳۲ سالوں میں جو کچھ اُن سے ہوا وہ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جائے گا؟

حدیث ''اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا'' کے خلاصہ میں جو موٹی موٹی تیس [۳۰] باتیں پیش کی گئیں کیا وہ سب قبل از صدور ۲۸ھ میں ہی معاف کر دی گئی تھیں؟ قرآن تو فرماتا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ﴾ تو پھر کیونکر تصور کر لیا گیا کہ ۲۸ھ سے ۶۰ھ تک سب معاف؟ کیا قبرص کی جنگ غزوۂ بدر کی مانند تھی؟

۲۸ھ میں جنت اور ۳۷ھ میں نار

چلئے ۲۸ میں تو آپ نے اُنہیں جنتی قرار دے دیا لیکن ۳۷ھ میں جو اُنہیں اور اُن کے ساتھیوں کو آگ کی

طرف بلانے والا کہا گیا، اُس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ امام بخاری لکھتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ ، قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ انْطَلِقَا إِلَىٰ أَبِي سَعِيْدٍ، فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهِ، فَانْطَلَقْنَا، فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُصْلِحُهُ ،فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبىٰ ،ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا،حَتّىٰ اَتىٰ ذِكْرَ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ،فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ،فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَقَالَ : وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ ،وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ.

''عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے اور اپنے بیٹے علی سے فرمایا: تم دونوں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے حدیث کا سماع کرو، پس ہم دونوں گئے، اس وقت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے باغ کی اصلاح کر رہے تھے، وہ اپنی چادر کے ساتھ اپنی کمر اور گھٹنوں کو باندھ کر بیٹھے، پھر ہمیں حدیث سنانے لگے حتیٰ کہ مسجد کی تعمیر کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا: ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اُن سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: عمار پر رحمت ہو، اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ اُن کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اِس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے''۔

(بخاري ص ۷۸ حديث ٤٤٧، وص ٤٦٦ حديث ٢٨١٢؛ مسند أحمد ج ٣ ص ٩١ وط: ج ٤ ص ٢٢٧ حديث ١١٨٨٣؛ صحيح ابن حبان ج ١٥ ص ٥٥٣، ٥٥٤ حديث ٧٠٧٨، ٧٠٧٩؛ الجمع بين الصحيحين ج ٢ ص ٤٦١ حديث ١٧٩٤؛ البداية والنهاية ج ٥ ص ٣٧١)

جو سپہ سالار ۲۸ھ میں تھا ۳۷ھ میں بھی وہی سپہ سالار ہے۔ وہاں اُنہیں تاویل سے جنتی بنانے کی کوشش کی گئی اور یہاں اُنہیں صریحاً ''الدَّاعُوْنَ إِلَى النَّارِ'' کہا گیا ہے۔ ذرا مطابقت تو بیان فرما دیجئے!

یہ بھی یاد رکھئے کہ بحری غزوہ کی فضیلت کا ذکر بخاری میں ہے جبکہ بیعت رضوان کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور ساتھ ہی فرمایا گیا ہے: ﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلىٰ نَفْسِهِ﴾ (تو جس نے عہد توڑا اُس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا) اگر اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ نہ فرمائی ہوتی تو پھر یہ سمجھنا بجا ہوتا کہ بیعتِ رضوان کے شرکاء بعد میں جو چاہیں کرتے پھریں اُن سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن جب یہ تنبیہ آ گئی تو اب ایسا سمجھنا قرآن کے خلاف ہے۔

یادر کھئے گا! بیعتِ رضوان کے شرکاء میں سے بعض صحابہ حضرت عثمان بن عفان ﷛ کے قاتلین کے سرغنہ لوگوں میں سے تھے، جیسا کہ عبدالرحمان بن عدیس۔ آپ کا اُن کے بارے میں کیا خیال ہے؟

۳۷ھ میں بعض اکابر صحابہ کا اظہار

"الأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ" بلاشبہ ۲۸ھ میں بحری بیڑے کا کارنامہ ایک خوبی ہے اور کسی کی خوبی کا انکار بے انصافی ہے خواہ وہ حجاج بن یوسف کی خوبی ہی کیوں نہ ہو، لیکن ۳۷ھ میں اُن کی ایک خلیفۂ راشد کی اطاعت سے روگردانی کرنے، پھر اُن سے برسرِ پیکار ہونے کو علماء حق نے معمولی نہیں سمجھا، اُنہوں نے اِس روگردانی اور جنگ کو کتاب وسنت سے روگردانی کے مترادف قرار دیا ہے۔ اِس مقام پر میری زبان گنگ ہے، میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا، البتہ بعض اکابر کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث "الفِئَةُ البَاغِيَةُ" کی مکمل تشریح کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَتَبَيَّنَ بِهٰذَا أَنَّهُ كَانَ فِي الْبَاطِنِ بَاغِيًا ، وَفِي الظَّاهِرِ مُتَسَتِّرًا بِدَمِ عُثْمَانَ مُرَاعِيًا مُرَائِيًا ، فَجَاءَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَلَيْهِ نَاعِيًا ، وَعَنْ عَمَلِهِ نَاهِيًا ، لٰكِنْ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا ، فَصَارَ عِنْدَهُ كُلُّ مَنْ فِي الْقُرْآنِ وَالْحَدِيْثِ مَهْجُوْرًا . فَرَحِمَ اللّٰهُ مَنْ أَنْصَفَ وَلَمْ يَتَعَصَّبْ وَلَمْ يَتَعَسَّفْ ، وَتَوَلَّى الاِقْتِصَادَ فِي الاِعْتِقَادِ ، لِئَلَّا يَقَعَ فِي جَانِبَيْ سَبِيْلِ الرَّشَادِ مِنَ الرَّفْضِ وَالنَّصْبِ بِأَنْ يُحِبَّ جَمِيْعَ الآلِ وَالصَّحْبِ.

"پس اس سے ظاہر ہوا کہ وہ باطن میں باغی تھے اور ظاہراً قصاصِ عثمان (﷛) کی آڑ لے کر دِکھاوا کرنے والے تھے۔ پس یہ حدیث ان پر طعن کرنے والی ہے اور ان کی اتباع سے روکنے والی ہے، لیکن وہی ہو کر رہا جو تقدیر میں لکھا تھا تو ان کے نزدیک جو کچھ قرآن وحدیث میں مرقوم تھا سب متروک ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی اُس شخص پر رحمت ہو جس نے انصاف کیا اور تعصب وبے راہ روی سے کنارہ کیا اور اعتقاد میں اعتدال کو محبوب رکھا تا کہ وہ رُشد کے راستے سے ہٹ کر رافضیت وناصبیت میں مبتلا نہ ہو اور جمیع آل واصحاب سے محبت کرے"۔

(مرقاۃ شرح مشکاۃ ج۱۰ ص۲۰۰، ۲۰۱، وط: ج۱۱ ص۱۷، ۱۸)

''فَصَارَ عِنْدَهُ كُلُّ مَنْ فِي الْقُرْآنِ وَالْحَدِيْثِ مَهْجُوْرًا'' (توان کے نزدیک جو کچھ قرآن وحدیث میں مرقوم تھا سب متروک ہوگیا) کا جملہ زبان سے نکل جاتا تو آسان ہے لیکن قلم سے لکھنا آسان نہیں۔ وہ ایسا لکھنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اِس لیے کہ اُنہیں معلوم تھا ''عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ'' سے منہ موڑنا قرآن سے منہ موڑنا ہے اور ''عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ'' سے انحراف کرنا قرآن سے منحرف ہونا ہے، اور پھر اُنہیں یہ بھی معلوم تھا کہ علی سے بڑھ کر سنت کا بھی کوئی عالم نہیں، کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

عَلِيٌّ أَعْلَمُ النَّاسِ بِالسُّنَّةِ.

''سیدنا علی علیہ السلام تمام لوگوں سے بڑھ کر سنت کے عالم ہیں''۔

(تاريخ مدينة دمشق ج٤٢ ص٤٠٨؛ مختصر تاريخ دمشق ج١٨ ص٢٦؛ الاستيعاب ج٣ ص٢٠٦؛ الرياض النضرة ج٤ ص١٣٧؛ المناقب للخوارزمي ص٩١؛ موسوعة العشرة المبشرة ج١١ ص٧٧)

اسی لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف کو قرآن وحدیث دونوں کا تارک کہا ہے۔

تعجب ہے کہ ہمیں ایک طرف اپنے اسلاف سے اس قدر محبت ہے کہ ہم چودھویں صدی کے بعض اسلاف کے افکار ونظریات سے روگردانی کو سنیت سے روگردانی کے مترادف قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف اُس ہستی سے روگرادنی کرنے کو فقط خطائے اجتہادی کہہ دیا جاتا ہے، جن کو پشت کرنا قرآن کو پشت کرنا ہے، جن سے منہ پھیرنا قرآن سے منہ پھیرنا ہے، جن کو چاہنا حضور ﷺ کو چاہنا ہے، جن کو اذیت پہنچانا حضور ﷺ کو اذیت پہنچانا ہے، جن سے مودت آقا علیہ السلام سے مودت ہے اور جن سے عداوت آقا علیہ السلام سے عداوت ہے۔ ارے بھائی! کچھ تو انصاف فرمائیں، جس ہستی سے محبت کو ایمان اور بغض کو منافقت کہا گیا ہے اُس ہستی کا انڈیا کے ایک عالم دین کے برابر بھی مرتبہ نہیں؟ انڈیا کے مولانا سے اختلاف کرنے والا خارج از اہل سنت ہو جائے اور مولائے کائنات علیہ السلام سے اختلاف کرنے والا، جنگ کرنے والا، اُنہیں پریشان کرنے والا، اُنہیں اذیت پہنچانے والا، اُن کے محبین کو قتل کرنے والا اور منبروں پر اُنہیں سبّ وشتم کرنے والا اجر کا مستحق قرار پائے؟ فیا للعجب!

۲۸ھ میں بحری غزوہ کا جو سپہ سالار تھا، ۳۷ھ میں وہی سپہ سالار کہاں کھڑا تھا؟ اِس بارے میں کچھ کہنا مجھ ڈرپوک کے بس کا روگ نہیں، لہٰذا بعض ایسے اکابر کے الفاظ نقل کرنے میں سلامتی سمجھتا ہوں جو مکہ سے لے کر مدینہ منورہ تک تمام قریش کے احوال، عادات اور سیرت وفطرت سے باخبر تھے۔ جن کو شیطان سے محفوظ فرمایا گیا، جنہیں سراپا ایمان کہا گیا اور جنہیں حق وباطل کے درمیان حد فاصل قرار دیا گیا۔ چنانچہ حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ حُذَيْفَةَ قَالَ : قَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ يَوْمَ صِفِّيْنَ ـ وَذَكَرَ أَمْرَهُمْ وَأَمْرَ الصُّلْحِ ـ فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَسْلَمُوْا وَلٰكِنِ اسْتَسْلَمُوْا وَأَسَرُّوا الْكُفْرَ، فَلَمَّا رَأَوْ عَلَيْهِ أَعْوَانًا أَظْهَرُوْهُ.

''سیدنا سعد بن حذیفہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ نے صفین کے دن فرمایا۔ اور سعد بن حذیفہ نے یہ تذکرہ اُن کی جنگ اور تحکیم کا معاملہ بیان کرتے ہوئے کیا۔ پس عمار نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اسلام نہیں لائے لیکن اسلام کا اظہار کیا اور کفر کو چھپایا پھر جب اُنہوں نے اُس پر مددگار پا لیے تو اُسے ظاہر کر دیا''۔

(مجمع الزوائد قديم ج١ ص١١٣)

حافظ ہیثمی اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ ، وَسَعْدُ بْنُ حُذَيْفَةَ لَمْ أَرَ مَنْ تَرْجَمَهُ.

''اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اور میں سعد بن حذیفہ کے احوال سے آگاہ نہیں ہو سکا''۔

جی ہاں، حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا سعد بن حذیفہ رضی اللہ عنہما کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے ہوں گے، لیکن وہ مجہول نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ابن ابی خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حذیفہ بن یمان ﷺ کی اولاد میں اُن کا ذکر کیا ہے اور وہیں اُن کا یہ اثر (قولِ صحابی) بھی ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اُن کا ذکر کیا ہے اور اُن پر کوئی جرح و تعدیل نہیں کی، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے بھی کسی قسم کی جرح و تعدیل کے بغیر اُن کا ذکر کیا ہے اور امام ابن حبان نے اُن کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

(تاريخ ابن أبي خيثمة ص١٩٩١؛ التاريخ الكبير للبخاري ج٤ ص٥٤؛ الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ج٤ ص٨١؛ كتاب الثقات لابن حبان ج٤ ص٢٩٤؛ تقريب الثقات للشيحاص ٥٠٧)

خیال رہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہر معاملہ میں بہت محتاط اور ایمان سے مملو تھے، اسی لیے اُنہوں نے مطلقاً شامیوں کو کافر کہنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اُنہیں ظالم اور فاسق کہو لیکن کافر مت کہو۔ اِس کی تفصیل ہماری کتاب ''الفِئَةُ الْبَاغِيَةُ'' میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ سیدنا عمار بن یاسر ﷺ نے جس بات کا اظہار فرمایا ہے اُس کے اشارے متعدد احادیث میں بھی ملتے ہیں، یہاں بطورِ نمونہ فقط ایک حدیث پیشِ خدمت ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ.

لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لایا''۔

(سنن الترمذي ج٦ ص١٥٨ حديث ٣٨٤٤)

اس حدیث میں "النَّاسُ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ علامہ طیبی اور دوسرے محدثین کرام لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: "أَسْلَمَ النَّاسُ" التَّعْرِيْفُ لِلْعَهْدِ، وَالْمَعْهُوْدُ مُسْلِمَةُ الْفَتْحِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، وَأَسْلَمَ عَمْرٌو قَبْلَ الْفَتْحِ طَائِعًا رَاغِبًا مُهَاجِراً إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَقَوْلُهُ ﷺ هٰذَا تَنْبِيْهٌ عَلٰى أَنَّهُمْ أَسْلَمُوْا رَهْبَةً، وَآمَنَ عَمْرٌو رَغْبَةً، فَإِنَّ الإِسْلَامَ يَحْتَمِلُ أَنْ يَشُوْبَهُ كَرَاهَةٌ، وَالإِيْمَانُ لَايَكُوْنُ إِلَّا عَنْ رَغْبَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ.

''ارشادِ نبوی ﷺ "أسلم الناس" میں الف لام عہدی (زمانی) ہے اور اس سے مراد فتح مکہ کے مسلمان ہیں، حضرت عمرو فتح مکہ سے قبل اطاعت، رغبت اور مدینہ کی طرف کوچ کرتے ہوئے ایمان لائے تھے۔ ارشادِ نبوی ﷺ میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ فتح مکہ کے لوگ خوف سے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شوق سے اسلام لائے تھے۔ بلاشبہ اسلام لانے میں ناپسندیدگی کی آمیزش کا احتمال ہوتا ہے جبکہ ایمان فقط رغبت وطاعت سے ہوتا ہے''۔

(شرح الطيبي على المشكاة ج١٢ ص٣٩٤٨؛ مرقاة المفاتيح ج١١ ص٣٨١؛ تحفة الأحوذي ج١٠ ص٣٤٢، ٣٤٣؛ جائزة الأحوذي ج٤ ص٦٤٣)

امام بیضاوی لکھتے ہیں:

وَالْمَعْنٰى: أَنَّهُ أَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ بِسَنَةٍ أَوْ سَنَتَيْنِ، وَهَاجَرَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لِطَوْعٍ مِّنْهُ وَرَغْبَةٍ، وَكَانَ أَسْلَمَ مِمَّنْ أَسْلَمَ تَحْتَ السَّيْفِ، أَوْ اِسْتِيْلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أَهْلِهِ وَدِيَارِهِ.

''معنیٰ یہ ہے کہ وہ فتح مکہ سے ایک یا دو سال قبل اسلام لائے تھے اور اپنی رضا و رغبت سے مدینہ کا رُخ کیا تھا، اور دوسرے لوگ تلوار کے سائے میں اسلام لائے تھے، یا وہ اپنے اہل وعیال اور گھر بار پر مسلمانوں کے غالب آجانے کی وجہ سے اسلام لائے تھے''۔

(تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة للبيضاوي ج٣ ص٥٧٧)

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالنَّاسِ مُؤْمِنُوْ يَوْمَ الْفَتْحِ ، وَلَمْ يَكُنْ إِسْلَامُ هٰؤُلَاءِ فِيْ ظَاهِرِ الْأَمْرِ إِلَّالِلسَّيْفِ.

"الناس" سے مراد یومِ فتح کے مسلمان ہیں، اُن کا اسلام ظاہری طور پر تلوار ہی کے سبب تھا"۔

(الكوكب الدري على جامع الترمذي ج٤ ص٤٣٨)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری اور شیخ محمد یحییٰ کاندھلوی لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالنَّاسِ مَنْ أَسْلَمَ يَوْمَ الْفَتْحِ مِنْ مَّكَّةَ، فَإِنَّهُمْ أَسْلَمُوْا جَبْراً وَّقَهْراً، ثُمَّ حَسُنَ إِسْلَامُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْهُمْ.

"الناس" (لوگوں) سے مراد فتح مکہ کے دن اسلام لانے والے مکی ہیں، سو وہ مجبوری اور لاچاری میں اسلام لائے تھے، پھر اُن میں سے جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اُس کا اسلام اچھا ہوگیا"۔

(لمعات التنقيح ج٩ ص٧٧٦؛ أشعة اللمعات ج٤ ص٤٠٦؛ حواشي على الترمذي للسهارنفوري ج٢ ص٥٨١؛ تعليق :الكوكب الدري للذكرياسهارنفوري ج٤ ص٤٣٨)

شیخ محقق کے یہ الفاظ آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں "ثُمَّ حَسُنَ إِسْلَامُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْهُمْ" (پھر اُن میں سے جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اُس کا اسلام اچھا ہوگیا)۔ اگر آپ اِس حدیث اور اِس کی تشریح کو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قول سے ملا کر پڑھیں گے تو ضرور کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

اظہارِ تشکر اور دُعا

اللہ تعالیٰ کی بیحد حمد ہے کہ اُس نے مجھ عاجز کی کتب کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی ہے، اور ساتھ ہی اُس کے اُن بندوں کا شکر گزار ہوں اور اُن کے حق میں دعا گو ہوں جو میرے معاونین، محبین اور قارئین ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور اُنہیں دارین کی ہر خیر عطا فرمائے، ہر شر سے محفوظ رکھے اور ہم سب کے عزیز و اقارب کی بلا حساب مغفرت فرمائے اور ہمیں اہل بیت سید المرسلین علیہم السلام اور صحابہ مجتبین رضی اللہ عنہم کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ.

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

❁❁❁❁❁

مآخذ ومراجع

حديث

١ـ **الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير:** أبوعبدالله الحسين بن إبراهيم الجوزقاني، متوفى ٥٤٣هـ،دار الفكر،بيروت،الطبعة الأولى١٤١٦هـ، **وط:** إدارة البحوث الإسلامية، بنارس، الهند،الطبعة الأولىٰ١٤٠٣هـ.

٢ـ **الآحاد والمثاني:** إمام أبوبكرأحمد بن عمروبن أبي عاصم،متوفىٰ٢٨٧هـ، دارالراية، الرياض،الطبعةالأولىٰ١٤١١هـ.

٣ـ **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة:** أحمد بن أبي بكربن إسماعيل البوصيري،متوفىٰ٨٤٠هـ،دارالوطن،الرياض،الطبعةالأولىٰ١٤٢٠هـ. **وط:** مكتبةالرشد، الرياض،الطبعةالأولىٰ١٤١٩هـ.

٤ـ **أحاديث مختارة من موضوعات الجورقاني وابن الجوزي:** محمد بن أحمد بن عثان الذهبي،متوفىٰ٧٤٨هـ،مكتبة الدار بالمدينة المنورة،الطبعة الأولىٰ١٤٠٤هـ.

٥ـ **الأحاديث المختارة مما ليس في الصحيحين:** ضياء الدين محمد بن عبدالواحد الحنبلي، متوفىٰ٦٤٣هـ،مكتبة النهضة الحديثية،مكةالمكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٠هـ.

٦ـ **الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان:** أبوحاتم محمدبن حبان البستي،متوفىٰ٣٥٤هـ، مؤسسةالرسالة، بيروت،الطبعة الثالثة ١٤١٨هـ.

٧ـ **الأسرار المرفوعة في الأخبارالموضوعة:** علي بن سلطان محمدالمشهوربملاعلي القاري،متوفىٰ١٠١٤هـ،المكتب الإسلامي،بيروت،الطبعةالثانية١٤٠٦هـ.

٨ـ **أطراف المسند المعتلي بأطراف المسند الحنبلي:** حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني،متوفىٰ ٨٥٢هـ،دارابن كثير،دمشق،الطبعة الأولىٰ١٤١٤هـ.

٩ـ **البحرالزخارالمعروف بمسند البزار:** إمام أحمد عمرو بن عبد الخالق البزار ، متوفىٰ

٢٩٢ﻫ، مكتبة العلوم والحكم ،المدينة المنورة،الطبعة الأولىٰ ١٤٠٩ﻫ.

١٠ـ **بغية الباحث في زوائد مسند الحارث:** نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّىٰ ٨٠٧ﻫ،مركزخدمة السنة والسيرة النبوية، المدينة المنورة، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ﻫ.

١١ـ **تحفة الأخيار بترتيب شرح مشكل الآثار:** إمام أبوجعفر أحمدبن محمد الطحاوي، متوفّىٰ ٣٢١ﻫ،داربلنسية، مكة المكرمة،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ﻫ.

١٢ـ **تلخيص كتاب العلل المتناهية:** إمام شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي، متوفّىٰ ٧٤٨ﻫ،مكتبة الرشد،الرياض ،الطبعة الأولىٰ ١٤١٩ﻫ.

١٣ـ **تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة:** أبوالحسن علي بن محمدبن عراق الكناني ،متوفّىٰ ٩٦٣ﻫ ،دارالكتب العلمية ،بيروت،الطبعة الثانية ١٤٠١ﻫ.

١٤ـ **جامع الآثار القولية الفعلية الصحيحة لأمير المؤمنين عمر بن الخطاب ﷺ:** عاطف بن عبد الوهاب حماد،دارالهدي النبوي ،مصر ،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٩ﻫ.

١٥ـ **الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله ﷺ وسننه وأيامه:** (بخاري)إمام محمد بن إسمعيل البخاري ،متوفّىٰ ٢٥٦ﻫ،دارالسلام،الرياض ،الطبعة الثانية ١٤١٩ﻫ.

١٦ـ **الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير ﷺ:** جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي متوفّىٰ ٩١١ﻫ،مكتبة نزار المصطفىٰ الباز ،مكة المكرمة،الطبعة الأولى ١٤١٨ﻫ.

١٧ـ **الجامع وهو سنن الترمذي:** إمام أبوعيسىٰ محمدبن عيسىٰ الترمذي،متوفّىٰ ٢٧٩ﻫ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ﻫ،.

١٨ـ **جامع المسانيد:** أبوالفرج عبدالرحمن بن ع لي الجوزي الحنبلي ،متوفّى ٥٩٧ ﻫ، مكتبة الرشد،الرياض ،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٦ﻫ.

١٩ـ **جامع المسانيد والسنن:** أبوالفداإسماعيل بن كثير الشافعي ،متوفّىٰ ٧٧٤ﻫ، دار الفكر، بيروت، ١٤١٥ﻫ.

٢٠ـ **الجامع لشعب الإيمان:** إمام أبو بكر أحمدبن حسين البيهقي، متوفّىٰ ٤٥٨ﻫ،مكتبة الرشد الرياض ،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٣ﻫ.

٢١ـ **الجمع بين الصحيحين:** محمدبن فتوح الحُميدي، متوفى٤٨٨ھ، دارابن حزم،بيروت،الطبعةالأولى١٤١٩ھ.

٢٢ـ **جمع الجوامع:** حافظ جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكرالسيوطي،متوفىٰ ٩١١ھ، دارالسعادة،مصر١٤٦٢ھ.

٢٣ـ **خصائص أميرالمؤمنين علي بن أبي طالب**ﷺ: إمام أبوعبدالرحمان أحمدبن شعيب النسائي،متوفىٰ٣٠٣ھ،دارالكتاب العربي،بيروت،الطبعة الثانية١٤١٧ھ. **وط:** بتحقيق البلوشي،مكتبةالمعلىٰ،الكويت،الطبعةالأولىٰ١٤٠٦ھ.

٢٤ـ **الزيادات على الموضوعات:** إمام جلال الدين السيوطي،متوفىٰ٩١١ھ،مكتبة المعارف،الرياض،الطبعة الأولىٰ١٤٣١ھ.

٢٥ـ **السلسلة الصحيحة:** محمدناصرالدين الألباني،متوفىٰ١٤٢٠ھ، مكتبةالمعارف الرياض،الطبعةالأولى١٤٢٠ھ.

٢٦ـ **السنة:** إمام أحمدبن عمرو بن أبي عاصم الشيباني،متوفىٰ٢٨٧ھ، المكتب الإسلامي، بيروت،الطبعة الثالثة ١٤١٣ھ،**وط:** دارالصميعي،الرياض،الطبعةالأولىٰ١٤١٩ھ.

٢٧ـ **سنن ابن ماجة:** إمام أبوعبد اللّٰه محمد بن يزيد متوفىٰ ٢٧٣ھ،دارالمعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ .

٢٨ـ **سنن أبي داود:** إمام أبوداود سليمان بن الأشعث السجستاني،متوفىٰ٢٧٥ھ،دار المعرفة،بيروت،الطبعةالأولىٰ ١٤٢٣ھ،**وط:** دارابن حزم،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٨ھ.

٢٩ـ **سنن الدارمي:** إمام أبوعبدالله عبدالرحمان الدارمي،متوفىٰ٢٥٥ھ، دارالكتب العلمية، بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٧ھ.

٣٠ـ **سنن سعيد بن منصور:** إمام سعيد بن منصورخراساني مكي،متوفىٰ٢٢٧ھ، دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤٠٥ھ.

٣١ـ **السنن:** إمام محمد بن إدريس الشافعي، متوفى٢٠٤ھ،دارالقبلة الثقافة الإسلامية ، جدةالطبعةالأولىٰ١٤٠٩ھ.

٣٢ـ **السنن الكبرىٰ**: إمام أبوعبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي ، متوفّیٰ٣٠٣ھ ، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤٢١ھ، **وط**: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١١ھ.

٣٣ـ **السنن الکبریٰ** : إمام أبو بکر أحمد بن حسین البیهقي، متوفّیٰ٤٥٨ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٤ھ ، **وط**: مرکز هجر للبحوث والدراسات العربیة والإسلامیة، القاهرة، الطبعة الأولیٰ١٤٣٢ھ.

٣٤ـ **السنن المجتبی (سنن النسائي)**: إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب النسائي، متوفّیٰ ٣٠٣ھ ، دار المعرفة، بیروت ،الطبعة الثالثة ١٤١٤ھ.

٣٥ـ **شرح السنة**: إمام حسین بن مسعود الفراء البغوي الشافعي، متوفّیٰ٥١٦ھ، دار الفکر، بیروت١٤١٤ھ.

٣٦ـ **شرح مشکل الآثار**: إمام أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي، متوفّیٰ٣٢١ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٥ھ.

٣٧ـ **شرح معاني الآثار**: إمام أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي متوفّیٰ٣٢١ھ، عالم الکتب، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ .

٣٨ـ **الشریعة**: أبوبکر محمد بن حسین بن عبدالله الآجري، متوفّیٰ ٣٦٠ھ، دار الکتاب العربي بیروت، الطبعة الثانیة ١٤٢٠ھ. **وط**: دار الوطن، الریاض، الطبعة الأولیٰ١٤١٨ھ.

٣٩ـ **شعب الإیمان** : إمام أبو بکر أحمد بن حسین البیهقي، متوفّیٰ٤٥٨ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٠ھ.

٤٠ـ **صحیح الجامع الصغیر وزیادته**: محمد ناصر الدین الألباني، متوفّیٰ١٤٢٠ھ، المکتب الإسلامي، بیروت، الطبعة الثالثة١٤٠٨ھ.

٤١ـ **الطیوریات**: أبو طاهر أحمد بن محمد الأصبهاني، متوفّیٰ٥٧٦ھ، مکتبة أضواء السلف، الریاض، الطبعة الأولیٰ١٤٢٥ھ.

٤٢ـ **العلل المتناهیة فی الأحادیث الواهیة**: أبو الفرج عبد الرحمان بن علي ابن الجوزي، متوفّیٰ٥٩٧ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤٠٣ھ.

٤٣ـ **غاية المقصد في زوائد المسند:** حافظ نورالدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفیٰ ٨٠٧،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢١هـ.

٤٤ـ **فتح المنان شرح وتحقيق لسنن الدارمي:** السيدأبوعاصم نبيل بن هاشم الغمري، دار البشائر الإسلامية،بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٩هـ.

٤٥ـ **فردوس الأخبار:** حافظ شيرويه بن شهردارابن شيرويه الديلمي،متوفیٰ ٥٠٩هـ،دار الريان،القاهرة،الطبعة الأولیٰ ١٤٠٨هـ.

٤٦ـ **الفردوس بمأثور الخطاب:** حافظ شيرويه بن شهرداراابن شيرويه، الديلمي، متوفیٰ ٥٠٩هـ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الثانية ٢٠١٠ء.

٤٧ـ **الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة:** محمدبن علي الشوكاني،متوفیٰ ١٢٥٠هـ،دار الكتاب العربي،بيروت،الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ.

٤٨ـ **الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف:** حافظ أحمدبن علي بن حجر العسقلاني،متوفیٰ ٨٥٢هـ ، دار إحياء التراث العربي،بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٨هـ.

٤٩ـ **كتاب الآثار:** إمام محمد بن الحسن الشيباني،متوفیٰ ١٨٩هـ،دار النوادر،دمشق،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٩هـ.

٥٠ـ **كتاب الأربعين البلدانية:** حافظ أبوأحمد بن محمد السلفي،متوفیٰ ٥٧٦هـ،مكتبة دار البيروتي،دمشق،الطبعة الأولیٰ ١٤١٢هـ.

٥١ـ **كتاب الأموال:** إمام أبوعبيد القاسم بن سلام،متوفیٰ ٢٢٤هـ،دار الهدي النبوي، مصر، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨هـ.

٥٢ـ **كتاب الأموال:** إمام حميد بن زنجويه،متوفیٰ ٢٥١هـ،مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية،الرياض،الطبعة الأولیٰ ١٤٠٦هـ.

٥٣ـ **كتاب الدعاء:** إمام أبوالقاسم سليمان بن أحمد الطبراني،متوفیٰ ٣٦٠هـ،دار الكتب العلمية، بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٣هـ.

٥٤ـ **كتاب السنة:** أبوبكر أحمد بن محمد الخلال،متوفیٰ ٣١١هـ،دار الراية،الرياض،الطبعة

الأولىٰ ۱٤۱۰ھ.

٥٥۔ **كتاب الضعفاء الكبير**: أبوجعفر محمد بن عمرو العقيلي، متوفىٰ ۳۲۲ھ، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۰ھ.

٥٦۔ **كشف الأستار عن زوائد البزار**: حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّىٰ ۸۰۷ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۰٤ھ.

٥٧۔ **كشف الخفاء ومزيل الألباس**: علامة إسمعيل بن محمد العجلوني، متوفّىٰ ۱۱٦٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۸ھ.

٥٨۔ **كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال**: علامة علي متقي بن حسام الدين برهانبوري، متوفّىٰ ۹۷٥ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۰٥ھ.

٥٩۔ **اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة**: حافظ جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفّىٰ ۹۱۱ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۷ھ.

٦۰۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**: حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّىٰ ۸۰۷ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱٤ھ. **وط**: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ۲۰۰۹ئ وط: دار المنهاج، جدة، الطبعة الأولىٰ ۱٤۳٦ھ.

٦۱۔ **مختصر زوائد مسند البزار**: حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفّىٰ ۸٥۲ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، الصنائع، الطبعة الثالثة ۱٤۱٤ھ.

٦۲۔ **مختصر سنن أبي داود**: حافظ عبد العظيم بن عبد القوي المنذري، متوفّىٰ ٦٥٦ھ، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة الأولىٰ ۱٤۳۱ھ.

٦۳۔ **المستدرك على الصحيحين**: إمام أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم نيشاپوري متوفّىٰ ٤۰٥ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۸ھ، **وط**: قديمة، دار المعرفة، بيروت، **وط**: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۲۲ھ.

٦٤۔ **مسند أبي يعلى الموصلي**: إمام أحمد بن علي المثنى التميمي، متوفّىٰ ۳۰۷ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۸ھ. **وط**: دار المأمون، دمشق، الطبعة الأولى ۱٤۳۰ھ.

٦٥ـ **المسند:** إمام أحمد بن حنبل،متوفّیٰ١٢٤١ﻫ، عالم الكتب، بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٩ﻫ. **وط**:دارالحديث القاهرة،الطبعةالأولىٰ١٤١٦ﻫ، **وط**:مؤسسةالرسالة،بيروت، الطبعة الأولىٰ١٤٢١ﻫ،**وط**:دارالمنهاج،الرياض،١٤٢٩ﻫ.

٦٦ـ **مسند الشافعي مع شرح الشافي لابن الأثير:** إمام محمد بن إدريس الشافعي،متوفّیٰ ٢٠٤ﻫ،مكتبة الرشد،الرياض،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٦ﻫ.

٦٧ـ **مسند الشاميين:** إمام أبوالقاسم سليمان بن أحمدالطبراني،متوفّیٰ٣٦٠ﻫ،مؤسسة الرسالة،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٦ﻫ.

٦٨ـ **مسند الشهاب:** إمام محمد بن سلامة بن جعفرالشافعي القضاعي، متوفّیٰ ٤٥٤ﻫ، مؤسسة الرسالة،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٠٥ﻫ.

٦٩ـ **مسند فاطمة الزهراء عليهاالسلام:** إمام جلال الدين سيوطي،متوفّیٰ٩١١ﻫ، مؤسسة الكتب الثقافية،الصنائع،الطبعة الأولىٰ١٤١٣ﻫ.

٧٠ـ **المسند:** إمام سليمان بن داود بن جارود الطيالسي،متوفّیٰ٢٠٣ﻫ، دارالمعرفة،بيروت. **وط**:دارالكتب العلمية،الطبعةالأولىٰ١٤٢٥ﻫ،**وط**:

٧١ـ **مشكاة المصابيح:** إمام عبدالله محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي،متوفّیٰ٧٤١ﻫ، دار الأرقم،بيروت.**وط**: المكتب الإسلامي،بيروت،الطبعةالثانية١٣٩٩ﻫ.

٧٢ـ **مصابيح السنة:** محي الدين حسين بن مسعودالفراء البغوي،متوفّیٰ٥١٦ﻫ،دارالمعرفة، بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٠٧ﻫ.

٧٣ـ **المصنّف:** إمام عبد الرزاق بن همام الصنعاني،متوفّیٰ٢١١ﻫ،دارالكتب العلمية،بيروت، الطبعةالأولىٰ١٤٢١ﻫ.**وط**:المجلس العلمي،جنوب إفريقة،الطبعةالأولىٰ١٣٩٠ﻫ.

٧٤ـ **المصنّف :** إمام أبوبكرعبدالله بن محمدبن أبي شيبة،متوفّیٰ٢٣٥ﻫ،دارالكتب العلمية، بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٦ﻫ.**وط**:مكتبةالرشد،الرياض،الطبعةالأولىٰ١٤٢٥ﻫ.

٧٥ـ **المصنوع في معرفة الحديث الموضوع :** علي بن سلطان محمد المعروف بمُلا علي القاري،متوفّیٰ١٠١٤ﻫ ،دارالبشائرالإسلامية،بيروت،الطبعةالخامسة١٤١٤ﻫ.

٧٦ـ **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية** : أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفىٰ٨٥٢هـ،دار العاصمة،الرياض،الطبعة الأولىٰ١٤١٩هـ.

٧٧ـ **المعجم الأوسط**: إمام أبوالقاسم سليمان بن أحمدالطبراني متوفىٰ٣٦٠هـ، مكتبة المعارف،الرياض،١٤٠٥هـ.

٧٨ـ **المعجم الصغير(الروض الداني)** :إمام ابوالقاسم سليمان بن أحمد الطبراني،متوفىٰ ٣٦٠ هـ،المكتب الإسلامي،بيروت،الطبعة الأولى١٤٠٥هـ، **وط**:دارالكتب العلمية، بيروت،١٤٠٣هـ.

٧٩ـ **المعجم الكبير**: أبوالقاسم سليمان بن أحمدالطبراني،متوفىٰ٣٦٠هـ ، دارإحياء التراث العربى،بيروت،**وط**:مكتبة ابن تيمية،القاهرة.

٨٠ـ **المقاصد الحسنة في بيان كثيرمن الأحاديث المشتهرة على الألسنة**: شمس الدين محمد عبد الرحمان السخاوي الشافعي،متوفىٰ٩٠٢هـ،دارالكتاب العربي،بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٥هـ.

٨١ـ **المنارالمنيف فى الصحيح والضعيف**: أبوعبد الله محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية الحنبلي،متوفىٰ٧٥١هـ،دارعالم الفوائد،مكةالمكرمة،الطبعةالأولىٰ١٤٢٨هـ، **وط**: المكتب الإسلامى ،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٣٩٠هـ.

٨٢ـ **الموضوعات**: أبوالفرج عبد الرحمان ابن الجوزي،متوفىٰ٥٩٧هـ،المكتبةالسلفية، المدينةالمنورة،الطبعةالأولىٰ١٣٨٦هـ،**وط**:مكتبة أضواء السلف، الرياض، الطبعة الأولىٰ١٤١٨هـ.

٨٣ـ **الموطأ**:إمام مالك بن أنس،متوفى ١٧١هـ،مجموعة الفرقان التجارية،دبي،١٤٢٤هـ.

٨٤ـ **المهذب في اختصار السنن الكبير**:؟ إمام أبوعبد الله محمد بن أحمد الذهبي،متوفىٰ ٧٤٨هـ،دارالوطن،الطبعةالأولىٰ١٤٢٢هـ.

٨٥ـ **نوادر الأصول في أحاديث الرسول**:أبو عبدالله محمد الحكيم الترمذي، متوفىٰ ٣٢٠هـ،دارالنوادر،دمشق،الطبعة الأولىٰ١٤٣١هـ.

تفسیر

٨٦۔ **أحكام القرآن الكريم:** إمام أبوجعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، متوفیٰ ٣٢١ھ، مركز البحوث الإسلامية، استانبول، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٨٧۔ **أحكام القرآن:** حجة الإسلام إمام أبوبكر أحمد بن علي الرازي الجصاص، متوفیٰ ٣٧٠ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ١٤١٢ھ.

٨٨۔ **تبيان القرآن:** علامة غلام رسول سعيدی، متوفیٰ ٢٠١٦ء، فريدبك سٹال، لاهور.

٨٩۔ **تفسير القرآن العزيز:** إمام عبد الرحمن بن محمد إدريس بن أبي حاتم الرازي، متوفیٰ ٣٢٧ھ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الثانية ١٤١٩ھ.

٩٠۔ **تفسير القرآن العظيم:** عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الشافعي، متوفیٰ ٧٧٤ھ، دار طيبة، الرياض، الطبعة الثانية ١٤٢٠ھ، **وط:** : مؤسسة قرطبة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢١ھ.

٩١۔ **تفسير المنار:** شيخ محمد رشيد رضا، متوفیٰ ١٣٥٤ھ، المكتبة التوفيقية، القاهرة.

٩٢۔ **التفسير المنير:** دكتور وهبة الزحيلي، متوفیٰ ٢٠١٥ء، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولیٰ ١٤١٢ھ.

٩٣۔ **تفسير النسائي:** إمام أبوعبدالرحمان أحمد بن شعيب النسائي (صاحب السنن) متوفیٰ ٣٠٣ھ، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٠ھ.

٩٤۔ **جامع البيان عن تأويل آي القرآن:** إمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، متوفیٰ ٣١٠ھ، دار هجر، جيزة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢ھ.

٩٥۔ **الجامع لأحكام القرآن:** أبوعبد الله محمدبن أحمد المالكي القرطبي، متوفیٰ ٦٦٨ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٧ھ.

٩٦۔ **جلالين:** إمام جلال الدين محمد بن أحمد بن محمد المحلي، متوفیٰ ٨٦٤ھ، وجلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفیٰ ٩١١ھ، دار ابن كثير، دمشق.

٩٧۔ **الجواهر الحسان في تفسير القرآن:** عبد الرحمان بن محمد بن مخلوف الثعالبي المالكي، متوفیٰ ٨٧٥ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ.

٩٨۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**: إمام جلال الدین السیوطي، متوفّیٰ ٩١١ھ، مرکز هجر للبحوث والدراسات العربیة والإسلامیة، القاهرة، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤ھ.

٩٩۔ **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني**: أبو الفضل سید محمود آلوسي حنفي بغدادي، متوفّیٰ ١٢٧٠ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٣١ھ.

١٠٠۔ **ضیاء القرآن**: جسٹس علامہ پیر محمد کرم شاہ الأزهري، متوفّیٰ ١٤١٨ھ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاهور.

١٠١۔ **فتح البيان في مقاصد القرآن**: سید محمد صدیق حسن خان بهوپالي، متوفّیٰ ١٣٠٧ھ، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة ١٤١٢ھ.

١٠٢۔ **فتح القدير**: قاضي محمد بن علي الشوكاني، متوفّیٰ ١٢٥٠، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ.

١٠٣۔ **الكشف والبيان (تفسير الثعلبي)** أبو إسحاق أحمد الثعلبي، متوفّیٰ ٤٢٧ھ، دار التفسير جدة، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٦ھ.

١٠٤۔ **لباب التأويل فی معانی التنزيل**: علي بن محمد البغدادي الشهير با لخازن، متوفّیٰ ٧٥٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥ھ.

١٠٥۔ **معارف القرآن**: مفتي محمد إدريس كاندهلوي، متوفّیٰ ١٣٩٤ھ، مكتبة المعارف، شهداد پور سنده، طبع دوم ١٤٢٢ھ.

١٠٦۔ **معارف القرآن**: مفتي محمد شفيع عثماني ديوبندي، متوفّیٰ ١٣٩٩ھ، مكتبة معارف القرآن، كراچی ١٤٢٤ھ.

١٠٧۔ **معالم التنزيل فی التفسير والتأويل**: إمام أبو محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي، متوفّیٰ ٥١٦ھ، دا رطيبة، الرياض ١٤٠٩ھ.

١٠٨۔ **الوسيط فی تفسير القرآن المجيد**: أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي النيشابوري، متوفّیٰ ٤٦٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥ھ.

علوم قرآن

١٠٩ـ **الإتقان في علوم القرآن**:الإمام الحافظ جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكرالسيوطي، متوفّىٰ١١ ٩ھ،وزارةالشؤون الإسلامية ،مجمع الملك فهد،المملكةالعربيةالسعودية.

شروح حديث

١١٠ـ **إرواء الغليل في تخريج أحاديث منارالسبيل**:محمد ناصرالدين الألباني، متوفّىٰ، المكتب الإسلامي،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٣٩٩ھ.

١١١ـ **أشعة اللمعات في شرح المشكاة**: الشيخ عبدالحق محدث دهلوي، متوفّىٰ ١٠٥٢ھ، مكتبةنوريةرضوية،سكهر.

١١٢ـ **إكمالُ إكمالِ المُعْلِم** :أبوعبد الله محمدبن خليفةالوشتاني المالكي،متوفّىٰ ٨٢٨ھ، دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٩ھ.

١١٣ـ **إكمال المعلم بفوائد مسلم** : قاضي عياض بن موسىٰ مالكي الأندلسي،متوفّىٰ٥٤٤ھ، دارالوفاء،المنصورة،الطبعةالأولىٰ١٤١٩ھ.

١١٤ـ **أوجزالمسالك إلىٰ موطأمالك**: محمد زكرياكاندهلوي،١٤٠٢ھ، دارالقلم، دمشق،الطبعةالأولىٰ١٤٢٤ھ.

١١٥ـ **بذل المجهود في حل أبي داود**: علامة خليل أحمد سهارنپوري، متوفّىٰ ١٣٤٦ھ، دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعة الثانية١٤٣٦ھ.

١١٦ـ **تحفة الأبرارشرح مصابيح السنة**: ناصرالدين عبدالله بن عمر البيضاوي، متوفّىٰ ٦٨٥ھ،إدارةالثقافيةالإسلامية،الطبعةالأولىٰ١٤٣٣ھ.

١١٧ـ **تحفة الأحوذي بشرح الجامع الترمذي** :عبد الرحمن مبار كپوري، متوفّىٰ ١٣٢٥ھ، دارإحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٩ھ،**وط**:دارالفكر،بيروت.

١١٨ـ **تشريحاتِ بخاري**: مولانارشيد أحمد گنگوهي، ومولانا محمد زكريا كاندهلوي، ترتيب :مولانامحمد عبد القادرقاسمي،كتب خانه مجيديه ملتان.

١١٩ـ **تعليق: على الكوكب الدري في شرح الجامع الترمذي** : شيخ محمد زكريا كاندهلوي ،

متوفیٰ۲ ۰ ۱٤ ھ،مطبعة ندوة العلماء،لکھنؤ،هند،١٣٩٥ھ.

١٢٠ـ **التعيين في شرح الأربعين** : نجم الدين سليمان بن عبد القوي الطوفي الحنبلي ، متوفیٰ ٧١٦ھ،مؤسسة الريان،بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤١٩ھ.

١٢١ـ **التمهيدلمافى الموطأمن المعاني والمسانيد:** حافظ أبوعمريوسف بن عبدالبر النمري الأندلسي،متوفیٰ٤٦٣ھ،مطبوع:١٩٦٧ء.

١٢٢ـ **تنوير الحوالک شرح علی موطأ مالک:** إمام جلال الدين سيوطي،متوفیٰ٩١١ھ، دار إحياء الكتب العربية،مصر.

١٢٣ـ **التنويرشرح الجامع الصغير:** محمد بن إسماعيل الأميرالصنعاني، متوفیٰ١١٨٢ھ، مكتبةدارالسلام،الرياض،الطبعةالأولیٰ١٤٣٢ھ.

١٢٤ـ **التوشيخ شرح الجامع الصحيح:** جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكرالسيوطي، متوفیٰ٩١١ھ، ،مكتبة الرشد، الرياض،الطبعة الأولیٰ١٤١٩ھ.

١٢٥ـ **تيسير الباری شرح صحيح البخاري:** علامةوحيد الزمان،متوفیٰ١٣٢٨ھ،تاج كمپني،پاكستان.

١٢٦ـ **جائزة الأحوذي في التعليقات على سنن الترمذي:** أبوالنصرثناء الله مدنی بن عيسیٰ خان،إدارة البحوث الإسلامية،بنارس،هند،الطبعةالأولیٰ١٤٢٦ھ.

١٢٧ـ **جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثاًمن جوامع الكلم:** حافظ عبد الرحمان بن رجب الحنبلي،متوفیٰ٧٩٥ھ،مؤسسةالرسالة،بيروت،الطبعةالرابعة١٤١٣ھ.

١٢٨ـ **حاشية السندهي علیٰ صحيح مسلم:** أبوالحسن محمدبن عبد الهادي السندي، التتوي،متوفیٰ١١٣٨ھ،الإمارات العربية المتحدة،الطبعة الأولیٰ١٤٣٢ھ.

١٢٩ـ **حاشية السندهي على النسائي:** أبو الحسن محمد بن عبد الهادي السندي، التتوي، متوفیٰ١١٣٨ھ،دارالمعرفة،بيروت،الطبعةالثالثة١٤١٤ھ.

١٣٠ـ **حاشية السندهي علیٰ مسند أحمد:** أبوالحسن محمدبن عبد الهادي السندي، متوفیٰ ١١٣٨ھ، وزارةالأوقاف والشؤون الإسلامية،قطر،الطبعةالأولیٰ١٤٢٨ھ.

١٣١ـ **حاشية على الترمذي**: أحمد علي سهارنفوري، متوفى ١٢٩٧هـ، الطاف اينڈسنز كراچى.

١٣٢ـ **زهر الربى على المجتبى (شرح سنن النسائي)**: جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي، متوفى ٩١١، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ.

١٣٣ـ **السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج**: أبوالطيب صديق بن حسن خان القنوجى، متوفى ١٣٠٧هـ، وزارة الأوقاف وشؤون الإسلامية، قطر ١٤١٧هـ.

١٣٤ـ **شرح صحيح مسلم**: علامة غلام رسول سعيدي، متوفى ٢٠١٦ء، فريدبك سٹال، لاهور.

١٣٥ـ **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**: حافظ بدرالدين محمود بن أحمد العيني الحنفي، متوفى ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ، **وط**: السّحار للطباعة والنشر، القاهرة، الطبعة الأولى.

١٣٦ـ **عون المعبود شرح سنن أبي داود**: شمس الحق عظيم آبادي، متوفى ١٣٢٩هـ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ، **وط**: المكتبة السلفية، المدينة المنورة، الطبعة الثانية ١٣٨٩هـ.

١٣٧ـ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفى ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ. **وط**: دار طيبة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ.

١٣٨ـ **فتح الملهم بشرح إمام المسلم**: علامة شبير أحمد عثماني، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ

١٣٩ـ **فتح المنعم شرح صحيح مسلم**: دكتور موسى شاهين لاشين، دار الشروق، مصر، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ.

١٤٠ـ **الفجر الساطع على الصحيح الجامع**: محمد الفضيل بن الفاطمي المالكي، متوفى ١٣١٨هـ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الاولى ١٤٣٠هـ.

١٤١ـ **فيض الباري شرح صحيح البخاري**: محمد أنور شاه الكشميري، متوفى ١٣٥٢هـ، دار

الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٦هـ.

١٤٢۔ **فيض القدير شرح الجامع الصغير**: محمد عبد الرؤف المناوي ، متوفیٰ ١٠٠٣هـ، دار المعرفة،بيروت،الطبعة الثانية ١٣٩١هـ.

١٤٣۔ **قوت المغتذي على جامع الترمذي**: جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، متوفیٰ ٩١١،دار النوادر،سورية،الطبعة الأولیٰ ١٤٣٣هـ.

١٤٤۔ **كشف المشكل من حديث الصحيحين**: أبوالفرج عبد الرحمان ابن الجوزي، متوفیٰ ٥٩٧هـ،دار الوطن،الرياض.

١٤٥۔ **الكاشف عن حقائق السنن(شرح الطيبي على المشكوة)**: شرف الدين حسين بن محمد الطيبي،متوفیٰ ٧٤٣هـ،مكتبة نزار مصطفىٰ الباز،مكة المكرمة،الطبعة الأولیٰ ١٤١٧هـ.

١٤٦۔ **الكوثر الجاري الى رياض احاديث البخاري**: أحمدبن إسماعيل الكوراني،الشافعي ثم الحنفي،متوفیٰ ٨٩٣هـ،دار إحياء التراث العربى،بيروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٩هـ

١٤٧۔ **الكوكب الدري على جامع الترمذي**: الشيخ محمديحيىٰ الكاندهلوي،مطبعة ندوة العلماء،لكهنؤ،هند،١٣٩٥هـ.

١٤٨۔ **الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج**: محمدأمين بن عبد الله الأُرمي الهرري،دار المهماج،الطبعة الأولیٰ ١٤٣٠هـ.

١٤٩۔ **لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح**: الشيخ عبدالحق محدث دهلوي، متوفیٰ ١٠٥٢هـ،دار النوادر،دمشق،الطبعة الأولیٰ ١٤٣٥هـ.

١٥٠۔ **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح**: ملاعلي القاري،متوفیٰ ١٠١٤هـ، المكتبة التجارية،مكة المكرمة،**و ط**:دار الكتب العلمية،بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢هـ.

١٥١۔ **معالم السنن شرح سنن أبي داود**: أبوسليمان حمد بن محمد الخطابي،متوفیٰ ٣٨٨هـ، المطبعة العلمية بحلب، الطبعة الأولیٰ ١٣٥١هـ.

١٥٢۔ **المفاتيح شرح المصابيح**: مظهرالدين الحسين بن محمود الزيداني الكوفي الحنفي، متوفیٰ ٧٢٧هـ،إدارة الثقافة الإسلامية،الطبعة الأولیٰ ١٤٣٣هـ.

١٥٣ـ **المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم:** إمام أبوا لعباس أحمد بن عمر القرطبي المالكي، متوفیٰ ٦٥٦ھ، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

١٥٤ـ **مكمل إكمال الأكمال:** علامة محمد بن محمد السنوسي المالكي، متوفیٰ ٨٩٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥ھ.

١٥٥ **منة المنعم في شرح صحيح مسلم:** صفي الدين المباركبوري، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

١٥٦ـ **المنتقیٰ شرح موطأ:** قاضي أبو الوليد سليمان بن خلف الباجي، متوفیٰ ٤٩٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

سیرت و فضائل

١٥٧ـ **إشراق مصابيح السيرة المحمدية بمزج أسرار المواهب اللدنية (شرح الزرقاني على المواهب):** محمد عبد الباقي الزرقاني، متوفیٰ ١١٢٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ.

١٥٨ـ **دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة:** إمام أبوبكر أحمد بن حسين البيهقي، متوفیٰ ٤٥٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٥ھ.

١٥٩ـ **دلائل النبوة:** أبو نُعَيم أحمد بن عبد الله الأصفهاني، متوفیٰ ٤٣٠ھ، دار النفائس، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٦ھ.

١٦٠ـ **زاد المعاد في هدي خير العباد:** شمس الدين محمد بن أبي بكر ابن القيم الجوزية، متوفیٰ ٧٥١ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٩ھ.

١٦١ـ **سبل الهدیٰ والرشاد في سيرة خير العباد:** إمام محمد بن يوسف الصالحي الشامي، متوفیٰ ٩٤٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤ھ.

١٦٢ـ **سیرة النبي:** علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور.

١٦٣ـ **شرح الشفا:** علی بن سلطان القاري، متوفیٰ ١٠١٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة

الأولیٰ١٤٢١ھ.

١٦٤۔ **شرف المصطفی ﷺ** : إمـام الحافظ أبو سعد عبد الملك بن أبي عثمان محمد بن إبراهيم الخركوشي النيسابوري،متوفی٤٠٦ھ،دار البشائر الإسلامية،بيروت،الطبعةالأولى ١٤٢٤ھ.

١٦٥۔ **الطبقات الكبرىٰ** :محمد بن سعدبن منيع الظهري،متوفیٰ٢٣٠ھ،دارإحياء التراث العربي،بيروت،الطبعةالأولیٰ١٤١٧ھ. **وط**:مكتبةالخانجي القاهرة،الطبعةالأولیٰ١٤٢١ھ ،**وط**:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعةالثانية١٤٣٣ھ.

١٦٦۔ **كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب (الخصائص الكبرىٰ)**جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكرالسيوطي،متوفیٰ٩١١ھ،دارالكتب الحديثية،القاهرة.

١٦٧۔ **مدارج النبوة فارسي**: شيخ عبد الحق محدث دهلوي،متوفیٰ ١٠٥٢ھ،نوريةرضوية پبلشنگ كمپني،لاهور،طبع دوم١٩٩٧ء.

١٦٨۔ **المواهب اللدنية بالمنح المحمدية**: إمام أحمدبن محمدالقسطلاني،متوفیٰ ٩٢٣ھ، المكتب الإسلامي، بيروت،الطبعةالأولیٰ١٤١٢ھ.

أُصُولِ حَدِيْث

١٦٩۔ **الإسناد من الدين**: شيخ عبدالفتاح أبوغدة،متوفیٰ١٤١٧ھ،مكتب المطبوعات الإسلامية،بحلب،الطبعة الأولیٰ١٤١٢ھ.

١٧٠۔ **أدب الإملاء والاستملاء**:الإمام أبي سعدعبدالكريم بن محمدبن منصورالتميمي السمعاني،متوفیٰ٥٦٢ھ،دارومكتبةالهلال،الطبعةالأولیٰ١٤٠٩ھ.

١٧١۔ **بلغة الأريب في مصطلح آثار الحبيب**: إمام الحافظ سيدمرتضیٰ الحسيني الزبيدي، متوفیٰ١٢٠٥ھ،دارالبشائر الإسلامية،بيروت،الطبعةالثانية١٤٠٨ھ.

١٧٢۔ **التبصرة والتذكرة**: الحافظ الشيخ زكريابن محمد الأنصاري السنكي،متوفیٰ ٩٢٥ھ، دارالكتب العلمية بيروت.

١٧٣۔ **تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي**: إمام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكرالسيوطي متوفیٰ٩١١ھ،مكتبةالكوثر،الرياض،الطبعةالثانية١٤١٥ھ.

١٧٤ـ **التقريب والتيسير لأحاديث البشير النذير**: أبوزكريامحي الدين يحي بن شرف النووي، متوفى ٦٧٦ھ،مكتبة المعارف،الرياض،الطبعة الأولى ١٤٣١ھ.

١٧٥ـ **تقييد العلم**: أبوبكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي،متوفى، دار الاستقامة،القاهرة، الطبعة الأولى ١٤٢٩ھ.

١٧٦ـ **التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من مقدمة ابن الصلاح**: إمام زين الدين عبدالرحيم بن الحسين العراقي،متوفى ٨٠٦ھ،مؤسسة الكتب الثقافية،الطبعة الرابعة ١٤١٦ھ.

١٧٧ـ **الرسالة**: إمام محمد بن إدريس الشافعي،متوفى ٢٠٤ھ،مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر،الطبعة الأولى ١٣٥٨ھ.

١٧٨ـ **الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل**: محمد عبد الحي اللكنوي الهندي، متوفى ١٣٠٦ھ،مكتب المطبوعات الإسلامية، بحلب،الطبعة الثالثة ١٤٠٨ھ .

١٧٩ـ **الشذ الفياح من علوم ابن الصلاح**:الشيخ برهان الدين الأبناسي،متوفى ٨٠٢ھ،مكتبة الرشد،الرياض،الطبعة الأولى ١٤١٨ھ.

١٨٠ـ **ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجاني**: أبوالحسنات محمدعبد الحي، اللكنوي،متوفى ١٣٠٤ھ،مكتب المطبوعات الإسلامية،حلب،الطبعة الثالثة ١٤١٦ھ.

١٨١ـ **علوم الحديث**: أبوعمروعثمان بن عبد الرحمان الشهرزوري،متوفى ٦٤٣ھ،بتحقيق نور الدين عتر،دار الفكر،دمشق، ١٤٠٦ھ.

١٨٢ـ **فتح المغيث شرح الفية الحديث**: شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي، متوفى ٩٠٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت،الطبعة الأولى ١٤١٤ھ ،مكتبة دار المنهاج، الرياض،الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ.

١٨٣ـ **الفصل للوصل المدرج فى النقل**: حافظ أحمد بن أبي بكر الخطيب البغدادي، متوفى ٤٦٣ھ،دار الهجرة،الرياض،الطبعة الأولى ١٤١٨ھ.

١٨٤ـ **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث**: أبوالوفاء إبراهيم بن محمدالمعروف ببرهان الدين الحلبي،متوفى ٨٤١ھ،عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٧ھ.

١٨٥ـ **الكفاية في علم الرواية:** أبوبكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، متوفیٰ ٤٦٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٧هـ.

١٨٦ـ **المدخل في أصول الحديث:** إمام أبوعبدالله الحاكم النيسابوري، متوفیٰ ٤٠٥هـ، دار ابن حزم، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨هـ.

١٨٧ـ **معرفة أنواع علم الحديث:** بتحقيق الفحل، أبوعمرو عثمان بن عبدالرحمان المشهور بابن الصلاح، متوفیٰ ٦٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣هـ.

١٨٨ـ **مقدمة ابن الصلاح مع التقيد والإيضاح:** إمام أبوعمرو عثمان بن عبدالرحمان المشهور بابن الصلاح، متوفیٰ ٦٤٣هـ، مؤسسة الكتب الثقافية، الطبعة الرابعة ١٤١٦هـ.

١٨٩ـ **موسوعة علوم الحديث وفنونه:** سيد عبد الماجد الغوري، دار ابن كثير، دمشق بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨هـ.

١٩٠ـ **الموقظة في علم مصطلح الحديث:** شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي، متوفیٰ ٧٤٨هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٢هـ.

١٩١ـ **نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر:** حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفیٰ ٨٥٢هـ، دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٤هـ.

١٩٢ـ **النكت:** حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفیٰ ٨٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٤هـ، **وط:** المجلس العلمي، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الطبعة الأولیٰ ١٤٠٤هـ.

١٩٣ـ **الوضع في الحديث:** دكتور عمر بن حسن عثمان فلاته، مكتبة الغزالي، دمشق، ١٤٠١هـ.

اسماء الرِّجال

١٩٤ـ **الاستيعاب في معرفة الأصحاب:** إمام أبوعمرو يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر القرطبي، متوفیٰ ٤٦٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥هـ، **وط:** دار الفكر، بيروت، ١٤٢٦هـ.

١٩٥ـ **الإصابة في تمييز الصحابة:** حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني،

متوفى٢ ٨٥ هـ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤١٥ هـ .وط:مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية،القاهرة،الطبعة الأولىٰ١٤٢٨ هـ.

١٩٦ـ **الإنابة إلىٰ معرفة المختلف فيهم من الصحابة**: أبوعبدالله علاؤالدين بن قليج الحنفي، متوفىٰ٧٦٢ هـ،مكتبة الرشد،الرياض،الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ هـ.

١٩٧ـ **أسد الغابة في معرفة الصحابة** : إمام أبو الحسن علي بن محمدالمعروف بابن الأثير الجزري،متوفىٰ ٦٣٠ هـ،دار إحياء التراث العربي، بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٧ هـ.

١٩٨ـ **إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال**: حافظ علاؤ الدين مغلطائي بن قليج الحنفي، متوفىٰ٧٦٢ هـ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ٢٠١١ء.

١٩٩ـ **تاريخ الثقات**: حافظ أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي،متوفىٰ٢٦١ هـ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٠٥ هـ.

٢٠٠ـ **التاريخ الصغير**: إمام محمدبن إسماعيل البخاري،متوفىٰ ٢٥٦ هـ،دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولىٰ١٤٠٦ هـ.

٢٠١ـ **التاريخ الكبير**: إمام محمد بن إسماعيل البخاري،متوفىٰ ٢٥٦ هـ،بدون مطبعة وتاريخ.

٢٠٢ـ **تحرير تقريب التهذيب**: دكتور بشار عواد معروف،الشيخ شعيب الأرنؤوط،مؤسسة الرسالة،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤١٧ هـ.

٢٠٣ـ **تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال**: شمس الدين محمدبن أحمد الذهبي، متوفىٰ ٧٤٨ هـ،الفاروق الحديثية،القاهرة،الطبعة الأولىٰ١٤٢٥ هـ.

٢٠٣ـ **تقريب التهذيب**: حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني،متوفىٰ ٨٥٢ هـ،دار الفكر،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ هـ .

٢٠٤ـ **تقريب الثقات لابن حبان**: دكتور خليل بن مامون شيحا،دار المعرفة،بيروت، الطبعة الأولىٰ١٤٢٨ هـ.

٢٠٥ـ **تهذيب التهذيب**: حافظ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفىٰ ٨٥٢ هـ، دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٥ هـ.

٢٠٦ـ **تهذيب الكمال في أسماء الرجال:** حافظ جمال الدين يوسف المزي متوفیٰ٧٤٢ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية١٤٠٣ھ.

٢٠٧ـ **الكامل في ضعفاء الرجال:** إمام الحافظ أبي أحمد عبد اللّٰه بن عدي الجرجاني، المتوفیٰ ٣٦٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٨ھ.

٢٠٨ـ **كتاب الثقات:** حافظ محمد بن حبان البستي، متوفیٰ٣٥٤ھ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد دكن، الطبعة الأولیٰ ١٣٩٣ھ.

٢٠٩ـ **كتاب العلل** : حافظ أبومحمد عبد الرحمان بن أبي حاتم الحنظلي الرازي، متوفی ٣٢٧ھ، مكتبة ملك الفهد، الرياض، الطبعة الأولیٰ١٤٢٧ھ.

٢١٠ـ **كتاب العلل ومعرفة الرجال:** إمام أحمد بن حنبل، متوفیٰ٢٤١ھ، دار الخاني، الرياض، الطبعة الثانية١٤٢٢ھ.

٢١١ـ **كتاب المجروحين:** إمام محمد بن حبان البستي، متوفیٰ٣٥٤ھ، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.

٢١٢ـ **لسان الميزان:** أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفیٰ ٨٥٢ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولیٰ١٤٢٣ھ.

٢١٣ـ **معرفة الثقات:** حافظ أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي، متوفیٰ٢٦١ھ، دراسة وتحقيق عبد العليم عبد العظيم البستوي.

٢١٤ـ **معرفة الصحابة:** أحمد بن عبد الله بن أحمد أبونعيم الأصبهاني، متوفیٰ٤٣٠ھ، دار الوطن، الرياض، الطبعة الأولیٰ١٤١٩ھ.

٢١٥ـ **المغني في الضعفاء:** شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي، متوفیٰ ٧٤٨ھ، إدارة إحياء التراث الإسلامي، قطر.

٢١٦ـ **ميزان الاعتدال في نقد الرجال:** شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي، متوفیٰ ٧٤٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥ھ.

٢١٧ـ **يحيى بن معين وكتابه التاريخ:** دكتور أحمد محمد نور سيف، مركز البحث العلمي

وإحياء التراث الإسلامي، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٣٩٩ھ.

كتب عقائد وكلام

٢١٨ـ **إغاثة اللهفان في مصائد الشيطان:** محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية، متوفّىٰ ٧٥١ھ، دار عالم الفوائد، الرياض.

٢١٩ـ **تحفة اثناعشرية:** شاه عبد العزيز محدث دهلوي، ١٢٢٩ھ، مير محمد كتب خانه، آرام باغ كراچي.

٢٢٠ـ **تطهير الجنان واللسان عن ثلب معاوية بن أبي سفيان:** علامة أحمد بن حجر الهيثمي المكي الشافعي، متوفّىٰ ٩٧٥ھ، دار الصحابة للتراث بطنطا، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ھ.

٢٢١ـ **تكميل الإيمان فارسي:** شيخ عبد الحق محدث دهلوي، متوفّىٰ ١٠٥٢ھ، الرحيم اكيڈمي، لياقت آباد كراچي، ١٤٢١ھ، ومترجم اردو، الموسوم: نعيم العرفان ترجمة تكميل الإيمان، مكتبه اعلىٰ حضرت، لاهور، ٢٠٠٣ء.

٢٢٢ـ **حادثة كربلاء كاپس منظر:** علامة محمد عبد الرشيد النعماني، مكتبة الحسن، لاهور.

٢٢٣ـ **حضرت علي اور قصاص عثمان غني:** علامة عبد الرشيد نعماني، مكتبة اهل سنت وجماعت، لياقت آباد، كراچي.

٢٢٤ـ **الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم:** محمد بن إبراهيم الوزير اليماني، متوفّىٰ ٨٤٠ھ، دار عالم الفوائد، الرياض.

٢٢٥ـ **سيدنا علي وحسين رضي الله عنهما:** قاضي أطهر مبارك پوري، مكتبة سيد أحمد شهيد، لاهور، اشاعت أول ١٤٢٤ھ.

٢٢٦ـ **السيف المسلول علىٰ من سب الرسول ﷺ:** الشيخ تقي الدين علي بن عبد الكافي السبكي، متوفّىٰ ٧٥٦ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ، **وط:** دار الفتح عمان، الأردن، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١ھ.

٢٢٧ـ **شرح العقائد النسفية:** إمام مسعود بن عمر سعد الدين تفتازاني، متوفّى ٧٩٠ھ، مكتبة رشيدية، كوئٹه، **وط:** مكتبة الحسن، لاهور، **وط:** مكتبة المدينة، كراچي.

۲۲۸ـ **الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ**: علامة أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية، متوفٰی ۷۲۸ھ، المکتب الإسلامي، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۴ھ.

۲۳۰ـ **الصواعق المحرقة فی الرد علی أهل البدع والزندقة**: علامة أحمد بن حجر الهيثمي المکي الشافعي، متوفّٰی ۹۷۵ھ، مکتبة فیاض منصورة، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۹ھ، **وط**: دار الوطن، الریاض، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۷ھ، **وط**: مکتبة القاهرة، الطبعة الثانیة ۱۳۸۵ھ.

۲۳۱ـ **العلم الشامخ في تفضیل الحق علی الآباء والمشایخ**: صالح بن مهدي المقبلي، متوفّٰی ۱۱۰۸ھ، طبع بمصر، الطبعة الأولیٰ ۱۳۲۸ھ.

۲۳۲ـ **العواصم من القواصم**: أبوبکر بن العربي المالکي، متوفّٰی ۵۴۳ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثالثة ۱۴۲۵ھ.

۲۳۳ـ **العواصم والقواصم فی الذب عن سنة أبی القاسم**: محمد بن إبراهیم الوزیر الیماني، متوفّٰی ۸۴۰ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الثانیة ۱۴۱۵ھ.

۲۳۴ـ **فیضانِ امیر معاویة** ﷺ: مجلس المدینة العلمیة، مکتبة المدینة، کراچي، بار اول ۲۰۱۶ء.

۲۳۵ـ **مختصر تطهیر الجنان**: اختصره: سلیمان بن صالح الخراشي، دار علوم السنة، الریاض، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۲ھ.

۲۳۶ـ **مختصر الحجة علیٰ تارک المحجة**: أبوالفتح نصر بن إبراهیم المقدسي، متوفّٰی ۴۹۰ھ، أضواء السلف، الریاض.

۲۳۷ـ **مقصد حسین** ﷺ: مولانا محمد إسحاق مدني، متوفّٰی ۲۰۱۳ء، سلطان العلماء اکیڈمي، فیصل آباد.

کُتُبِ فقه حنفي

۲۳۸ـ **بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع**: أبوبکر بن مسعود الکاساني، متوفّٰی ۵۸۷ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۸ھ.

۲۳۹ـ **بهار شریعت**: [تخریج شده ایڈیشن] مولانا محمد أمجد علي أعظمی، متوفّٰی ۱۳۷۶ھ، مکتبة المدینة، کراچي.

٢٤٠ـ **شرح أدب القاضي**: حسام الدين عمربن عبد العزيزبن مازةالبخاري،المعروف بالصدر الشهيد،متوفىٰ٥٣٦هـ،مطبعة الإرشاد،بغداد،الطبعة الأولىٰ١٣٩٧هـ.

٢٤١ـ **فتاوى عزيزي**: شاه عبد العزيزمحدث دهلوي،١٢٢٩هـ،ايچ ايم سعيد كمپني، كراچى، سنة الطبع ١٣٨٧هـ.

٢٤٢ـ **فتح القدير في شرح الهداية**: إمام كمال الدين محمدبن عبدالواحدالمعروف بابن الهمام ،متوفىٰ٦٨١هـ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٥هـ.

٢٤٣ـ **المبسوط**: شمس الأئمةأبوبكرمحمدبن أحمدبن أبي سهل السرخسي،متوفىٰ٤٩٠هـ، دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٢١هـ،**و ط**:دارالمعرفة،بيروت.

٢٤٤ـ **المحيط البرهاني في الفقه النعماني**: برهان الدين أبوالمعالي محمود بن أحمد بن عبد العزيزابن مازةالبخاري،متوفىٰ٦١٦هـ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٢٤هـ.

٢٤٥ **مختصرالقدوري**: إمام أبوالحسين أحمد بن محمد المعروف بالقدوري، متوفىٰ ٤٢٨هـ،دارالريان،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٢٦هـ.

٢٤٦ـ **النهر الفائق شرح كنز الدقائق**: سراج الدين عمربن إبراهيم ابن نجيم الحنفي، متوفىٰ١٠٠٥هـ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٢٢هـ.

فقه شافعی

٢٤٧ـ **فتاوى ومسائل ابن الصلاح**: تقي الدين أبوعمروعثمان ابن المفتي صلاح الدين، الموصلي،متوفىٰ ٦٤٣هـ،دارالمعرفة،بيروت،الطبعة الأولىٰ١٤٠٦هـ.

فقه حنبلي

٢٤٨ـ **أحكام أهل الذمة**: أبوعبدالله محمدبن أبي بكر ابن قيم الجوزية الحنبلي، متوفىٰ ٧٥١هـ،رمادي للنشر،الدمام،السعودية،الطبعةالأولىٰ١٤١٨هـ.

٢٤٩ـ **فتاوى اللجنة الدائمة**: جمع وترتيب:أحمد بن عبد الرزاق الدرويش، دار المؤيد، الرياض، الطبعة الأولىٰ١٤٢٤هـ.

مذاهب

٢٥٠ـ **عون القدير من فتاوى ورسائل ابن الأمير**: محمد بن إسماعيل الأمير الصنعاني، متوفّیٰ١١٨٢ھ،دارابن كثير،دمشق،الطبعة الأولیٰ١٤٣٦ھ.

٢٥١ـ **فتاوی نذیرية**: سید محمد نذیر حسین محدث دهلوي،متوفّیٰ١٣٢٠ھ،مکتبة أصحاب الحدیث،لاهور،٢٠١٠ء.

٢٥٢ـ **كنوز الحقائق من فقه خير الخلائق**: علامة وحيد الزمان،متوفّیٰ١٣٢٨ھ،مطبع شوكت الإسلام،بنگلور،هندوستان،١٣٣٢ھ.

ترغیب وترهیب

٢٥٣ـ **جامع بيان العلم وفضله**: إمام أبو عمرو يوسف بن عبد الله بن محمدبن عبد البر القرطبي،متوفّیٰ٤٦٣ھ،دارإبن الجوزي،الدمام،الطبعة الرابعة١٤١٩ھ.

٢٥٤ـ **سفر السعادة**: مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي،متوفّیٰ٨٢٦ھ،دار القلم، بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤٠٦ھ.

٢٥٥ـ **الكبائر**: أبوعبدالله محمد بن عثمان الذهبي،متوفّیٰ٧٤٨ھ،دارابن كثير،دمشق.

٢٥٦ـ **ما ثبت بالسنة عن أعمال السنة:عربي واردو**: شيخ عبدالحق محدث دهلوي،متوفّیٰ ١٠٥٢ھ، دارالإشاعت، کراچي١٤٠٣ھ.

كتب اخلاق وتصوف

٢٥٧ـ **مدارج السالكين**: محمد بن أبي بكرابن قيم الجوزية،متوفّیٰ٧٥١ھ، دار الصميعي، الرياض،الطبعة الأولیٰ١٤٣٢ھ.

فضائل ومناقب

٢٥٨ـ **الأحاديث الواردة في فضائل الصحابة** : دکتور سعود بن عيد بن عمير الصاعدي، الجامعة الإسلامية،المدينة المنورة،الطبعة الأولیٰ١٤٢٧ھ.

٢٥٩ـ **إمام حسين ﷺ اور واقعۂ کربلا**: حافظ محمد ظفر الله شفيق،معاصر،إداره صراط مستقيم،لاهور.

۲٦٠ـ **الأنوار الباهرة بفضائل أهل البيت النبوي والذرية الطاهرة:** أبوالفتوح عبد الله بن عبد القادر التليدي،مكتبة الإمام الشافعي،الرياض،الطبعة الأولىٰ١٤١٧ھ.

۲٦١ـ **جامع كرامات الأولياء:** إمام يوسف بن إسماعيل النبهاني،متوفّىٰ ١٣٥٠ھ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٧ھ.

۲٦۲ **حدائق بخشش:** إمام أحمدرضاحنفي،متوفّىٰ ١٣٤٠ھ ،مسلم كتابوي،لاهور.

۲٦۳ـ **در السحابة في ذكر شهداء الصحابة:** دكتورالسيد بن حسين العفاني،معاصر، دار العفاني،القاهرة،الطبعة الأولىٰ١٤٣٥ھ.

۲٦٤ـ **در السحابة في مناقب القرابة والصحابة:** قاضي محمدبن علي الشوكاني، متوفّىٰ ١٢٥٠،دارالفكر،دمشق،الطبعةالأولىٰ ١٤٠٤ھ.

۲٦٥ـ **الرياض النضرة في مناقب العشرة:** محب الدين أحمدالطبري،متوفى٦٩٤، دارالغرب الإسلامي،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٩٩٦ء،وط:دارالمعرفة،بيروت،الطبعةالأولى ١٤١٨ھ.

۲٦٦ـ **سيرت عائشة رضي الله عنها:** سيد سليمان الندوي،متوفّىٰ١٩٥٣ء،مكتبة إسلامية، لاهور،٢٠٠٥ء.

۲٦٧ـ **سيرت عمربن عبد العزيز:** مولاناعبد السلام ندوي،دارالإشاعت،كراچي،٢٠٠١ء.

۲٦۸ـ **سيرت ومناقب عمربن عبد العزيز** : حافظ جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمان بن الجوزي،متوفّىٰ٥٩٧ھ،دارالكتب العلمية،بيروت،١٤٢٢ھ.

۲٦۹ـ **شان سيدنا اميرمعاويه،ترجمة:تطهيرالجنان:** محمد مجاهد العطارى القادري،أكبر بك سيلرز،لاهور،٢٠١٤ء.

۲۷٠ـ **شرح أربعين إمام حسين** ﷺ: شيخ عبد اللـه دانش،معاصر،العاصم إسلامك بكس،لاهور٢٠١٥ء.

۲۷١ـ **صفة الصفوة:** عبد الرحمان ابن الجوزي،متوفّىٰ٥٩٧ھ،دارالحديث القاهرة،١٤٣٠ھ.

۲۷۲ـ **فضائل الصحابة:** إمام أبوعبدالله أحمدبن محمدبن حنبل،متوفّىٰ ٢٤١ھ،دارابن الجوزي،الدمام،الطبعةالثالثة١٤٢٦ھ.

٢٧٣۔ **فضائل الصحابة**: إمام أبوعبدالرحمان أحمدبن شعيب النسائي متوفّیٰ٣٠٣ھ، دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولیٰ١٤٠٥ھ.

٢٧٤۔ **محض الصواب في فضائل عمربن الخطاب** رضي الله عنه:يوسف بن الحسن بن عبد الهادي الدمشقي،متوفّیٰ٩٠٩ھ،مكتبة أضواء السلف،الرياض،الطبعة الأولیٰ١٤٢٠ھ.

٢٧٥۔ **المرتضیٰ**:علامةأبوالحسن علي الندوي، متوفّیٰ ١٤٢٠ھ،دارالقلم دمشق، الطبعة الثانية١٤١٩ھ،**وط**:مترجم اردو،مجلس نشرياتِ اسلام،ناظم آباد، كراچي١٤١٢ھ.

٢٧٦۔ **المقامات العلية في الكرامات الجلية**:أبوالفتح محمد بن محمد بن سيد الناس، متوفّیٰ٧٣٤ھ،دارالملاح للطباعة والنشر،الطبعة الأولیٰ١٤٠٦ھ.

٢٧٧۔ **مناقب الإمام أحمد**: أبوالفرج عبد الرحمان ابن الجوزي،متوفّیٰ٥٩٧ھ،مكتبة الخانجي،مصر،الطبعةالأولیٰ١٤٩٩ھ.

٢٧٨۔ **مناقب الإمام الشافعي**: إمام فخرالدين محمدبن عمربن الحسين،الرازي،متوفّیٰ ٦٠٦ھ،مكتبةالكليات الأزهرية،القاهرة،الطبعةالأولیٰ١٤٠٦ھ.

٢٧٩۔ **مناقب الإمام الشافعي** : حافظ أبو الفداء إسما عيل بن كثيرالشافعي،متوفّیٰ٧٧٤ھ، مكتبةالإمام الشافعي،الرياض،الطبعةالأولیٰ١٤١٢ھ.

٢٨٠۔ **مناقب الشافعي**:إمام أبوبكرأحمد بن الحسين البيهقي ، متوفیٰ ٤٥٨ھ، دار التراث، القاهرة،الطبعةالأولیٰ١٣٩٠ھ.

٢٨١۔ **مناقب سيدنا اميرمعاويه** رضي الله عنه : **ترجمة:تطهير الجنان**:مولاناعبد الشكور لكهنوي، مكتبة امداديه،ملتان.

لُغت

٢٨٢۔ **تهذيب الأسماء واللغات**: علامة يحيیٰ بن شرف النووي،متوفّیٰ٦٧٦ھ،دارالفكر. بيروت،الطبعةالأولیٰ١٤١٦ھ،**وط**:إدارة الطباعة المنيرية.

٢٨٣۔ **خزانة الأدب ولبّ لباب لسان العرب**: عبد القادر بن عمر البغدادي، متوفّیٰ١٠٩٣ھ،مكتبة الخانجي بالقاهرة،الطبعة الرابعة١٤١٨ھ.

٢٨٤۔ **الكامل في اللغة والأدب**: إمام أبوالعباس محمد المبرد، متوفى٢٨٥ھ،وزارةالأوقاف والشؤون الإسلامية، السعودية.

٢٨٥۔ **لسان العرب**: إمام محمدبن مكرم المعروف بابن منظورالأفريقي،متوفى٧١١ھ،دار إحياء التراث العربي، بيروت،الطبعة الأولىٰ ١٤١٦ھ.

٢٨٦۔ **مجمع بحار الأنوار**: مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد دكن، هند، الطبعة الاولىٰ ١٣٧٨ھ

٢٨٧۔ **مصباح اللغات**:عبدالحفيظ بلياوي ،مدينةپبلشنگ كمپنى،كراچى،الطبعةالأولىٰ١٩٨٢ء.

سِيَرو تاَرِيْخ

٢٨٨۔ **أثرأهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية،في القرن الأول الهجري**: دكتورجميل عبد الله المصري،مكتبة الداربالمدينة المنورة،١٤١٠ھ.

٢٨٩۔ **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**: شاه ولي الله دهلوي،متوفى١١٧٦ھ، قديمي كتب خانه آرام باغ، كراچى.

٢٩٠۔ **أسماء الخلفاء والولاة وذكر مددهم:ملحق بجوامع السيرة**: أبومحمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم،متوفىٰ٤٥٦ھ،دارالمعارف بمصر.

٢٩١۔ **أميرالمؤمنين الحسن بن علي بن أبي طالب**: دكتورعلي محمد الصلّابي، دار التوزيع القاهرة ، الطبعةالأولىٰ١٤٢٥ھ.

٢٩٢۔ **الأنساب**: أبوسعد عبدالكريم بن محمد بن منصورالسمعاني،متوفىٰ ٥٦٢ھ، دار الجنان،بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٠٨ھ.

٢٩٣۔ **أنساب الأشراف**: أحمد بن يحيىٰ المعروف بالبلاذري،متوفى٢٧٩ھ، دارالفكر، بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤١٧ھ.

٢٩٤۔ **البداية والنهاية**:إسماعيل بن عمربن كثيرالشافعي،متوفىٰ ٧٧٤ھ،دارابن كثير، دمشق،الطبعة الأولى١٤٢٨ھ،**وط**:دارهجر،الطبعةالأولى ١٤١٧ھ،**وط**:مترجم اردو، نفيس اكيڈمي كراچي،طبع اوّل ١٩٨٧ء.

٢٩٥ـ **بستان المحدثين:** شاه عبد العزيز محدث دهلوي، متوفیٰ ١٢٢٩ هـ، ايج ايم سعيد كمپني، كراچي.

٢٩٦ـ **بغية الطلب في تاريخ حلب:** كمال الدين عمر بن أحمد المعروف بابن العديم، ٦٦٠هـ، دار الفكر، بيروت.

٢٩٧ـ **التاج المكلل من جواهر مآثر الطراز الآخر والأول:** سيد محمد صديق بن حسن القنوجي، متوفیٰ ١٣٠٧هـ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولیٰ ١٤١٦هـ.

٢٩٨ـ **تاريخ ابن خلدون:** عبد الرحمان بن خلدون، متوفیٰ ٨٠٨هـ، دار الفكر، بيروت، ١٤١٢هـ.

٢٩٩ـ **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام:** إمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفیٰ ٧٤٨هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٠هـ.

٣٠٠ـ **تاريخ بغداد:** حافظ أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، متوفیٰ ٤٦٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، وط: أيضاً دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٥هـ.

٣٠١ـ **تاريخ الخلفاء:** الإمام الحافظ جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفیٰ ٩١١هـ، وزارة الشؤون الإسلامية، قطر، الطبعة الثانية ١٤٣٤هـ.

٣٠٢ـ **تاريخ الأمم والملوك:** إمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، متوفیٰ ٣١٠هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤هـ، **وط:** دار المعارف، مصر، الطبعة الثانية ١٣٨٧هـ.

٣٠٣ـ **تاريخ خليفه بن خياط:** إمام العلّامة أبي عمرو خليفة بن خيّاط العصفري، متوفیٰ ٢٤٠هـ، دار طيبة، الرياض، الطبعة الثانية ١٤٠٥هـ.

٣٠٤ـ **تاريخ عمر بن الخطاب** ﷺ: أبو الفرج عبد الرحمان ابن الجوزي، متوفیٰ ٥٩٧هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٥هـ، **وط:** المكتبة التجارية الكبریٰ، مصر.

٣٠٥ـ **تاريخ مدينة:** أبو زيد عمر بن شبة النميري، المصري، متوفیٰ ٢٦٢هـ، دار التراث، بيروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٠هـ.

٣٠٦ـ **تاريخ دمشق:** إمام أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله بن عبد الله بن عساكر

الشافعي،متوفّیٰ٥٧١ھ ،دار الفكر،بيروت،١٤١٦ھ.

٣٠٧ـ **التاريخ الصغير**: أبوعبد الله محمد بن إسماعيل البخاري،متوفّیٰ٢٥٦ھ،دار المعرفة، بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤٠٦ھ.

٣٠٨ـ **التاريخ الكبير**: أبوبكر أحمد بن أبي خيثمة،متوفّیٰ ٢٧٩ھ،الفاروق الحديثية، القاهرة، الطبعة الأولیٰ١٤٢٧ھ.

٣٠٩ـ **تدوين حديث**: مولانا سيد مناظر أحسن گيلاني،متوفّیٰ١٣٧٥ھ،البشریٰ ويلفئير اينڈ ايجوكيشنل ٹرسٹ، كراچي،١٤٣٦ھ.

٣١٠ـ **حياة الصحابة**: محمد يوسف الكاندهلوي،متوفّیٰ١٩٦٥ء،دار إحياء التراث العربي، بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤٠٦ھ.

٣٠٢ـ **زبدة الحلب من تاريخ حلب**: كمال الدين أبوالقاسم عمربن أحمد المعروف بابن العديم ،متوفّی ٦٦٠ھ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤١٧ھ.

٣٠٣ـ **سير أعلام النبلاء** : شمس الدين محمدبن أحمدبن عثمان الذهبي،متوفّی ٧٤٨ھ ، مؤسسة الرسالة،بيروت،الطبعة الحادية العشرة١٤٢٢ھ.

٣٠٤ـ **شذرات الذهب في أخبار من ذهب**: أحمدبن محمد العكري الحنبلي،متوفّی ١٠٨٩ھ ،دار ابن كثير،دمشق،الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ.

٣٠٥ـ **طبقات الشافعية الكبرى**: عبدالوهاب بن علي بن عبدالكافي السُّبكي،متوفّیٰ٧٧١ھ، مطبعة عيسیٰ البابي الحلبي،الطبعة الأولیٰ١٣٨٣ھ.

٣٠٦ـ **العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين** : تقي الدين بن أحمد الحسني الفاسي المكي، متوفّیٰ٨٣٢ھ،مؤسسة الرسالة،بيروت،الطبعة الثانية١٤٠٦ھ.

٣٠٧ـ **عيون الأخبار**: أبومحمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة الدينوري،متوفّیٰ ٢٧٦ھ، دار الكتاب العربي،بيروت،تصوير١٣٤٣ھ.

٣٠٨ـ **العقد الفريد**: أحمد بن محمد بن عبد ربه الأندلسي،متوفّیٰ٣٢٨ھ،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولیٰ١٤٠٤ھ.

٣٠٩ـ **عيون الأنباء في طبقات الأطباء**: أحمدبن القاسم الخزرجي،المعروف بابن أبي أصيبعة متوفّیٰ٦٦٨هـ،معهد تاريخ العلوم العربية والإسلامية، جمهورية‌المانيا،١٤١٦هـ.

٣١٠ـ **كتاب المحن**: محمد بن أحمد بن تميم التميمي،متوفّیٰ٣٣٣هـ،دارالغرب الإسلامي، بيروت،الطبعة الثالثة١٤٢٧هـ.

٣١١ـ **كنزالدرروجامع الغرر**: أبوبكربن عبد الله بن أيبك الدواداري،بيروت،١٤١٤هـ.

٣١٢ـ **الكامل في التاريخ**: عزالدين أبوالحسن عليبن محمدالشهيربابن الأثيرالجزري، متوفّیٰ٦٣٠،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعة الرابعة١٤٢٤هـ.

٣١٣ـ **مختصرتاريخ دمشق**: إمام محمدبن مكرم المعروف بابن منظور،متوفّیٰ٧١١هـ،دار الفكر،دمشق،الطبعةالأولیٰ١٤٠٩هـ.

٣١٤ـ **مرآة الزمان في تواريخ الأعيان**: أبوالمظفريوسف بن قزأوغلي، المعروف سبط ابن الجوزي،متوفّیٰ٦٥٤هـ، الرسالة العالمية،بيروت،الطبعةالأولیٰ١٤٣٤هـ.

٣١٥ـ **مسالک الأبصارفي ممالک الأمصار**: شهاب الدين أحمد بن يحيي، متوفّیٰ ٧٤٩هـ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولیٰ٢٠١٠ء.

٣١٦ـ **مسلمانوں كا عروج وزوال**: مولانا سعيد أحمد أكبر آبادي،ايم اے،فاضل ديوبند، إدارۂ إسلاميات،اناركلي،لاهور.بار اول ١٩٨٣ء.

٣١٧ـ **المعرفة والتاريخ**: أبو يوسف يعقوب بن سفيان الفسوي ، متوفّیٰ٢٧٧هـ، مكتبة الدار،بالمدينة المنورة،الطبعة الأولیٰ١٤١٠هـ.

٣١٨ـ **مقدمة ابن خلدون**: عبد الرحمان بن محمد بن خلدون،متوفّیٰ٨٠٨هـ،مؤسسةالكتب الثقافية،الصنائع،الطبعةالأولیٰ١٤١٤هـ.

٣١٩ـ **المنتظم في تاريخ الملوک والأمم**: أبوالفرج عبد الرحمان بن الجوزي، متوفّیٰ ٥٩٧هـ،دارالكتب العلمية،بيروت الطبعةالأولیٰ١٤١٢هـ.

٣٢٠ـ **نسب قريش**: أبوعبد الله المصعب بن عبد الله بن المصعب الزبيري،متوفّیٰ٢٣٦هـ، دارالمعارف،بمصر،الطبعة الثانية.

٣٢١ـ **الوافي بالوفيات:** صلاح الدين خليل بن ايبك الصفدي،٧٦٤هـ،دارإحياء التراث العربي، بيروت،الطبعةالأولىٰ١٤٢٠هـ.

٣٢٢ـ **الوفاء في أخبار النساء:**قاسم عاشور،دارابن حزم،الطبعة الأولىٰ١٤٢٦هـ.

وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان: شمس الدين أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان،متوفّىٰ٦٨١هـ،دارصادر،بيروت،سنة الطبع ١٤١٤هـ.

كُتُبِ مُتَفَرِقَة

٣٢٣ـ **الأوائل:** حسن بن عبد الله بن سهل أبوهلال العسكري، متوفّىٰ ٣٩٥هـ، دار البشير للثقافة والعلوم الإسلامية، طنطا،الطبعةالأولىٰ١٤٠٨هـ.

٣٢٤ـ **أسرارورموز:(كليات اقبال فارسي)** علامةمحمد إقبال،متوفّىٰ١٣٣٨هـ،شيخ غلام علي اينڈسنز،لاهور.

٣٢٥ **الإمام إسحاق بن راهويه ومسنده:** دكتورعبد الغفور البلوشي،مكتبة الإيمان،المدينة المنورة،الطبعة الأولىٰ١٤١١هـ.

٣٢٦ـ **بالِ جبريل:(كليات اقبال،اردو)** علامةمحمد إقبال،متوفّىٰ١٣٣٨هـ،شيخ غلام علي اينڈسنز،لاهور.

٣٢٧ـ **حيات الحيوان الكبرىٰ:** كمال الدين محمدبن موسى الدميري،متوفّىٰ٨٠٨هـ،مطبعة مصطفى البابي الحلبي،مصر،**وط:**دارالبشائر،دمشق،الطبعةالأولىٰ١٤٢٦هـ.

٣٢٨ـ **سرالعالمين وكشف مافى الدارين:(مجموعة رسائل):** أبو حامد محمد بن محمد الغزالي،٥٠٥هـ،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولى١٤١٤هـ.

٣٢٩ـ **ضرب كليم:(كليات اقبال،اردو)** علامةمحمد إقبال،متوفّىٰ١٣٣٨هـ،شيخ غلام علي اينڈسنز،لاهور.

٣٣٠ـ **كتاب الأوائل:**أبوبكرأحمد بن عمروبن أبي عاصم،متوفّىٰ٢٨٧هـ،دارالخلفاء للكتاب الإسلامي.**وط:** دارالبشائر الاسلامية، بيروت،الطبعة الأولى١٤٢٥هـ.

فہرست مضامین

لاغالب الا اللہ

مؤلف کی مطبوعہ تصنیف

أنوار العرفان في أسماء القرآن (کا اجمالی تعارف)

- [illegible] قرآن کی تحقیق، جمع قرآن، حفظ قرآن کا راز، حافظ قرآن اور اس کے والدین، معلم قرآن اور متعلم قرآن میں [illegible] کے فضائل اور ان کا اجر و ثواب۔
- جامعیت قرآن، علوم قرآن کی تعداد، قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر اور ایک باطن اور ہر ظاہر و باطن کا ایک مطلب۔
- جامعیت قرآن کے لیے حدیث شریف کی ناگزیریت اور صاحب قرآن ﷺ کی وسعت علمی کی شان بے پایاں۔
- قرآن کریم کے خاتم الکتب اور نبی کریم ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کے حوالے سے جامعیت قرآن۔
- حضور اکرم ﷺ کے خُلق اور آپ کی سیرت طیبہ کی ہمہ گیریت کی روشنی میں جامعیت قرآن۔
- "الکوثر" سے قرآن کریم کا مراد ہونا اور صاحب قرآن ﷺ کا ازل سے امین قرآن ہونا۔
- اسم قرآن "الروح" اور "النور" کی روشنی میں صاحب قرآن ﷺ کے ازل سے امین قرآن ہونے کا تذکرہ۔
- الفاظ قرآن کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور نور قرآن کے حصول کا طریقہ۔
- تفسیر اور تاویل کا فرق، تفسیر قرآن کے لیے ضروری علوم، فقط ترجمہ کے بھیانک نتائج، ارباب فہم حضرات کی شان، الفاظ قرآن کے باطن سے مسائل مستنبط کرنے کا طریقہ۔
- ناظرہ قرآن مجید سیکھنے، سکھانے کے فضائل، ناظرہ سیکھنے والے بچوں کے والدین کے فضائل، قرآن مجید کو بھلانے کا گناہ، حفظ قرآن کی دعائیں، ماہرین اساتذہ کے تجربات اور ترتیل و تجوید کے ساتھ حفظ کرانے کا طریقہ۔
- بکثرت تلاوت قرآن کے اسباب، تلاوت قرآن کی کثرت اور سرعت تلاوت پر حیرت انگیز واقعات۔
- ترتیل و تجوید کی فرضیت، خوش آوازی کی فضیلت اور اسکے طبعی اور طبی فوائد، غیر معمولی تاثیر اور تدبر فی القرآن کا بیان۔
- قرآن کریم کا امام الکل ہونا، واعظین، مرشدین اور عام لوگوں پر کس حد تک قرآن کا علم حاصل کرنا فرض ہے؟
- قرآن کریم کا شفا ہونا، دم کرنے، کرانے اور تعویذ لٹکانے وغیرہ امور پر انتہائی مدلل بحث۔
- قرآن کریم کو چھونے اور پڑھنے کے آداب، اساتذہ، طلباء اور عام تلاوت کرنے والوں کے آداب، حفظ قرآن میں [illegible] ختم قرآن میں شمولیت اور ختم قرآن کے وقت دعا کی مقبولیت وغیرہ۔

شَرح خَصَائِصِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ (مطبوع، الطبعة الثالثة)

چند خصوصیات:

- مکمل عربی متن مع سند
- سابقہ عربی طبعات کی غلطیوں کی اصلاح
- ہر حدیث کی مکمل تخریج وتشریح
- سند کے لحاظ سے علماء اصولِ حدیث سے ہر حدیث پر حکم
- ہر حدیث پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا متین جواب
- مصنف (امام نسائی رحمہ اللہ) کے قائم فرمودہ عنوانات کی روشنی میں خصوصیاتِ مرتضوی
- متن میں مذکور پنجتن پاک علیہم السلام کا تعارف اور ان کے اہم فضائل وخصائص
- جدید وقدیم تمام ناصبی اعتراضات کا انتہائی علمی اور مہذب رد
- علماء ومشائخ اہلِ سنت دامت برکاتہم کی گرانقدر تقریظات
- پانچ سو سے زائد مآخذ ومراجع (کتابیات) کی فہرست مع سنہ طباعت اور مطبع وغیرہ
- صفحات (1150) گیارہ سو پچاس
- مکمل بیروتی طرزِ طباعت وبائنڈنگ اور امپورٹڈ کاغذ۔
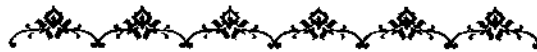
اذانِ مغرب واقامت کے مابین وقفہ (مطبوع)

مغرب کی اذان اور اقامت (تکبیر) کے درمیان مناسب وقفہ کے ثبوت میں پہلی کاوش۔

لطافتِ جسدِ مصطفیٰ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے جسمِ اقدس کی نفاست ولطافت
اور فضلات شریفہ کی طہارت وبرکت کے موضوع پر
اپنی مثال آپ کتاب۔

تصنیف:
قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم
جامعۃ علی المرتضیٰ لاہور

أسنى المطالب في مناقب
أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ﷺ

تصنيف:

امام ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد الجزری المقری الشافعی متوفی ۸۳۳ھ،
صاحبِ "حِصْنِ حَصِیْن" اور صاحبِ "المقدمة الجزرية"۔

ترجمة، تخریج، تحقیق، تشریح
قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم
جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

اہل کساء کا مقام، حقائق واوہام

الذرية الطاهرة النبوية

[صلوات الله وسلامه عليهم]

تصنیف:

امام الحافظ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی، متوفی ۳۱۰ھ،

ترجمۃ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم
جامعۃ علی المرتضیٰ لاہور

كتاب الأربعين

في فضائل آل البيت الطاهرين

تصنيف
عبد الله بن صالح بن محمد العبيد
استاذ كلية الشريعة و وكيل مركز دراسات الطالبات
بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، الرياض

ترجمة، تخريج، تحقيق، تشريح
قاري ظهور احمد فيضي

مكتبة باب العلم
جامعة قطب المرتضى، لاهور

الشمائل المحمدية

للإمام أبي عيسى محمد بن عيسى الترمذي

(٢٠٩ - ٢٧٩هـ)

ترجمة، تخريج، تحقيق، تشريح

قاري ظهور احمد فيضي

مكتبة باب العلم

جامعة علي مرتضى، لاهور

شرح

أنوار العرفان في أسماء القرآن

اسماء قرآن کی روشنی میں فضائل و علوم قرآن اور مقام
صاحب قرآن ﷺ پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

تصنیف

قاری ظہور احمد فیضی

ریسرچ سکالر: جامعہ اسلامیہ لاہور

مکتبہ باب العلم

جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور